إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ
وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِيْمًا ۰ پ ۲۲

مقدساتِ اسلام

مصنفہ و مؤلفہ

امین بھٹی ابن المعراج

رفیق ادارہ مصنفین

بنظرِ ثانی

پیر غلام دستگیر نامی

مکتبہ دین و دنیا (رجسٹرڈ) اردو بازار لاہور

قیمت ——— چھ روپے

نقش ——— اوّل

تعداد ——— ایک ہزار

ناشر ——— ایم - ایس بھٹی

مطبع ——— استقلال پریس مسلم مسجد بیرون لوہاری گیٹ لاہور

کاتب ——— مولوی محمد ظہور

تعنون

کتاب ہذا جو نیازمند نے بڑی عقیدت اور محنت سے مقدساتِ اسلام کے بابرکت حالات سے لوگوں کو آگاہ کرنے کیلئے تالیف کی ہے۔ اسے اپنے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت پیر حیدر شاہ صاحب چوراہی نقشبندی مجددی کے نام نامی و اسم گرامی سے بطورِ تبرک معنون کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

(گر قبول افتد زہے عز و شرف)

نیاز آگین: محمد امین بھٹی

فہرست مضامین

باب دوم: ازواج المقدسات

باب سوم۔ بنات مقدسات

ترتیب ۱۸۷

باب چہارم صحابیات المقدسات

مقدسات اسلام

حاجی محمد امین بھٹی صاحب اکثر اچھی اچھی کتابیں شائع کرتے رہتے ہیں جو طلبہ کے علاوہ عام شائقین کے لئے بھی بے حد مفید ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی یہ کتاب ہے جس میں ان مقدس خواتین کے حالات ہیں جن کا اسوہ بناتِ توحید کے لئے ہر زمانہ میں مشعل راہ بن سکتا ہے۔

حصول آزادی کے بعد باشندگانِ پاکستان کے کردار کی صحیح تشکیل کیلئے صالح ادب کی ضرورت ہے، آج جبکہ مخرب الاخلاق نظموں، کہانیوں اور ناولوں کا رواج ترقی پا رہا ہے۔ اس قسم کی کتب کی اشاعت بڑی اہم قومی خدمت ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کو زنانہ مدارس کی امدادی کتب کے طور پر ضرور مروج کیا جائیگا تاکہ ہماری بیٹیاں مقدساتِ اسلام کی زندگی سے سبق سیکھ سکیں۔

(پروفیسر) محمد شجاع الدّین

صدر شعبۂ تاریخ، دیال سنگھ کالج

لاہور

پیش لفظ

(از ابوالفضل پیر غلام دستگیر صاحب نامی لاہوری مصنف کتب کثیرہ)

میں نے کتاب "مقدسات اسلام" کے مسودہ کا بنظر تحقیق مطالعہ کیا۔ اور جو حک و اضافہ ضروری معلوم ہوا اس کا مشورہ لائق مؤلف کو دیا۔ جو انہوں نے منظور کر لیا۔ اس کتاب میں تمام واجب الاحترام خواتین کو جو عہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر پیدا ہوئیں زمرۂ اسلام میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق شاید کسی کو کلام ہو۔ ان کے رفع اشتباہ کیلئے یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ سب انبیاء علیہم السلام کا مذہب اسلام ہی تھا جیسا کہ کلام اللہ کی آیت اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ سے ثابت ہے۔ ابتدا زمانہ سے لوگ اسلام سے برگشتہ ہوتے رہے اور ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر آتے رہے۔ پھر خداوند تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری رسول اور نبی بنا کر مبعوث کیا اور اسلام کو غیر مبدل آخری دین قرار دیا اور فرمایا لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کتاب میں جن مقدس خواتین کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب مسلمات ہیں۔

اس گراں قدر تصنیف میں حضرت حوا علیہا السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ تک جتنی قابل ذکر مقدسات گزری ہیں ان کے حالات بڑی محنت سے فراہم کر کے درج کیے گئے ہیں۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جن کو خالق کون و مکان نے مومنوں کی واجب الاحترام امہات (مائیں) فرمایا ہے اور پھر چار دیات جو نص قرآنی حضور کی حقیقی بیٹیاں ثابت ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ

وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ (آیت پ ۲۲ سورہ احزاب رکوع ۸) اور دیگر صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا بھی ذکر خیر شامل ہے

یہ شبہ دور کرنا ضروری ہے کہ آیت حرمت نکاح میں بیٹیوں کیلئے لفظ بنات مذکور ہے اور کسی کی پہلے شوہر سے اولاد کیلئے لفظ ربائب نص قرآن ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ النساء رکوع ۴ کی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ الخ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی ربائب تھیں مثلاً حضرت زینب بنت ابی سلمہ وغیرہ تھیں۔ اشتراک اسمی کی وجہ سے بعض خود غرض لوگ دیدہ دانستہ یا نافہمی کے سبب کہہ دیا کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی صرف حضرت فاطمہ تھیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دختران والاشان کے متعلق لفظ بنات استعمال کیا ہے جیسا کہ آیت منقولہ بالا کے حوالہ سے واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر حضرت علیؓ کے ربیب تھے جن کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس سے حضرت صدیق اکبرؓ کی رحلت کے بعد حضرت علیؓ نے نکاح ثالث کیا تھا۔ اور اسی اسماءؓ کے فرزند حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ حضرت ثانی اثنین یار غار نبی کریمؐ کے ربیب تھے کیونکہ حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کے بعد یہ صدیق اکبرؓ کے نکاح میں آئی تھیں۔ یہ بیان بطور جملہ معترضہ بنات و ربائب کے معنوں کی وضاحت کیلئے درمیان آگیا ہے اور یہ بات ناواقف اصحاب کو بتانا ضروری تھی۔

میں یہ لکھ رہا تھا کہ کتاب ہذا مسلمانوں اور بالخصوص مسلمات کیلئے بڑی مفید اور ایمان افروز ہے۔ لہٰذا اس کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔ تاہم انسان خطا و نسیان کا پتلا ہے۔ اگر بیان میں کچھ کوتاہی ہو گئی ہو۔ تو ناظرین کرام اسے مطلع فرمائیں۔ تاکہ دوسرے ایڈیشن میں درستی کر دی جائے۔

دستخط

(غلام دستگیر نامی لاہوری)

بابِ اوّل

حضرت حوّا علیہ السلام

۱۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ سے نوعِ انسانی کی ابتداء ہوئی ۔ گویا آپ کو دنیا کے تمام انسانوں کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔
(قرآن مجید)

۲۔ حضرت حواؑ کی تخلیق اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ عورت انسان کے لئے مجسمۂ رحمت اور پیکرِ لطف و محبت بن کر آئی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا انعام ہے۔

۳۔ حضرت حواؑ کی زندگی ہر عورت کو یہ سبق دیتی ہے کہ وفا شعار اور صداقت پسند عورت کو نہ صرف یہ کہ ہمیشہ گناہ اور بدی کی طاقتوں سے خبردار رہنا چاہیئے۔ بلکہ اپنے خاوند کو اللہ کے بتلائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے ۔

حضرت حوا کائنات عالم کی وہ اوّلین خاتون ہیں۔ جنہیں قدرت کاملہ نے اپنی حکمت بالغہ سے تخلیق کیا۔ اور جن کے وجود سے نوع انسانی کی ابتداء ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ دنیا کے تمام انسانوں کی ماں ہونے کا شرف رکھتی ہیں۔ آپ کا نام حوّا اس وجہ سے مشہور ہوا کہ آپ ہر "انسانِ حی" یعنی ہر زندہ انسان کے ساتھ ماں کا تعلق رکھتی ہیں۔ اور یہ تعلق ایسا دائمی اور غیر فانی ہے۔ کہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ چنانچہ اس مناسبت سے "حی" کا مشتق "حوا" آپ کا نام قرار پایا۔

پیدائش

قرآن مجید میں حضرت حوّا کی پیدائش کے متعلق صرف حسب ذیل ارشاد ہے:۔

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا — اور اس میں سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا

اس آیۂ کریمہ سے یہ تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت حوّا کو حضرت آدم ہی کے وجود سے

پیدا کیا گیا۔ اور " مِنْهَا " کے لفظ نے اس بات کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ کہ حضرت آدمؑ ہی کا وجود حضرت حواؑ کی تخلیق کا ذریعہ ہوا۔ لیکن مذکورہ بالا آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ حضرت آدم کے جسم کے کون سے حصہ سے حضرت حواؑ کا وجود پیدا کیا گیا تھا۔ مفسرین میں سے بعض علماء کرام نے اندازے کی شکل میں وجود آدمؑ کے بعض حصوں کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن سے حضرت حواؑ کے وجود کی تخلیق ہوئی۔ لیکن کلام پاک چونکہ اس بارے میں کوئی قطعی حکم نہیں لگاتا۔ اور نہ ہی اس نے کوئی حتمی فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے مفسرین کے اندازوں کو قیاسات سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ انجیل اور بعض دیگر کتابوں کی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حواؑ کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔

وجہ پیدائش

اللہ جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کر کے انہیں حکم دیا کہ جنت میں رہائش پذیر رہو۔ اور اس کی رنگارنگ نعمتوں سے لطف اٹھاؤ۔

اس ارشاد خداوندی کی تعمیل میں حضرت آدمؑ جنت کے بہار آفریں ماحول میں رہنے لگے۔ جہاں چاروں طرف چمن زاروں کے کہیں ختم نہ ہونے والے سلسلے، سبزہ وگل کے دل آویز نظارے، خوشنما نہروں اور چشموں میں اٹھکیلیاں کرتے ہوئے شفاف پانی کے لطیف نغمے اور معطر پھولوں کے تختے حد نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ طرح طرح کے پھلوں اور میووں سے لدی ہوئی شاخیں جھک کر زمین کی پیشانی چوم رہی تھیں۔ اور اس ماحول کا ذرہ ذرہ لاکھوں رعنائیوں اور کروڑوں نکہتوں کا حامل تھا۔

اس کے ساتھ ہی خلاقِ عالم کی پیدا کی ہوئی نعمتیں اس فراوانی سے موجود تھیں۔ کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور جنّت کا ہر گوشہ ایسی لطافتوں اور پاکیزگیوں سے معمور تھا۔ جن کا انسانی زندگی کہیں خواب میں بھی تصوّر نہیں کر سکتی۔

حضرت آدم علیہ السلام نہایت سکون و مسرت اور راحت و آسایش سے زندگی بسر کرنے لگے۔ انہیں امن و انبساط کے اس قدر سامان میسر تھے۔ جو کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتے۔ محنت و مشقت ان کے پاس تک نہ پھٹکنے پاتی تھی۔ اور غم و فکر کا اس نور و نکہت کی دنیا میں گزر ہی نہیں ہوتا تھا۔ غرضیکہ گلشنِ جنّت کی روح پرور فضا میں حضرت آدمؑ کی زندگی کے دن بڑی بے فکری اور انتہائی عیش و شادانی سے گزر رہے تھے۔ اور کوئی لمحہ کسی وقت بھی اُن کے لیئے باعثِ اضطراب ثابت نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح وقت گزرتا گیا۔ آخر کچھ مدت کے بعد اُن کی طبیعت کسی قدر اُداس اور مضمحل سی رہنے لگی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ کوئی بہت بڑی کمی محسوس کرتے ہیں۔ جنّت میں کسی بات، کسی آسائش کی کمی نہ تھی۔ مگر حضرت آدمؑ ریاضِ جنّت کے جاں نواز ماحول میں رہ کر بھی کوئی کمی محسوس کرتے تھے تو وہ ایک ایسے وجود کی کمی تھی۔ جو اُن کی زندگی کا رفیق ثابت ہو۔ اور اُن کا مونس و غم خوار بن سکے۔ جسے وہ اپنی مسرتوں اور شادمانیوں میں شامل کر سکیں۔ جب حضرت آدمؑ کسی گُلِ رنگین کو ہنستا اور مہکتا ہوا دیکھتے تھے۔ تو انہیں بڑی خوشی ہوتی تھی۔ وہ جوشِ مسرت سے جھوم اُٹھتے تھے۔ اور اپنی فطرت کے تقاضے کے مطابق یہ چاہتے تھے۔ کہ پکار کر کسی سے کہیں " دیکھو کتنا خوبصورت پھول ہے "۔ اور پھر سننے والا بھی اس پھول کو دیکھ کر اسی طرح لطف اندوز ہو۔ جس طرح وہ خود محظوظ ہوتے

تھے۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ تنہا حضرت آدمؑ تھے۔ سادہ رہی تنہائی اب انہیں افسردہ و مضطرب رکھتی تھی۔ اور اداسی کی ایک ملال انگیز کیفیت بن کر ان کے قلب و روح پر مسلط رہتی تھی۔ خدائے ذوالجلال نے جب حضرت آدمؑ کو زیادہ غمگین اور آزردہ خاطر دیکھا۔ تو حضرت حواؑ کو پیدا فرما کر آن کی غم گساری کا سامان مہیا کر دیا۔ اصل میں یہ باتیں قادرِ مطلق کے اُس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے بہانے تھے۔ ورنہ اس کی قدرت کاملہ ایسا بھی کر سکتی تھی۔ کہ حضرت آدمؑ کبھی اُداس نہ ہوتے۔ اور تنہائی انہیں کبھی افسردہ کرنے کا باعث نہ بنتی۔

حضرت حواؑ کی پیدائش کے بعد حضرت آدمؑ کی تنہائی کا دور ختم ہو گیا۔ اور اور حضرت حواؑ کو پا کر آپ کی مسرت و شادمانی کی انتہا نہ رہی۔ خداوند عالم نے آپ کی فطرتِ سلیمہ کے اقتضاء کے مطابق تسکینِ قلب اور اطمینانِ روح کا وہ خاطر خواہ سامان فراہم کر دیا تھا۔ جس کی تلاش آپ کو نعیم جنت کا لطف اٹھانے کی طرف بھی مائل نہ ہونے دیتی تھی۔ اور جس کا مل جانا آپ کے لئے ایک بڑی آرزو کی تکمیل اور ایک عظیم مقصد کے حصول کے مترادف تھی۔ گویا حضرت آدمؑ کی زندگی کے پژمردہ گلشن میں حضرت حواؑ نے ایک ایسی روح پرور بہار کی طرح قدم رکھا۔ جس سے اس گلشن کے تمام مرجھائے ہوئے پھول شگفتہ ہو کر قہقہے لگانے لگے۔ اور آپ کی وجہ سے حضرت آدمؑ کو سکون و راحت اور آرام و اطمینان کی وہ کیفیت میسر آئی۔ جو تنہا ہونے کے باعث چمنِ فردوس میں بھی آپ کو نصیب نہ ہو سکی تھی۔ اور جس کے بغیر جنت کی لطافتیں بھی آپ کے لئے سوہانِ روح تھیں۔

جنت کی اجازت

حضرت حواؑ کی پیدائش کے بعد اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ دونوں

کو مستقل طور پر جنت میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی انتباہ فرمایا:۔

"اے آدم! دیکھ یہ ابلیس[1] تیرا اور تیری بیوی کا سخت دشمن ہے۔ اور تمہارے ساتھ دشمنی کرنے سے باز نہیں رہے گا۔ تم اس کے ہتھکنڈوں سے خبردار رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے باہر نکلوا دے۔ اور پھر تم مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ۔ اور تمہیں محنت و مشقت کرنی پڑے اب تو تمہاری زندگی ایسی ہے کہ نہ تمہیں بھوک محسوس ہوتی ہے۔ اور نہ پیاس سے پریشان ہوتے ہو۔ نہ برہنگی کا خیال تم کو مضطرب کرتا ہے اور نہ سورج کی حدت سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے"

اس سلسلہ میں باری تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ دونوں کو تاکید فرمائی۔ کہ وہ ایک خاص[2] درخت کے قریب بھی نہ جائیں۔ چنانچہ ان دونوں نے فرمان خداوندی کی تعمیل میں وعدہ کیا۔ کہ وہ شجر ممنوعہ کے قریب جانے سے بھی محترز رہیں گے دوسری طرف ابلیس کے دل میں وہ واقعہ ایک ناسور بن کر رس رہا تھا۔ جو اس کو ذلیل و مردود کرنے کا باعث ہوا تھا۔ وہ اس خیال سے کہ یہی آدم ہے جس کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اسے لعنت کا طوق پہنا کر شیطان قرار دے دیا گیا تھا۔ حضرت ابوالبشرؑ سے اپنی ذلت کا انتقام لینے کے لئے ہر وقت موقع کی تلاش میں لگا رہتا تھا تاکہ حضرت آدمؑ کو درگاہِ الٰہی سے مقہور بنائے۔

---

[1] شیطان کا نام ہے۔ [2] مشہور ہے کہ جس درخت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ وہ گندم کا پودا یا درخت تھا۔

ابلیس کی شیطنت

حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ نہایت امن و اطمینان اور سکون و مسرت سے جنّت میں زندگی بسر کرنے لگے۔ اور اس بات کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ کہ اس درخت (پودے) کے پاس نہ جائیں۔ جس سے مشیت ایزدی نے منع فرمایا تھا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ابلیس لعین نے موقع پاکر اپنی شیطنت کا دام فریب بچھانا شروع کیا۔ اور دجل و تلبیس کی حیلہ کاریوں سے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ کہ:-

"جس شجر کو خداتعالیٰ نے ممنوعہ فرمایا ہے۔ وہ حقیقت میں جنّت کا وہ درخت ہے۔ جس کا پھل اگر تم نے کھالیا۔ تو تم دونوں ہمیشہ کے لئے جنّت میں قیام پذیر رہو گے۔"

اس واقعہ پر بعض روایات نے اس سے مختلف انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اور ان میں یہ ذکر اس طرح آیا ہے:-

"شیطان نے پہلے حضرت حوّاؑ کو بہکایا[1] اور انہوں نے حضرت آدمؑ کو شجر ممنوعہ کا پھل کھانے پر آمادہ کیا۔"

لیکن عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ:-

"حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت حوّاؑ کی تخلیق کے بعد ہی ریاض جنّت کی عجیب و غریب نعمتوں، پروردگار عالم کے انعام و اکرام اور وہاں کی پُرمسرت و پرسکون زندگی کا صحیح طور پر احساس ہوا۔"

---

[1] قرآن پاک سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن یہ اس بنا پر ممکن معلوم ہوتی ہے کہ عورت کا ارادہ مرد کی طرح قوی نہیں ہوتا اس لئے شیطان نے اغلباً اس نسوانی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہوگی۔

چنانچہ تنہائی اور بے کسی کا اضطراب وافسردگی جب آپ کے دل سے رفع ہوئی اور آپ حضرت حوّا کی معیت میں جنّت کی راحت افزا اور سرور انگیز زندگی کی لذّتوں سے لُطف اندوز ہوئے۔ تو آپ کے دل میں قدرتی طور پر یہ خواہش رونما ہوگئی کہ دونوں ہمیشہ کے لیے جنّت کی اس پُر لطف زندگی سے بہرہ یاب رہیں۔ اُدھر شیطان بھی تاک میں تھا۔ اور اس وقت کے انتظار میں تھا جب وہ اپنا داؤ چلانے میں کامیاب ہو، چنانچہ اس نے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کے دلوں میں یہ وسوسہ اچھی طرح جاگزیں کردیا کہ :-

"جس درخت کے قریب جانے سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ وہ اصل میں فردوس کا شجر ہے۔ جو اگر کھا لیا جائے۔ تو اس خداوند عالم کا قرب اور ابدی وجاودانی سکون وآرام حاصل ہوسکتا ہے۔ اور اگر تم ہمیشہ کے لئے جنّت میں رہنا چاہتے ہو تو اس شجر ممنوعہ کا پھل کھاؤ۔ تم اسی پھل کو کھانے سے جنّت میں رہ سکو گے۔"

شیطان الرجیم نے اپنی بات کی سچائی کا یقین دلانے کے لئے بڑے بڑے جتن کئے۔ لاتعداد قسمیں کھائیں۔ اور ہر وہ عمل کیا جس سے وہ توقع رکھتا تھا۔ کہ اس کی بات پر اعتبار کیا جائے گا۔ اس نے طرح طرح کی مکاریوں اور فریب کاریوں سے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کے دلوں میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ اُن کا ہمدرد اور بہی خواہ ہے۔ اور شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے کے لئے انہیں کسی دشمنی یا بدخواہی سے آمادہ نہیں کرتا۔ بلکہ ان کی خیر خواہی اور بہتری کے لئے یہ ترغیب دے رہا ہے۔ اس لئے انہیں اس مشورہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ

اس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

ارتکابِ خطا

شیطان کی چکنی چپڑی اور پُر فریب باتیں آخر اپنا کام کر گئیں۔ اور حضرت آدمؑ و حضرت حواؑ اس کے دامِ تزویر میں پھنس کر صحیح رستہ سے بھٹک گئے۔ جس کا نتیجہ اُن کی بھول کی صورت میں رونما ہوا۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ بھول انسانیت کے اس تقاضا کی وجہ سے ظہور میں آئی۔ جو اس کی فطرت میں شامل تھا۔ اور جس کے اثرات اُس کی تخلیق میں ودیعت کئے گئے تھے۔ چنانچہ فطرتِ انسانی کے اس اقتضاء کا مظاہرہ سب سے پہلے اس موقع پر ہوا۔ جب حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ سے عالمِ بشری کی سب سے پہلی بھول سرزد ہوئی۔ اور انہوں نے آگے بڑھ کر اس شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا لیا۔ جس کے پاس تک پھٹکنے سے بھی انہیں روکا گیا تھا۔

بعض لوگ محض نادانی اور کج فہمی کی وجہ سے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی فروگزاشت کو گناہ و نافرمانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کو تاکید کے ساتھ اس درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا۔ اور اس صورت میں یہ کیسے ممکن تھا۔ کہ وہ حکم ربانی کو نظرانداز کر کے دانستہ ایسی حرکت کا ارتکاب کرتے خصوصاً اس حالت میں کہ خداوندِ کریم نے ان کے سینوں کو علم و عرفان کے مقدس نور سے مستنیر کر دیا تھا، ان کے قلوب کو حق تعالیٰ کی تجلیات کے انوار کا مرکز بنایا گیا تھا۔ اور انہیں قربِ خداوندی کا شرف حاصل تھا۔ اس لئے اُن کے متعلق یہ وہم و گمان کرنے کی بھی

کوئی گنجائش نہیں۔ کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈال کر شجرِ ممنوعہ کو چکھنے کا گناہ کیا۔ اور جان بوجھ کر خدا کی نافرمانی کی۔ قربِ الٰہی کا شرف رکھنے والوں سے ایسا گناہ سرزد ہونا قرینِ قیاس نہیں۔ البتہ وہ ایک بھول ضرور تھی۔ اور ایسی بھول جس میں انہیں شیطان کے مکر و فریب نے مبتلا کر دیا۔ اور وہ شجرِ ممنوعہ کا پھل چکھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس بھول کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پھل چکھنے کے ساتھ ہی تمام انسانی کمزوریاں حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے سامنے نمایاں ہو گئیں۔ اور جملہ لوازم بشری ان پر ظاہر ہو گئے۔ اسی کے ساتھ انہوں نے اپنے سراپا پر نظر ڈالی۔ تو دونوں بالکل برہنہ تھے۔ وہ اپنے آپ کو برہنہ دیکھ بہت سراسیمہ ہوئے۔ اور درختوں کے پتے لے کر ستر پوشی کرنے لگے۔

عتابِ خداوندی

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ پتوں سے اپنے ستر چھپا رہے تھے۔ کہ اسی وقت دونوں پر خدائے ذوالجلال کا عتاب نازل ہوا جس میں حکم دیا گیا کہ:-

"تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ اور دونوں اکٹھے جاؤ۔ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ثابت ہوا۔ اس کے بعد اگر میری جانب سے کوئی پیغام تمہارے پاس آیا۔ تو تم میں سے جو بھی میری ہدایت پر عمل پیرا ہوگا۔ وہ نہ گمراہی کا شکار ہوگا۔ اور نہ کسی شقاوت میں مبتلا رہے گا۔"

عتابِ الٰہی کے اس اظہار سے حضرت حواؑ اور آدمؑ بے حد خائف و ہراساں ہوئے

اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اُن سے ایک ایسی لغزش ہوئی ہے۔ جو کسی حالت میں بھی نہ ہونی چاہئیے تھی۔ اور شیطان نے واقعی انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے انہیں اچھی طرح یہ معلوم ہو گیا۔ کہ شیطان اُن کا ہمدرد نہیں دشمن ہے۔ اور اس نے اپنی ذلت و رسوائی کا بدلہ لینے کے لئے یہ دامِ فریب بچھایا تھا۔ اس کا منصوبہ تھا کہ حضرت آدمؑ کو احکامِ الٰہی کی تعمیل سے غافل کر کے موردِ عتاب بنائے۔ اور انہیں جنت سے نکلوا کر دم لے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ سخت پشیمان تھے۔ کہ شیطان کی مکارانہ باتوں میں آکر انہوں نے ایسی حرکت کیوں کی۔ جو انہیں عتابِ الٰہی کا سزاوار بنانے کا باعث ہوئی اور وہ اللہ کے حکم پر کاربند کیوں نہ رہے اور شیطان کے پھانسے میں کیوں آ گئے۔ اب معلوم نہیں اس بھول کی پاداش میں انہیں کیسے کیسے مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا، کن کن تکالیف کا سامنا ہو گا۔ اور کون کون سے آلام و حوادث سے گزرنا پڑے گا۔ یہ خیالات انہیں لحظہ بہ لحظہ مایوس و سراسیمہ کر رہے تھے۔ اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ خدا تعالےٰ کے عتاب سے نجات کس طرح حاصل کریں۔

بھول کا اقرار

اللہ تعالیٰ کا عتاب آمیز حکم سن کر حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ نے نہایت عجز و انکسار اور ندامت و شرمساری سے اپنی بھول اور اپنی لغزش کا اعتراف کر کے توبہ و استغفار کو وردِ زبان بنایا اور بارگاہِ ایزدی میں انتہائی خضوع و خشوع اور عجز و پشیمانی کے ساتھ دعا مانگنا شروع کی کہ:-

یا الٰہ العالمین! ہم نے دیدہ و دانستہ تیرے حکم سے سرتابی نہیں کی اور نہ جان

بوجہ کہ تیری نافرمانی کی ہے۔ بلکہ ہم سے بھول ہو گئی۔

یا ارحم الراحمین! ہم بھول گئے ہیں۔ تیرے احکام سے منحرف یا روگرداں نہیں ہوئے۔"

عفو و خطا بخشی

ان بھولنے والوں نے دعا کا سلسلہ پوری باقاعدگی سے جاری رکھا۔ اور ان کی گریہ وزاری کے آنسو ان دعاؤں کو اپنے پر پرواز پر بٹھا کر پایۂ عرش تک پہنچاتے رہے۔ اسی طرح ایک مدت گزر گئی اور ان دونوں کی زبانیں دعا کے علاوہ اور کسی بات سے لذت آشنا نہ ہو سکیں۔ آخر رحمت خداوندی کا بحر ناپیدا کنار جوش میں آیا۔ اور مولائے رحیم و کریم نے ان کی بھول اور ان کی خطا کو اپنے دامن عفو و کرم میں چھپا لیا۔

اگر حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ اپنی لغزش کا اقرار نہ کرتے تو ممکن تھا کہ بارگاہِ ایزدی سے انہیں معافی نہ ملتی۔ لیکن جو بھول انہیں زیر عتاب لانے کا باعث ہوئی تھی۔ وہ ان سے جان بوجھ کر یا احکامِ الٰہی سے انحراف کے خیال سے نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ وہ شیطان کی فریب کاری کا نتیجہ تھی۔ اس لئے اس بھول کا جرم اتنا سنگین نہ تھا جو قادرِ مطلق کے ابرِ کرم سے محروم رہتا۔ اور قابلِ عفو تصور کیا جاتا۔

خلافتِ ارضی کا منصب

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی بھول معاف کرنے کے بعد خدا تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی کو فرمایا کہ :۔

"تمہیں زمین پر جاکر خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے رہنا ہوگا۔ تمہیں اور تمہاری اولاد کو ایک مقررہ مدت تک اس دنیا میں قیام کرنا ہوگا۔ اور تمہارا دشمن ابلیس بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ اگر تم دنیا میں ہمارے صحیح معنوں میں نائب اور نکوکار بندے ثابت ہوتے۔ تو تمہارا اصل وطن جنت تمہارے لئے دائمی طور پر مخصوص رہے گا۔"

اس ارشاد و عید کے ساتھ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کو فرمانِ خداوندی سے زمین پر اُتار دیا گیا۔ جہاں وہ کافی مدت تک ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہے۔ اس عرصہ میں وہ ایک لحظہ کے لئے بھی آپس میں نہ مل سکے۔ حتیٰ کہ کسی ایک کو دوسرے کے بارے میں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں قیام پذیر ہے۔ اور دونوں کے ملنے کی بھی کوئی صورت رونما ہو سکے گی یا نہیں۔ آخر پھر پروردگار عالم کے حکم سے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کی ملاقات میدان عرفات[1] میں ہوئی جہاں دونوں میاں بیوی نے جبل عرفات پر جاکر باری تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا کے توبہ کی۔ جو بارگاہِ خداوندی میں شرف قبول سے بہرہ یاب ہوئی۔

خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے رہنے سہنے اور زندگی گزارنے کے ڈھنگ انہیں ایسے سکھا دیئے جن کے ماتحت انہوں نے دنیا میں رہنا شروع کر دیا۔ دنیا کے ہم سب انسان یعنی تمام مرد اور تمام عورتیں انہی کی نسل سے ہیں۔ اور

---

[1] میدان عرفات مکہ معظمہ سے تقریباً ۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ماہ ذی الحج کی نویں تاریخ کو عازمین حج اسی میدان میں پہنچ کر خدا تعالیٰ کے حضور میں سارا دن نہایت خضوع و خشوع سے عبادت کرنے میں گزارتے ہیں۔ اور نماز عصر کے بعد جبل عرفات کی طرف منہ کر کے دعا مانگتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! جس طرح تو نے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کی دعا منظور کی۔ اسی طرح ہماری دعا بھی منظور فرما

(باقی برصفحہ ۳۱ ملاحظہ کریں)

جیسا کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے۔ اگر ہم دنیا میں اس کے نیکوکار بندے ثابت ہوں۔ اور اللہ کے فرمانبردار بن کر زندگی گزاریں تو جنت ہمارے لئے حقیقی وطن کی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے مخصوص رہے گا۔

اولاد

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی اولاد کے بارے میں کوئی زیادہ مستند اور معتبر روایات نہیں پائی جاتیں۔ اور نہ ان کے بیٹوں اور بیٹیوں کی صحیح تعداد کا پتہ چلتا ہے۔ یہ معلومات اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہیں جب اس زمانے کی تاریخوں کا سلسلہ زمانہ مابعد کی تواریخ سے ملتا ہو۔ یا ایسی تصانیف دستیاب ہوں جن میں اس ابتدائی دور کی روایات درج ہوں۔ لیکن یہ دونوں چیزیں نایید ہیں۔ اس لئے ان کی اولاد کے متعلق یادثوق طریقہ پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ ان کے دو بیٹوں کا تذکرہ جن کے نام قابیل اور ہابیل تھے! قدیم کتابوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ دونوں بہت مشہور ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید میں ان کے ناموں کا ذکر خاص طور پر نہیں آیا۔ مگر توریت میں ان کے یہی نام دیئے گئے ہیں۔

ہابیل اور قابیل کا جھگڑا

بیان کیا جاتا ہے کہ:۔

"حضرت حواؑ کے ہاں قدرت کاملہ سے ہمیشہ توام (جڑواں) بچے پیدا ہوتے تھے

(بقیہ صفحہ ۳۰) ۹ ذی الحجہ کو اس میدان میں داخل ہو کر سارا دن عبادت میں گزارنے کا نام حج ہے اور اس وقت تمام حجاج ایک ہی قسم کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں۔ یہ سنت حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک چلی آتی ہے۔

تھے۔ جن میں ایک لڑکا ہوتا تھا اور ایک لڑکی۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی عام مشہور ہے، کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ ہمیشہ اس دستور پر عمل پیرا رہتے تھے کہ ایک سال کے جڑواں پیدا ہونے والے لڑکی اور لڑکے کا عقد دوسرے سال کے توام پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی سے کر دیتے تھے۔ گویا ایک سال کی اولاد سے دوسرے سال کی اولاد سے شادی ہو جاتی تھی اور یہ طریقہ انہوں نے عمر بھر جاری رکھا۔ اس دستور کی بناء پر حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کی شادی کا مسئلہ بھی سامنے آیا۔ تو اس میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اس جھگڑے کی وجہ یہ تھی۔ کہ عمر کے اعتبار سے قابیل اپنے بھائی ہابیل سے بڑا تھا۔ اور اس کی توام بہن ہابیل کی توام بہن سے بڑھ کر حسین و خوبرو تھی۔ رائج کئے ہوئے قاعدہ کے مطابق قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کی شادی ہابیل سے اور ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کی شادی قابیل سے ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن قابیل نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس کی زیادہ خوبصورت بہن کا نکاح ہابیل سے ہو جائے۔ اور ہابیل کی کم خوبصورت بہن قابیل سے بیاہی جائے۔ چنانچہ اس نے جھگڑا شروع کر دیا۔ اور مروجہ دستور کی مخالفت کرنے لگا۔

ہابیل کا قتل

شادی کا یہ جھگڑا اس حد تک بڑھا کہ دونوں بھائیوں کے مابین اس نے عناد و عداوت کی صورت اختیار کر لی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قابیل نے اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ یہ دنیا کا وہ پہلا[1] قتل تھا جس کے وقوع

---

[1] ہابیل کے مقتل کے متعلق قدیم تاریخیں تو کوئی صحیح رہنمائی نہیں کرتیں۔ البتہ بعض سیاحوں کا بیان ہے کہ دمشق کے شمالی جانب کے سلسلہ کوہستان میں جبل قاسیون پر ایک مزار لوگوں کی زیارت گاہ بنا ہوا ہے اور وہ "مقتل ہابیل" کے نام سے مشہور ہے۔

پذیر ہونے کی بنا ایک عورت تھی۔ یعنی عورت کے جھگڑے میں کرۂ ارض پر سب سے پہلے جو انسانی خون بہا وہ ہابیل کے قتل کا خون تھا۔

حضرت حوّاؑ کی وفات

قدیم تاریخیں تو حضرت حوّاؑ کی عمر اور وفات کے متعلق کچھ بتانے سے کلی طور پر قاصر ہیں۔ اور مذہبی کتابوں میں بھی ان دونوں چیزوں پر کوئی واضح روشنی نہیں ڈالی گئی۔ نہ کسی جگہ یہ بتایا گیا ہے۔ کہ حضرت حوّاؑ اتنی عمر کو پہنچ کر فلاں وقت پر فوت ہوئیں۔ اور فلاں جگہ آپ کی قبر ہے۔ دنیا کے ابتدائی حالات پر لکھی ہوئی بعض تصانیف سے البتہ اس سلسلہ میں کچھ مواد دستیاب ہوتا ہے۔ مگر وہ بھی معتبر روایات سے یکسر عاری ہے۔ اس لئے حضرت حوّاؑ کی عمر کے بارے میں تو سرے ہی سے کچھ کہنا محال ہے۔ لیکن آپ کی وفات کے متعلق کی ہوئی قیاس آرائیوں سے جو پتہ چلتا ہے۔ وہ بھی اس قابل نہیں کہ اس پر یقین و اعتماد کیا جا سکے بہرحال بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عرب کی مشہور بندرگاہ جدہ[1] میں کسی مقام پر حضرت حوّاؑ کی قبر موجود ہے۔

اوصاف و خصائص

حضرت حوّاؑ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ تمام نسل انسانی کی ماں ہیں۔ اور ایک عورت ہونے کے لحاظ سے آپ کا سب سے بڑا وصف یہ ہے۔ کہ آپ کی ذات گرامی حضرت آدمؑ کے لئے سکون و راحت اور

---

[1] کہتے ہیں کہ عرب کی اس مشہور بندرگاہ کا نام حضرت حوّاؑ کی قبر ہی کی مناسبت سے جدہ مشہور ہوا تھا۔ چونکہ عربی زبان میں دادی کو جدہ کہا جاتا ہے اور حضرت حوّاؑ جن کی اس بندرگاہ کے نواح میں قبر ہے۔ تمام نوع انسانی کی ماں ہیں اس لئے بندرگاہ کا نام جدہ قرار پا گیا۔

اطمینان و مسرت کا باعث تھی۔ آپ کی تخلیق سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو گئی کہ یہ دنیا اگر عورت کے وجود سے خالی ہوتی۔ تو اس میں ویرانی و بربادی کے سوا کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی کہ جنّت کی سدابہار لطافتیں اور دل آویز رعنایاں بھی ایک اجڑے ہوئے باغ کی سنسان اداسیاں معلوم ہوتیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام جیسے عالی مرتبہ اور مقدس انسان بھی جو خلیفۃ اللہ کے منصب عالیہ پر فائز کئے جا رہے تھے۔ جنت کی تنہائی برداشت نہ کر سکے۔ اور حضرت حواؑ نے صحیح معنوں میں ہمدرد و غمگسار اور مونس و دمساز بن کر ان کی زندگی کو مسرت و راحت سے لبریز کیا۔ جس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ عورت کے بغیر مرد کی زندگی بالکل ادھوری، ناکام اور غیر مکمل رہتی ہے۔ اور وہ مکمل اسی صورت میں ہوتی ہے۔ جبکہ مرد کے ساتھ عورت بھی رفیقِ حیات ہو۔

حضرت حواؑ کی زندگی میں ہر عورت کے لئے یہ درسِ عمل موجود ہے کہ:۔

عورت انسان کے لئے خلوص و محبت، ایثار و وفا اور شفقت و رحمت کا پیکر بن کر آئی ہے۔ اور یہ اوصاف وہ ہیں جن سے ایک عورت ایک مکمل عورت کا مقام حاصل کرتی ہے۔ اور جن کی بدولت وہ مرد کے لئے خدا کی بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی بخشش ہے۔

حضرت حواؑ کی زندگی سے یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ:۔

عورت اگر چاہے تو مرد کی زندگی کو مسرت و آسائش اور سکون و راحت کا مرقع بنا سکتی ہے اور اگر چاہے تو مرد کی زندگی کو دوزخ سے بھی بڑھ کر اذیت ناک بنا سکتی ہے۔ اس کے نیک و صالح مشورے مرد کو نصرت و کامرانی اور عظمت و اقبال مندی سے بھی ہمکنار کر سکتے ہیں۔ اور اس کے

غلط، نادرست اور غیر صحیح مشورے سے مرد کو ذلت و رسوائی اور ناکامی و نامرادی کی منزل پر بھی پہنچا سکتے ہیں۔"

حضرت حوا کی زندگی اور جنت سے نکلنے کے واقعہ میں یہ تنبیہ بھی موجود ہے کہ :-

اخلاص مند اور وفا شعار عورت کو بدی، گمراہی اور فتنہ و شر کی طاقتوں سے ہمیشہ خبردار رہ کر مرد کے لئے راہ عمل کا تعین کرنا چاہیئے۔ اور جہاں تک ممکن ہو مرد کو اللہ کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا مشورہ دینا چاہیئے۔ تاکہ اُن کی زندگی ازلی و ابدی مسرتوں اور کامیابیوں کا نمونہ بن جائے۔

حضرت حوا کی زندگی یہ بتاتی ہے کہ :-

عورت اگر گلشن فردوس کی جاں فزا بہاروں اور روح افزا مرغزاروں میں مرد کے ساتھ لطف و مسرت میں شامل ہوتی ہے۔ تو مصائب و آلام کی کٹھن منزلوں اور ویران گھاٹیوں میں بھی پورے عزم و استقامت سے مرد کا ساتھ دیتی ہے۔ اور سیلاب حوادث سے اگر مرد کا دل کہیں ٹوٹ جاتا ہے۔ تو اسے حوصلہ دے کر اس کی ہمت بڑھا کر اس کی توانائے عمل میں ایک نئی زندگی، اور جوش و ولولہ کی ایک نئی دنیا پیدا کر دیتی ہے۔ جس سے وہ تازہ دم ہو کر آگے بڑھتا ہے۔ اور مشکلات و حوادث پر فتح حاصل کر کے اپنی زندگی کو تابناک بنا لیتا ہے۔ بشرطیکہ ایک مخلص، وفادار، نیک دل اور

ذہین عورت اس کی رفیقہ حیات ہو۔

۲- حضرت سارہؑ

حضرت سارہؑ نے رضائے الٰہی اور اپنے جلیل القدر شوہر کی خدمت کے لئے جو لرزہ خیز مصائب برداشت کئے اور جس جذبۂ خلوص و ایثار سے اپنے وطن اور اپنی راحت و آسائش کو قربان کیا اس میں مسلمان عورتوں کے لئے ایک تاریخی درسِ عمل موجود ہے۔ اور انہوں نے اپنی پاکیزہ زندگی کو پاک دامنی، حق پرستی اور حقیقت پسندی کی جن نعمتوں سے مالا مال کیا۔ اس کا انہیں یہ انعام حاصل ہوا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کی عفت و آبرو کو محفوظ رکھنے کے اسباب از خود مہیا کئے گئے۔ اور فرعون جیسے قہرمان بادشاہ نے ان کی شان و عظمت سے مرعوب ہو کر اپنی بیٹی کو حضرت سارہؓ کی خادمہ کے طور پر ساتھ بھیج دیا۔"

حضرت سارہؑ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ اور نہایت عظیم المرتبت خاتون تھیں۔ نسبی اعتبار سے آپ اُس زمانے کی مشہور قوم کلدانی سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور متعدد روایات کے مطابق آپ کے والد کا نام ہارون تھا۔ آپ حد سے زیادہ پاکباز، بلند سیرت اور نیک نفس تھیں اور عصمت وعفت کے آثار بچپن ہی میں آپ کے چہرے پر نمایاں تھے۔ اللہ جل شانہ نے جہاں آپ کو حسنِ صورت سے نوازا تھا۔ وہاں پاکیزہ سیرت کی نعمت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ جب آپ کا سن مبارک درجہ بلوغت کو پہنچا۔ تو آپ کے والدین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ آپ کی شادی کر دی۔

شادی ہو جانے کے بعد حضرت سارہؑ اپنے عالی قدر شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہر موقع پر اور ہر قسم کے دکھ اور سُکھ میں برابر شریک رہیں اور نہایت صبر و استقامت سے زندگی کے ایام بسر کئے۔

ہجرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو بت پرستی سے روکنے اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ ہدایت پر چلنے کی تلقین شروع کی، تو اس دعوت حق کو سنتے ہی ساری قوم اُن کی دشمنِ جان ہو گئی، اور آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ آپ ایک مدت تک اُن مظالم و شدائد کا مقابلہ سینہ سپر ہو کر کرتے رہے۔ جو قوم کی طرف سے آپ پر روا رکھے جاتے تھے۔ اور وہ مصائب عزم و استقلال سے برداشت فرماتے رہے، جو آپ کے لئے قدم قدم پر پیدا کئے جاتے تھے۔ لیکن آخر کار قوم کی چیرہ دستیوں کا سلسلہ یہاں تک دراز ہوا کہ حدِ برداشت سے بھی آگے بڑھ گیا اور حضرت ابراہیمؑ اُسے مزید عرصہ کے لئے سہنے سے مجبور ہو گئے۔ چنانچہ ملک و قوم کی ایذا رسانی کا مقابلہ کرتے کرتے جب آپ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور آپ تنگ آ گئے تو مشیت ایزدی کے ماتحت ہجرت کر کے پہلے آپ ارضِ کنعان میں پہنچے اور پھر وہاں سے مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہ وقت آپ کے لئے بہت ہی نازک اور صبر آزما تھا۔ کیونکہ نہایت بے سرو سامانی کے عالم میں ہجرت کر کے آپ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے تھے جہاں کوئی شخص آپ کو جاننے والا اور آپ کے ساتھ ہمدردی و غم خواری کرنے والا موجود نہ تھا بلکہ کسی کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آپ خدا کے رسول اور ذی شان بزرگ ہیں۔ ایک بے سہارا اور بے سرو سامان اجنبی کی حیثیت سے کسی دوسرے ملک میں جانا جس پریشانی اور تکلیف کا باعث ہو سکتا ہے اس کا تصور ہی انسان کو لرزہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر یہاں تصور کا کیا ذکر تھا۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام عملی طور پر اس تکلیف اور اس پریشانی سے دو چار ہو چکے تھے۔ اور ایک ایسی جگہ پر جہاں آپ کا کوئی مونس و دمساز نہ تھا سوائے حضرت سارہؑ کے جو اس نازک ترین وقت پر بھی آپ کے ہمراہ تھیں اور آپ کے ساتھ رنج و راحت اُٹھا رہی تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ہجرت کے لیے ارض کنعان میں وارد ہوئے تو یہاں اس مقام پہ اقامت گزیں ہوئے جس جگہ آج کل بیت المقدس واقع ہے۔ اس مقام پہ آپ کو قیام فرما ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ بڑا سخت قحط رونما ہوا جس سے لوگوں میں مایوسی و سراسیمگی پھیل گئی۔ اور وہ خوف و ہراس سے بہت پریشان ہو گئے۔ اس قحط کی شدت اور لوگوں کی پریشانی دیکھ کر آپ کو وہاں سے کوچ کرنے پر مجبور ہونا پڑا اور آپ اپنی اہلیہ محترمہ کے ہمراہ یہاں سے ملک مصر کی طرف تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں سلطنت مصر پہ جو بادشاہ حکمران تھا۔ وہ خاندان فرعون کا ایک انتہائی بے رحم، سنگ دل اور ظالم و جابر فرد تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ فرعون بے حد عیاش، بدکردار اور شہوت پرست تھا۔ اس کی ہوس رانی اور بدکاری کا یہ حال تھا کہ بے شمار بیویاں رکھنے کے باوجود جس کی بیوی یا بہو بیٹی کو حسین و خوبرو دیکھتا یا اس کے حسن کی تعریف سن پاتا تو جبراً پکڑوا لیتا۔ اور اپنے تیر ہوس کا صید مظلوم بنانے کے بعد واپس بھیج دیتا تھا۔ اگر کسی عورت کا شوہر ساتھ ہوتا تو اُسے قتل کرا کے عورت حاصل کر لیتا تھا۔

کرامت کا ظہور

حضرت سارہؑ چونکہ قدرتی طور پر نہایت حسین و جمیل خاتون

تھیں۔ اور آپ کے حسن و جمال کا شہرہ دور دراز تک پھیلا ہوا تھا۔ اسی کے
ساتھ فرعون کی ظالمانہ بدکاریاں بھی زمانے بھر میں رسوا ہو چکی تھیں۔ اس لئے
حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر میں تشریف لے گئے تو آپ نے ایک
غیر معروف سی جگہ پر سکونت اختیار کی۔ اس احتیاط سے آپ کا مطلب یہ تھا
کہ کوئی انہیں دیکھ نہ لے۔ مگر فرعون پلید کے ہرکارے جن کی ڈیوٹی ہی یہ تھی۔ کہ
ادھر ادھر گھوم پھر کر بادشاہ کو نئی نئی باتوں کی مخبری کریں۔ اس طرف بھی آنکلے
اور حضرت ابراہیمؑ کے ہمراہ آپ کی زوجۂ مکرمہ کو دیکھ کر فرعون کے پاس اطلاع
پہنچائی۔ کہ شہر میں ایک اجنبی مسافر فلاں جگہ پر مقیم ہے۔ جس کی بیوی بہت
خوبرو ہے۔ فرعون نے یہ بات سن کر فوراً حکم صادر کر دیا کہ اس اجنبی اور اس
کی بیوی کو پکڑ کر دربار میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ سپاہیوں کا ایک دستہ فرعون کے
شاہی فرمان کی تعمیل میں اس جگہ پہنچا۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام قیام فرما
تھے۔ اور آپ کو حضرت سارہؑ کے ہمراہ گرفتار کر کے دربار شاہی میں لا حاضر کیا۔

فرعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملک مصر میں آنے کی وجہ دریافت
کی۔ اور اس کے بعد اور بھی کئی سوالات کئے۔ جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
طرف سے معقول جواب دیا گیا۔ یہ سوالات محض ایک حیلہ تھا جس سے فرعون کا
اصل مقصد حضرت سارہؑ کو دیکھنا تھا۔ اور جب اس ملعون نے حضرت سارہؑ کا حیرت انگیز
حسن و جمال دیکھا۔ تو اس کی نیت میں خباثت پیدا ہو گئی۔ اور اس نے حضرت سارہؑ
کو حاصل کرنے کا عہد کر لیا۔ اس ناپاک ارادہ کے ساتھ اس نے حضرت ابراہیمؑ اور
حضرت سارہؑ کو اس وقت تو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس کے بعد
اپنے ہرکاروں کو یہ حکم دے دیا۔ کہ وہ حضرت سارہؑ کو فرعون کے محل میں لائیں۔ ہرکارے

شاہی حکم کے ماتحت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے۔ اور آپ سے کہا کہ تم کو اپنی اپنی زوجہ کو محل میں لے جانا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہرکاروں کے اس مطالبہ سے فرعون کے خبثِ باطن اور فتورِ نیت کا اندازہ کر لیا۔ مگر اجنبی ہونے کی وجہ سے آپ کو یہ خوف بھی تھا۔ کہ فرعون کہیں ظلم وستم نہ کرے۔ اس لئے آپ حضرت سارہؑ کو فرعون کے محل میں بھیجنے کے خلاف کیا کر سکتے تھے۔ مجبور ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہؑ کو جب دربار میں لے جایا گیا تھا تو اس سے پہلے آپ کو معلوم ہو چکا تھا۔ کہ فرعون بہت ظالم وستمگر بادشاہ ہے اور اس کے جور وستم سے کسی شخص کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ اس وجہ سے آپ نے حضرت سارہ کو دربار میں جانے سے پیشتر سمجھا دیا تھا کہ:۔

"یہ یہاں کا بادشاہ بے حد ظالم اور جابر ہے۔ اگر کسی خوبصورت عورت کو دیکھتا ہے۔ تو زبردستی اسے پکڑ کر اپنے محل کی زینت بنا لیتا ہے اگر اس عورت کے ساتھ اس کا شوہر ہو تو اسے فوراً قتل کرا دیتا ہے۔ اور اگر کوئی اور عزیز ہو تو اسے کچھ نہیں کہتا۔ تم چونکہ میری دینی بہن بھی ہو۔ اور یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی دوسرا مسلمان نہیں۔ اس لئے تم فرعون سے کہہ دینا کہ یہ میرا بھائی ہے۔"

چنانچہ آپ دونوں جب دربار فرعون میں پہنچے۔ تو فرعون نے آپ سے جو سوالات پوچھے تھے۔ ان میں ایک سوال یہ بھی تھا۔ جو حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا گیا کہ اس عورت سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ بعض روایات میں یہ مذکور ہے۔ کہ فرعون نے یہ سوال حضرت سارہؑ سے

پوچھا تھا۔ اور انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ (حضرت ابراہیمؑ) میرا بھائی ہے۔ یہ روایات دونوں ہی صورتوں میں توریت کی بیان کی ہوئی ہے۔ لیکن عقل سلیم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ کہ ایک جلیل القدر پیغمبر نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنی بیوی کے حسن کی پناہ لی ہو۔ اور فرعون سے یہ نامناسب بات کہہ دی ہو۔ کہ سارہؓ میری بہن ہے۔ اسی طرح حضرت سارہؓ کے متعلق بھی یہ جواب دینے کا تصور قرین قیاس نہیں کہ وہ (حضرت ابراہیمؑ) میرا بھائی ہے۔ ایک عظیم المرتبت پیغمبر اور ان کی زوجہ مطہرہ کی طرف سے اس قسم کی غلط بیانی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اس جواب کے متعلق اس تاویل کا بھی سہارا لیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے ایک دوسرے کو دینی لحاظ سے بہن بھائی سمجھ کر جواب دیا تھا۔ علاوہ ازیں اس جواب کی بنیاد اس وجہ پر بھی رکھی جاتی ہے۔ جو متعدد روایات میں مذکور ہوئی ہے۔ اور جس میں بتایا گیا ہے۔ کہ حضرت سارہؓ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے حقیقی چچا ہاران کی صاحبزادی تھیں۔ لہذا وہ اس نسبت سے حضرت ابراہیمؑ کی چچا زاد بہن بھی ہوتی تھیں۔ بہرحال فرعون کے دربار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت سارہؓ کی طرف سے ان کے جس باہمی رشتہ کے اظہار کی روایت بیان کی جاتی ہے۔ اس پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور غیر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طرف سے ایسا جواب دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرعون کے ہرکاروں سے شاہی حکم سننے کے بعد حضرت سارہؓ کو ظاہری طاقت سے نہیں روک سکتے تھے۔ انہیں خدا کا آسرا اور بھروسا تھا۔ کہ وہ ضرور مدد کرے گا۔ اور حضرت سارہؓ محفوظ رہیں گی پس

شاہی ہرکارے حضرت سارہؓ کو جبراً فرعون کے محل میں لے گئے اور ان کا ایسا کرنا یقینی بلکہ لازمی تھا۔ کیونکہ وہ اسی غرض سے آئے تھے۔ اس لئے حضرت ابراہیم کی رضامندی کو دخل نہ تھا۔ لہٰذا وہ ہرکارے حضرت سارہؓ کو شاہی محل میں لے گئے یہ واقعہ بھی حضرت سارہؓ کی طرف سے مشیّت ایزدی کی تابعداری، طاعت گزاری اور وفا شعاری کا ایک سبق آموز واقعہ ہے۔ کہ آپ فرعون کی خیانت، اس کی بدنیتی اور اپنے محل شاہی میں جانے کے لرزہ خیز انجام سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی مجبور تھیں۔ مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں لہٰذا کچھ پیش نہ گیا۔ اور مشیّت ایزدی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور شاہی ہرکاروں کے ہمراہ محل کی طرف روانہ ہو گئیں۔ جہاں آپ کو زبردستی حرم میں داخل کر دیا گیا۔ اور رضائے الٰہیہ پر موت کے منہ میں جانا تقدیس و تعظیم کی کتنی روشن دلیل ہے۔

محل شاہی میں حضرت سارہؓ کی تشریف آوری سے فرعون کو بے حد اطمینان و مسرت حاصل ہوئی کہ وہ شکار اب دام فریب میں آ گیا ہے۔ جس کو پھنسانے کے لئے وہ بے تاب تھا۔ سارا دن تو وہ اس خوشی میں محو رہا۔ اور جب رات ہوئی تو فرعون ملعون شراب کے نشہ میں بدمست ہو کر حضرت سارہؓ کے کمرے میں پہنچا۔ اور آپ کے ناموس اطہر پر حملہ کرنے کی غرض سے اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ لیکن وہ ابھی ذرا سا بڑھنے پایا تھا۔ کہ فی الفور وہیں شل ہو گیا۔ اور اسے حضرت سارہؓ کو چھونے کی بھی مہلت نہ ملی۔ فرعون یہ حالت دیکھ کر بہت سراسیمہ ہوا۔ اور حضرت سارہؓ سے التجا کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کا ہاتھ درست کرنے کے دعا کریں۔ ساتھ ہی یہ وعدہ کیا کہ میرا ہاتھ اگر ٹھیک ہو گیا تو آپ کو آزاد کر دیا جائیگا۔

اللہ کے پیارے بندے اپنے ایمان کی مضبوطی کے باعث دوسروں کے وعدہ پر اعتبار کرتے ہیں تامل نہیں کیا کرتے اور سمجھتے ہیں کہ وہ وعدہ کرنے والوں کے دل شائد انہی کی طرح پاک وصاف ہیں۔ حالانکہ سیاہ باطن لوگوں کا وعدہ ایک دھوکے اور ایک فریب سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا چنانچہ حضرت سارہؓ نے فرعون کے وعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں اس کے ہاتھ کی درستی کے لئے دعا کی جو اسی وقت درجہ قبولیت کو پہنچی۔ اور فرعون کا ہاتھ فی الفور اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ فرعون نے اپنے ہاتھ کو درست پاکر وعدہ خلافی کی اور حضرت سارہؓ کی شان میں پھر گستاخی کرنے پر آمادہ ہوا۔ تو اس دفعہ بھی اس کے ہاتھ بے حس وحرکت ہو گئے۔ غرضیکہ اس ناہنجار نے حضرت سارہؓ پر تین مرتبہ بدنیتی سے حملہ آور ہونے کی کوشش کی۔ مگر خدا تعالیٰ کے حکم سے تینوں بار اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے رہے۔ اور ہر بار حضرت سارہؓ کی دعا کے فیض وبرکت سے درست ہوئے۔ یہ واقعہ اس قدر حیرت انگیز اور غیر معمولی تھا۔ کہ فرعون جیسے بے رحم اور ستم شعار کی سنگ دلی پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اسے غرق ندامت میں ڈبونے کا باعث ہوا۔ چنانچہ وہ اپنے ناپاک ارادے سے فوراً باز آگیا اور حضرت سارہؓ کی اس کرامت کا دل سے قائل ہو گیا اس کے بعد فرعون نے حضرت سارہؓ کو نہایت ادب واحترام کے ساتھ ان کی جائے قیام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچانے کا انتظام کر دیا۔ اور آپ کو رخصت کرتے وقت اپنی حسین وجمیل بیٹی ہاجرہ بھی ساتھ دے کر کہا کہ۔ اسے بھی اپنے ہمراہ لے جائیے۔ تاکہ مصر کی یہ شاہزادی عمر بھر آپ کی خدمت کرتی رہے میری بیٹی کا آپ کے گھر میں لونڈی بن کر رہنا دوسری جگہ ملکہ بن کر رہنے سے

ہزار درجہ بہتر ہے"

اس سلسلہ میں تورات کی روایت یہ ہے کہ :-

"فرعون مصر نے حضرت سارہؓ کے واقعہ کو کرامت سے تعبیر کیا اور اس بات پر ناراض ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے کیوں نہ بتا دیا کہ سارہؓ ان کی بہن نہیں بیوی بھی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بڑے انعام و اکرام اور عزت کے ساتھ انہیں مصر سے رخصت کیا۔ پھر اپنے خاندانی رشتہ کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے اپنی بیٹی ہاجرہؓ کو ان کی زوجیت میں دے دیا۔ حضرت ہاجرہؓ اس وقت کے رواج کے مطابق حضرت سارہؓ کی خادمہ قرار پائیں۔"

فرعون کے محل سے واپس تشریف لا کر حضرت سارہؓ نے تمام حالات حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتائے اور مبارک باد کہی کہ اللہ تعالٰی نے ان کی عصمت و آبرو کی حفاظت کی ہے۔ اور شاہزادی مصر ہاجرہ کو ان کی خادمہ بنا کر بھیجا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ہاں مجھے معلوم ہے۔ اور جو واقعات تم پر گزرے ہیں۔ قدرتِ کاملہ نے وہ سب مجھے یہاں آنکھوں سے دکھلائے ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت سارہؓ کو محل فرعون میں جو حالات پیش آ رہے تھے۔ مشیت ایزدی سے حضرت ابراہیمؑ کو وہ تمام حالات وہیں دکھلائے جا رہے تھے۔ اور اسی بنا پر آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے وہ سب واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سربسجود ہو کر احکم الحاکمین کا شکر ادا کیا کہ آپ کا ناموس و آبرو جلتی آگ میں بھی محفوظ

رہا ہوں رہا۔

اوصاف و فضائل

حضرت سارہؑ اپنے شوہر عالی مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سچی فرمانبردار، حق و انصاف کی شیدائی اور رضائے خداوندی پر خلوص دل سے صبر و قناعت کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ پاک دامنی، نیک سیرتی اور ایثار و قربانی کا صحیح مرقع تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہنشاہ نمرود کے ظلم و ستم سے تنگ آکر ہجرت کی تو حضرت سارہؑ اس وقت بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ اور اس کے بعد آپ نے ان حوصلہ شکن مرحلوں اور کٹھن منزلوں میں بھی ساتھ دیا۔ جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جا بجا گزرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اپنے عظیم المرتبت خاوند حضرت ابراہیمؑ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آپ نے اپنے سکون و راحت کو قربان کرنے میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کی اور اپنے شوہر کی دعوت حق پر ایسے نازک زمانے میں لبیک کہی۔ جب آپ کی ساری قوم اور جملہ قبائل، آپ کے خاندان کے سب افراد اور احباب و اقارب حتیٰ کہ تمام لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جان کے لاگو بنے ہوئے تھے۔ حضرت سارہؑ کی پاکیزہ زندگی مسلمان خواتین کے لیے ایک ایسی مشعلِ راہ ہے، جس کی روشنی میں وہ نجات و کامرانی کی منزل پر پہنچ سکتی ہیں۔ اور آپ کی زندگی کا یہ سانحہ اپنے اندر ایک بہت بڑا درس عبرت رکھتا ہے کہ پروردگار عالم نے آپ کی عصمت و عفت کی حفاظت کے سامان کس طرح پیدا کئے اور آپ محض رضائے

حق کے لیے اپنے شوہر کے ساتھ کیسے بے پناہ مصائب سے دوچار ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت سے نوازا۔

اولاد

حضرت سارہؓ اپنی زندگی کے آخری دم تک حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ رہیں اور عمر کے بالکل آخری حصّہ میں قدرتِ خداوندی سے ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام اسحٰق رکھا گیا اور بعد میں دنیا نے اُسے اسحٰق نبی اللہ کے اسم گرامی سے پکارا۔ انہی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے بنی اسرائیل کا سلسلہ جاری ہوا۔

عادات وخصائل

حضرت سارہؓ نہایت انصاف پسند، رحم دل، بلند ہمّت اور عالی ظرف خاتون تھیں۔ حق پسندی اور صداقت پرستی آپ کی طبع مبارک کے وہ نمایاں جوہر تھے۔ جن کی وجہ سے عمر بھر آپ کی عزت وعظمت کا بلند مقام حاصل رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ آپ کے ان جوہروں سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لئے ہر بات میں آپ کا مشورہ لینا ضروری تصوّر فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ہی کے منشاء کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہؓ اور ان کے ننھے بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بے آب وگیاہ جنگل یعنی سرزمین مکہ میں چھوڑ گئے تھے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہؓ کی رائے سے اختلاف ہوتا تھا۔ اور آپ حضرت سارہؓ کی بات ماننے

سے انکار کر دیتے تھے۔ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اسی وقت جبریلؑ یہ حکم لے کر پہنچ جاتا تھا۔ کہ وہی کرو جو سارہؓ چاہتی ہے اس سے حضرت سارہؓ کی عظمت اور اللہ کے نزدیک ان کے عقیدہ حقّہ کا پورا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور یہی باعث تھا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے نیک مشوروں کو بڑی اہمیّت دیتے تھے۔ اور آپ کی رائے گرامی کی قدر کرتے تھے۔

(۳)

حضرت ہاجرہؑ

۱- زائرین بیت اللہ شریف سعی بین الصفا والمروۃ آج تک فرض کے طور پر ہر سال ادا کرتے ہیں۔ اور اسے حج کا ایک اہم رکن تسلیم کیا گیا ہے (قرآن مجید)

۲- اتنی صابرہ و شاکرہ ہوی اور خدا پرست و ثابت قدم ماں چشم فلک آج تک دیکھنے سے قاصر ہے۔

۳- طلوع اسلام سے قبل اور خلافت راشدہ کے بعد کی عورتوں میں کوئی بھی عورت تسلیم و رضائے الٰہی، تربیت اولاد اور صبر و استقامت میں ان سے نہیں بڑھ سکی۔

شان و عظمت

گزشتہ سطور میں یہ بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ حضرت ہاجرہؓ مصر کے بادشاہ فرعون کی بیٹی تھیں۔ آپ نہایت نیک خصائل، پاک باطن، شریف طبع اور عقلمند تھیں، اور خوبصورتی کے ساتھ ہی ساتھ آپ کو خوب سیرتی کی بے بہا نعمت حاصل تھی۔ مگر قدرت کاملہ نے آپ کو عزت و عظمت کے جو درجات عالیہ عطا فرائے تاریخ عالم ان کی مثال پیش کرنے سے معذور ہے۔

فرعون مصر نے آپ کو حضرت سارہؓ کے ساتھ خادمہ کی حیثیت سے روانہ کر دیا تھا۔ اور اس وقت سے آپ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ساتھ اور ان کی زندگی کے ہر پہلو میں برابر شریک عمل رہیں۔ اسی طرح ایک طویل مدت گزر گئی اور حضرت ابراہیمؑ اپنی پہلی بیوی حضرت سارہؓ کی رضامندی کے بغیر آپ سے شادی نہ کر سکے۔

لہ منتخب اللغات شاہجہانی میں ہے کہ ہاجرہ آجر نام ام حضرت اسمٰعیلؑ

نکاح

حضرت سارہؑ کی عمر ضعیفی کے درجہ پر پہنچ چکی تھیں۔ مگر اُن کے ہاں ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اور بڑھاپے میں اس کی کوئی توقع باقی نہیں رہی تھی۔ اس لئے حضرت سارہؑ نے یہ مناسب سمجھ کر حضرت ابراہیمؑ کو خوشی کے ساتھ اجازت دے دی۔ کہ حضرت ہاجرہؑ سے عقد کر لیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی مستقل جگہ مقام حبرون میں حضرت ہاجرہ سے شادی کر لی۔

حضرت اسماعیلؑ کی ولادت

حضرت ہاجرہؑ سے نکاح کرنے کے بعد بھی حضرت ابراہیمؑ کا عرصہ تک اولاد سے محروم رہے۔ اور دونوں بیویوں سے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔ اس لئے آپ نے بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں دعا کی کہ:-

"الہٰ العالمین! مجھے فرزند عطا فرما۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو بارگاہ خداوندی میں شرفِ قبولیت حاصل ہوا۔ اور چند ماہ کے بعد حضرت ہاجرہؑ کے ہاں حضرت اسمٰعیلؑ تولد ہوئے اس کے ساتھ ہی وحی کے ذریعہ سے یہ بشارت بھی ملی کہ:-

"اس مقدس ترین بچے کی بارہ اولادیں پیدا ہوں گی۔ اور یہ سب بچے شان و عظمت اور تعداد کے اعتبار سے ایک بڑی جماعت کے سردار ہوں گے۔ علاوہ ازیں اسی کی اولاد سے ایک لڑکا تولد ہو گا۔ جو خاتم النبیین اور امام المرسلین کے مراتب پر فائز ہو گا۔ اور وہ ایسی شریعت لائے گا۔ جو سب سے کمل اور آخری شریعت ہو گی۔"

توریت میں ان حالات کے متعلق جو روایات درج ہیں ان میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ سے جب حضرت ہاجرہؑ اُمید سے ہوئی تھیں ۔ تو حضرت سارہؑ کو اس وقت بھی رشک پیدا ہوا تھا ۔ اور اس کے بعد جب حضرت ہاجرہؑ کے ہاں حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تو بشریت کے تقاضا سے حضرت سارہؑ کو بہت ناگوار گزرا ۔ اس لئے انہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے اصرار کیا کہ اسمٰعیلؑ اور ان کی ماں کے قیام و رہائش کے لئے کہیں علیحدہ انتظام کیا جائے ۔ حضرت ابراہیمؑ کو یہ مطالبہ پسند نہ آیا ۔ اور آپ اس پر ناراض ہوئے ۔ مگر ساتھ ہی اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی ۔ کہ آپ کے ہاجرہؑ کے اور اسمٰعیلؑ کے لئے اسی میں مصلحت ہے کہ سارہؑ کے مشورہ پر عمل کیا جائے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس فرمان خداوندی کے سامنے تسلیم و رضا کا سر جھکا یا ۔ اور حضرت سارہؑ کے مطالبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے فوراً تیار ہو گئے

غور کا مقام ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شادی کئے ہوئے ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری تھی ۔ اور پھر کتنی امیدوں اور تمناؤں کے بعد فرزند عزیز تولدّ ہوا ۔ مگر اس لخت جگر کے لئے بارگاہ رب العزت سے حکم کیا ہوتا ہے ؟ سبحان اللہ ! اس میں بھی مشیت ایزدی کا راز مضمر تھا ۔

الغرض حضرت ابراہیمؑ ارشاد خداوندی کی تعمیل کے لئے حضرت ہاجرہؑ اور ان کے ننھے بچے کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے اور ریگستان عرب کے ایک ایسے چٹیل اور بے آب و گیاہ میدان میں پہنچے جہاں کوئی آبادی نہ تھی نہ انسان ، نہ کوئی مونس تھا نہ غمخوار ۔ محض اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور اس کا سہارا ۔ بس اس کے سوا کچھ نہ تھا ۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْر ۔ ترجمہ : کیا ہی اچھا ہے مالک (اللہ) اور کیا ہی اچھا ہے مددگار

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کو اس لق و دق صحرا کے اس بے آب و گیاہ، بھیانک اور زہرہ گداز مقام پر تن تنہا چھوڑ دیا - اور خود واپس چل دیئے - لیکن ابھی آپ چند ہی قدم آئے تھے کہ حضرت ہاجرہؑ آپ کے پیچھے آئیں اور آب دیدہ ہو کر کہا کہ:

لے اسماعیل کے باپ! آپ ہمیں ایسی جگہ پر تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں جہاں چاروں طرف دہشت انگیز ویرانی اور ہولناک خاموشی مسلط ہے اور جہاں کسی آدم زاد کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا - یہاں ہمارا کون مونس و غمخوار ہو گا - اور کون ہماری حفاظت اور خبر گیری کیا کرے گا؟

حضرت ابراہیمؑ نے ان الفاظ کو سن تو لیا - مگر کوئی جواب نہ دے سکے - اور نہایت خاموشی سے سر جھکائے اپنی راہ پر چلتے گئے - آخر آپ کی اس خاموشی سے تنگ آ کر حضرت ہاجرہؑ نے دریافت کیا:-

من امرک ان تضعنا بواد لیس فیھا انیس و لا ماء

(ترجمہ) آپ کو کس نے حکم دیا کہ ہم کو اس بے آب و گیاہ مقام پر ڈال جائیں!

آپ نے جواب میں فرمایا:-

ربی امرنی

میرے پروردگار نے حکم دیا ہے۔

یہ الفاظ سن کر حضرت ہاجرہؑ کو اطمینانِ قلب حاصل ہوا اور آپ نے بڑے عزم و ولولہ کے لہجہ میں فرمایا:-

لن یضیعنا بل یحفظنا

وہ ہم کو ضائع نہ کرے گا - بلکہ ہماری حفاظت کرے گا۔

اور واپس چلی گئیں -

شانِ ایزدی ملاحظہ ہو کہ یہ پُرخطر ماحول، یہ دہشت انگیز سماں اور یہ وحشت افزا جگہ اس پر یہ متوکلانہ عزم اور یہ پُراعتماد عزیمت عالی حوصلگی اور بلند کرداری کا کیسا واضح نمونہ ہے۔

حضرت ابراہیمؑ بیوی اور بچے کو پروردگارِ عالم کے سپرد کر کے واپس ہو گئے، اور ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر جہاں سے آپ اپنی بیوی بچے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ کعبۃ اللہ کی طرف رُخ کر کے نہایت موثر الفاظ میں اللہ جل شانہٗ سے دعا مانگی کہ :-

"اے پروردگارِ عالم! ایک ایسے لق و دق صحرا میں جہاں کھیتی اور آب و دانہ کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔ میں نے اپنی بیوی اور لختِ جگر کو تیرے قابلِ احترام گھر کے قریب لا ڈالا ہے تاکہ وہ تیری عبادت کریں۔ پس اے رب العلمین اپنے فضل و کرم سے دور و نزدیک کے لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور زمین سے ان کے لئے رزق کا سامان مہیا فرما تاکہ وہ تیرا شکر بجا لائیں"

حضرت ابراہیمؑ کی واپسی کے بعد حضرت ہاجرہؑ پر جو گزری ہو گی۔ وہ انہی کا دل جانتا ہو گا۔ ایک صحرائے بے آب و گیاہ، میں جہاں قدم قدم پر اٹھتے ہوئے ریت کے بگولے بھوت بن بن کر ناچتے ہوں۔ اور خوف و دہشت کے سوا کوئی چیز دکھائی نہ دے۔ وہاں ایک تنِ تنہا عورت اور اس کے معصوم بچے کے قیام کا تصور ہی جسم انسانی پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ لیکن جو نفوس اس جگہ رہنے پر مجبور تھے۔ ان کی حالت کیا ہو گی ؟

آبِ زمزم

حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے واپس جانے کے بعد حضرت ہاجرہؑ اپنے ننھے بچے کے ہمراہ اسی میدان میں قیام پذیر ہو گئیں۔ چند روز تک آپ نے مشکیزے

کا پانی پی کر اور کھجوریں جو اپنے ساتھ لائی تھیں کھا کر گزارہ کرتی رہیں۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو دودھ پلاتی رہیں۔ لیکن کچھ دنوں کے لیے یہ دونوں چیزیں ختم ہو گئیں تو آپ کو سخت پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔ بھوک اور پیاس کی شدت نے آپ کو نڈھال کر دیا۔ علاوہ یہ کہ ایک طرف اپنی تکلیف اور دوسری طرف پیارے بچے کی بدحالی جس کے باپ جا چکے ہیں اور زادِ راہ ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی صورت نہ تھی۔ جس سے بھوک اور پیاس کا علاج کریں۔ اپنی تکلیف تو آپ برداشت کر رہی تھیں۔ لیکن ننھا معصوم جب پیاس کی شدت سے تڑپتا تو آپ سے برداشت نہ ہوتا تھا۔ ادھر ادھر پانی کی تلاش کرتیں مگر کہیں سے دستیاب نہ ہوتا۔ گھوم پھر کر ناکام واپس آ جاتیں۔ اسی عالم میں معصوم اسمٰعیلؑ کو پیاس نے بے قرار کیا۔ تو اس نے اپنے ننھے ننھے پاؤں اس طرح زمین پر رگڑنا شروع کیے جیسے تڑپ رہا ہے۔ ماں کی ممتا سے یہ منظر دیکھا نہ جاتا تھا۔ حضرت ہاجرہؓ کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ اور آپ نہایت بے قرار ہو کر قریب کی دو پہاڑیوں صفا اور مروہ پر جا کر پانی کی تلاش میں سرگرداں ہو گئیں۔ لیکن وہاں پانی نہ پا کر واپس آ گئیں۔ یہاں سے پھر انہیں پہاڑیوں پر گئیں اور دوبارہ بھی ناکام لوٹ آئیں۔ اسی طرح آپ سات دفعہ ان دونوں پہاڑیوں پر پہنچیں[۱] اور سات ہی دفعہ بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔ معصوم بچہ اسی طرح زمین پر اپنے پاؤں

---

[۱] یہی وہ سعی بین الصفا والمروۃ ہے۔ جسے آج تک اور آئندہ رہتی دنیا تک زائرین بیت اللہ شریف فرض کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ادا کرتے رہیں گے۔ اور اسے حج کا اہم ترین رکن تسلیم کیا گیا ہے۔

رگڑ رہا تھا۔ آخر پہاڑیوں کا ساتواں چکر لگانے کے بعد جب ہاجرہؑ واپس آئیں۔ تو کیا دیکھتی ہیں کہ:۔

"حضرت اسمٰعیل کے پاؤں تلے شفاف پانی کا چشمہ رواں ہے"

حضرت ہاجرہؑ جب پانی کے قریب پہنچیں تو آپ کی خوشی کی حد نہ رہی اور آپ نے جلدی سے پانی کے چاروں طرف باڑ سی بنانا شروع کر دی۔ مگر چشمہ اسی طرح اُبلتا رہا۔

خاتم الانبیاء حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ اسماعیلؑ کی ماں پر رحم کرے کہ اگر وہ زمزم کی باڑ بنا کر نہ روکتیں اور اس کے چاروں طرف بالشت بنائیں تو آج یہ زبردست چشمہ ہوتا"

اس چشمہ کے متعلق بعض مؤرخین نے ایک اور روایت بھی بیان کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "حضرت ہاجرہؑ اپنے بچے کی درد ناک تکلیف اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکیں تو پانی کے لئے اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ شروع کر دی، قریب ہی ایک پہاڑی تھی۔ جو آج تک صفا کے نام سے مشہور ہے اس پر چڑھ گئیں کہ شاید کوئی شخص نظر آجائے اور اس سے مدد کی درخواست کریں یا کہیں پانی کا ہی نشان مل جائے۔ مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ چاروں طرف پھیلا ہوا لق و دق صحرا اور ناچتے ہوئے بگولے نظر آتے تھے۔ چنانچہ آپ مایوس ہو کر واپس آگئیں پھر ممتا نے جوش مارا تو وادی کی طرف جا نکلیں اور پھر دوڑ کر مروہ نامی پہاڑی پر جا چڑھیں۔ پھر لوٹ آئیں۔ حتیٰ کہ انتہائی بے تابی اور پریشانی میں حضرت

ہاجرہؑ نے سات مرتبہ ایسا کیا۔ اور آخری دفعہ جب آپ مروہ پہاڑی پہ پہنچیں۔ تو آپ کو ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ آپ اس آواز کو سنکر چونک پڑیں اور دل میں خیال کیا کہ کوئی پکار رہا ہے۔ آپ نے کان لگایا تو پھر وہی آواز سنائی دی اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ اگر تم میری مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ۔ میں نے تمہاری آواز سن لی ہے۔ ایک لحظہ کے بعد آپ نے دیکھا تو خدا کا مقرب فرشتہ آپ کے سامنے تھا۔ آپ نے حضرت جبریل امین کو دیکھا تو پہلے آپ خوفزدہ ہوئیں۔ لیکن جب فرشتہ نے زمین پر پَر مارا یا بعض روایات کے مطابق ایڑی ماری تو زمزم کے مقام پر میٹھے پانی کا چشمہ اُبلنے لگا۔ حضرت ہاجرہؑ یہ منظر دیکھ کر جلدی سے پانی کے چاروں طرف باڑ بنانے میں مصروف ہو گئیں۔ اور چشمہ بدستور اُبلتا رہا۔

اس کے بعد حضرت ہاجرہؑ نے سیر ہو کر پانی پیا اور حضرت اسمٰعیل کو دودھ پلا کر خلّاق عالم کا شکر ادا کیا۔ اس واقعہ سے یہ حقیقت پورے طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ کہ پروردگار عالم نے اپنے دوست کے خاندان کے ساتھ بھلائی کرنا چاہی اور اس صبر آزما مصیبت اور کٹھن مرحلہ میں اپنے مالک حقیقی کو فراموش نہ کرنے والی خاتون اور معصوم بچے کی غیبی امداد فرمائی۔ اور وہ ہر چیز وہاں حاضر کر دی جس کی انہیں ضرورت تھی۔

حضرت جبریلؑ نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے حضرت ہاجرہؑ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

"خوف اور غم نہ کر، اللہ تجھے اور تیرے بچے کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ یہ مقام جہاں تم دونوں قیام پذیر ہو۔ بیت اللہ ہے۔ جس کی تعمیر حضرت

ابراہیمؑ اور ان کے لڑکے کی قسمت میں مقدر ہو چکی ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ اس خاندان کو ہلاک نہیں کرے گا۔"

قبیلہ بنی جرہم کا ورود

اس واقعہ پر ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ کہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنی جرہم اس وادی کے قریب آکر قیام پذیر ہوا۔ اس قبیلہ کے لوگوں کو تھوڑے سے فاصلہ پر ایک جگہ سے پرندے اڑتے ہوئے دکھائی دیئے۔ تو انہوں نے اپنے تمام ساتھیوں کو اس طرف متوجہ کر کے کہا کہ یہاں قریب ہی کہیں پانی معلوم ہوتا ہے۔ اور پرندوں کا اس جگہ پر اڑنا اسی بات کی دلیل ہے۔ کہ یہاں ضرور پانی موجود ہے۔ اس خیال کے ساتھ وہ لوگ پانی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اور کچھ ہی قدم گئے تھے کہ میٹھے پانی کا ابلتا ہوا چشمہ نظر آیا جس سے وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے حضرت ہاجرہؑ سے اس جگہ سکونت پذیر ہونے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ہاجرہؑ نے فرمایا:۔

"تم سب یہاں سکونت اختیار کر سکتے ہو۔ لیکن پانی کی ملکیت میں کوئی حصہ دار نہیں ہو سکے گا۔"

بنو جرہم کے تمام اشخاص نے حضرت ہاجرہؑ کی یہ شرط مان لی۔ اور مستقل طور پر اسی جگہ سکونت پذیر ہو گئے۔ بلکہ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے اپنے قبیلہ کے اور لوگوں کو بھی یہاں بلا لیا۔ اور بڑے سکھ چین سے زندگی بسر کرنے لگے۔ ان لوگوں کی آبادی سے چاروں طرف عمارتیں بن گئیں۔ بازار تعمیر ہو گئے اور تجارتی کاروبار وغیرہ کی وجہ سے خوب رونق اور چہل پہل ہو گئی۔ بنی جرہم کے

اس مقام پر قیام پذیر ہونے کی وجہ سے حضرت اسمٰعیلؑ نے انہی کے بچوں میں کھیل کود کر پرورش پائی، اور انہی کے لہجہ میں بات چیت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ اسی ماحول میں آپ عالم شباب کو پہنچ گئے۔

اکلوتے بیٹے کی قربانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیل کو اس وادی میں چھوڑنے کے بعد اپنا معمول بنالیا تھا کہ اپنی بیوی اور بچے کو دیکھنے کی غرض سے ہر سال یہاں آتے تھے۔ اور ایک آدھ دن قیام کرکے واپس چلے جاتے تھے۔ ایک دفعہ جبکہ حضرت اسمٰعیل ابھی کمسن ہی تھے۔ حضرت ابراہیمؑ حسب معمول تشریف لائے تو خواب میں آپ کو خداتعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ:۔

"اپنے اکلوتے لخت جگر کی قربانی دو"

غور فرمائیے کہ اس بوڑھے باپ کی کیا حالت ہوگی۔ جسے بڑی آرزوں اور التجاؤں کے بعد فرزند کی صورت دیکھنا نصیب ہوئی اور اسی وقت باپ اور بیٹے کے درمیان میلوں کا بُعد حائل کر دیا گیا۔ پھر آلام و مصائب کی حوصلہ شکن منزلیں طے کرنے کے بعد جب وہ بچہ ذرا ہوش سنبھالنے کے قابل ہوا تو باپ کو اس کی قربانی دینے کا حکم مل گیا۔ یہ کتنا صبر آزما امتحان اور کتنی جاں گداز آزمائش ہے؟ کون سے ماں باپ ہیں جو اس امتحانِ عظیم کے تصور ہی سے لرزہ بر اندام نہ ہو جائیں؟ کونسا باپ ہے جو اپنے اکلوتے بچے کی قربانی دینے کا حکم سن کر اپنے ہوش و حواس کو برقرار رکھ سکے۔ اور اپنی زندگی سے بھی بیزار نہ ہو جائے؟ اس قسم کی قربانی کے خیال ہی سے ماں باپ کا کلیجہ لرز اٹھتا ہے۔ اور دل بیٹھ جاتا

ہے۔لیکن حضرت ابراہیمؑ کی حیثیت عام انسانوں کی سی نہیں تھی۔اور نہ آپ کے عزم و ہمّت کا معیار عام لوگوں کے برابر تھا۔آپ اللہ تعالیٰ کے وہ جلیل القدر اور عظیم الشان پیغمبر تھے۔ جن کی زندگی کا ایک لمحہ رضائے حق کے آگے عجز و تسلیم کا سر جھکاتے میں گزرا اور جو احکامِ الٰہی کی تعمیل و اطاعت کرنا اپنی زندگی اور اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔اس لئے آپ کے متعلق اس بات کے وہم و گمان کا بھی کوئی امکان نہ تھا۔کہ آپ کی پدرانہ محبت و شفقت کو فرمانِ خداوندی کے مقابلہ میں غلبہ حاصل ہو جاتا۔اور آپ جذبۂ پدری کے تقاضے سے اللہ کے حکم اوّلی کی تعمیل میں کوتاہی کا تصوّر بھی ذہن میں پیدا ہونے دیتے۔

حضرت ابراہیمؑ صبح کو بیدار ہوتے تو حضرت ہاجرہؑ کو اپنے خواب اور خدا تعالیٰ کے حکم سے آگاہ کیا۔چونکہ حضرت ہاجرہؑ بھی تسلیم و رضا کی پیکر تھی۔اس لئے آپ کے دل میں اس خیال کا گزر بھی نہ ہو سکا۔کہ جس نورِ نظر کے لئے مصائب کے طوفانوں کا مقابلہ کیا۔اور تکلیفوں کے سیلاب برداشت کئے۔جس راحتِ جان کی پرورش کے لئے سنسان و دہشت انگیز بیابان کے ایک بے آب و گیاہ مقام پر تنہائی اور بے کسی کی صعوبتوں کا سامنا کیا۔اور جس لختِ جگر کے لئے دنیا کی اذیتیں سہیں۔اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کیوں قربان ہونے دیا جائے بلکہ اس مومنۂ صادقہ نے اپنے صبر و استقامت کا ثبوت اپنے شوہرِ عالی وقار حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں یہ کہہ کر دیا کہ:۔

"اے پدرِ اسمٰعیلؑ! جو اللہ جل شانہٗ اور اس کے پیغمبر کی رضا ہے۔وہی میری رضا ہے۔"

یہ جواب دینے کے بعد حضرت ہاجرہؑ نے اپنے ہاتھوں سے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے اکلوتے بچے کو نہلایا، صاف ستھرے کپڑے زیب تن کئے۔ اور آراستہ و پیراستہ کر کے اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے باپ کے سپرد کر دیا۔ اب حضرت اسمٰعیلؑ کی سعادت مندی کا عالم دیکھئے کہ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ:-

"انہیں اللہ کی راہ میں قربان کیا جا رہا ہے"

تو سعادت مند بیٹے نے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں نہایت ادب و احترام سے عرض کیا کہ:-

"ابا جان! حکم الٰہی کی تعمیل میں دیر نہ کیجئے۔ اور اگر خدا تعالےٰ نے میری قربانی طلب کی ہے۔ تو جلدی کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ میری نیّت میں خلل پیدا ہو جائے۔ اور میں اس سعادت سے محروم رہ جاؤں۔ علاوہ ازیں بہتر یہ ہے کہ میری گردن پر چھری چلانے سے پیشتر آپ میرے ہاتھ پاؤں بڑی مضبوطی سے باندھ لیں۔ تاکہ میرے خون کے چھینٹے آپ پر نہ پڑیں۔ اور آپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں۔ تاکہ مجھے تڑپتے ہوئے دیکھ کر آپ کو اپنے ارادے میں تزلزل محسوس نہ ہو"

ماشاء اللہ! یہ تھی شان اُن مقدس اور اولوالعزم ہستیوں کی جو خدا پرستی کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتی تھیں۔ اور وہ غیر فانی قربانیاں جن سے انہوں نے دنیا میں حق و صداقت، رشد و ہدایت، نیکی، سچائی اور ایثار و قربانی کی بنیادیں استوار کیں۔ اور یہ تھے ان کے لازوال کارنامے جن کی بنا پر اس جہان میں حق و باطل

کی تمیز کا معیار قائم ہوا۔ اور گمراہی کے تاریک غاروں میں بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم کی طرف آنے کی روشنی ملی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کا مشورہ پسند آیا۔ اور آپ نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت اسمٰعیل کو زمین پر لٹا کر ان کے گلے پر چھری چلانا شروع کیا۔ اب آپ گویا حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کر چکے تھے۔ اور اس کام سے فارغ ہو کر آپ نے اپنی آنکھوں سے پٹی اتار دی تو دیکھا کہ آپ کے آگے ایک مینڈھا ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اور حضرت اسمٰعیل ایک طرف کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ یہ تاریخ اسلام کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے۔ جس کی یاد مسلمانانِ عالم عید الاضحیٰ منا کر ہر سال تازہ کرتے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی سنت کی پیروی میں قربانی دیتے ہیں۔ جس کا مقصد اس درس عمل کی تجدید کرنا ہے۔

مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کے احکام پر کوئی عزیز سے عزیز شے بھی قربان کرنا پڑے۔ تو وہ اس میں پس و پیش ہرگز نہ کریں۔ اور تسلیم و رضا کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں ۔

اس سخت امتحان میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیاب و سرخرو ہونے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کو واپس تشریف لے گئے۔ اور کچھ مدت وہاں قیام فرما رہ کر پھر جب آپ اپنی بیوی اور بچے کو ملنے کے لئے یہاں آئے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تعمیر کعبہ کا حکم ہوا جس کی تعمیل کے طور پر آپ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں نے مل کر بیت اللہ کو از سر نو تعمیر کیا اور اللہ کا یہ گھر آج تک دنیا کے تمام فرزندانِ توحید کی سجدہ گاہ ہے۔

اور ابد الآباد تک اسی طرح مسلمانوں کی سجدہ گاہ رہے گی۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی پہلی شادی:

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تربیت چونکہ قبیلۂ جرہم میں ہوئی تھی۔ اور اسی قبیلہ کے بچوں میں رہ کر آپ نے عالم طفلی سے عالم شباب تک کا وقت گزارا تھا۔ اس لئے بنو جرہم کے لوگ آپ کے اخلاق و کردار اور اوضاع و اطوار سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ اور انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ آپ کی سیرت کتنی پاکیزہ اور خصائل کتنے بلند ہیں۔ چنانچہ اس قبیلہ کو حضرت اسمٰعیلؑ کی نیک عادات، سادگی، خدا پرستی اور بلند کرداری کے علاوہ آپ کی مردانہ وجاہت اور خوبصورتی اس قدر بھائی کہ انہوں نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی سے آپ کی شادی کر دی۔

حضرت ہاجرہؑ کی وفات

حضرت اسمٰعیل کی اس پہلی شادی کے کچھ عرصہ بعد حضرت ہاجرہؑ رحلت فرما گئیں۔ اور آپ کو بیت اللہ شریف کے حرم کے اندر دفن کیا گیا[1]

حضرت ابراہیمؑ کا اشارہ:

حضرت ہاجرہؑ کی وفات کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام

---

[1] حضرت ہاجرہؑ کی وفات اور تدفین کے بارے میں جو مؤرخین نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے۔ ان میں علامہ طبری کو خاص اہمیت حاصل ہے اور یہ انہی کی روایت ہے کہ حضرت ہاجرہؑ بیت اللہ کے قریب حرم کے اندر دفن کی گئیں۔

اپنے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیلؑ سے ملنے کے لئے تشریف لاتے رہے۔ ایک دفعہ جب آپ یہاں تشریف لائے تو آپ کے عزیز ترین جگر گوشہ حضرت اسمٰعیل گھر میں موجود نہ تھے۔ آپ نے اُن کی بیوی سے دریافت فرمایا۔ کہ اسمٰعیلؑ کہاں ہے؟ جواب ملا کہ:

"روزی کی تلاش میں کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔"

پھر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے پوچھا کہ

"کیسے گذر ہو رہی ہے؟"

بہو نے جواب دیا کہ:۔

"سخت تکلیف اور پریشانی میں گرفتار ہیں اور بے حساب دُکھ اُٹھا رہے ہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"اسمٰعیلؑ جب واپس آئیں تو انہیں میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہہ دینا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کریں۔"

حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام یہ پیغام اپنی بہو کو دے کر تشریف لے گئے۔ اور جب حضرت اسمٰعیلؑ گھر آئے تو آپ کو اپنے گھر میں نورِ نبوت کی ضیاپاشی کے آثار دکھائی دیئے۔ آپ نے اپنی بیوی سے دریافت فرمایا کہ:۔

"کوئی یہاں آیا تھا؟"

آپ کی بیوی نے تمام واقعہ من وعن آپ کو سنایا۔ جس کو سن کر آپ نے فرمایا کہ:۔

"وہ میرے باپ تھے اور اُن کا ارشاد ہے کہ تمہیں طلاق دے دی جائے۔ چنانچہ اس ارشادِ گرامی کی تعمیل کرتے ہوئے میں تمہیں علیحدہ کرتا ہوں"

حضرت اسمٰعیلؑ کی دوسری شادی

اس طرح پہلی بیوی کو طلاق دینے کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ نے دوسری شادی کر لی اور دوسری بیوی آپ کی پہلی بیوی کی بہ نسبت عقلمند فرمانبردار اور سلیقہ شعار تھی۔ اس شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر تشریف لائے تو اتفاق سے اس روز بھی حضرت اسمٰعیلؑ گھر میں موجود نہ تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حسب معمول اپنی دوسری بہو سے بھی وہی سوال دریافت کیا۔ جو پہلی بہو سے پوچھا تھا۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ:۔

"خدا تعالیٰ کا شکر اور احسانِ عظیم ہے۔ ہمارے دن بہت اچھے گزر رہے ہیں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ:۔

"کھانے کو کیا ملتا ہے؟"

انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ:۔

حضور! کھانے کو گوشت اور پینے کو ٹھنڈا اور مصفا پانی"

یہ جواب سننے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ:۔

"اے باری تعالیٰ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما"

پھر آپ نے رخصت ہوتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ:۔

"اسماعیلؑ سے کہنا کہ اپنی چوکھٹ کی حفاظت کریں"

یہ فرمایا اور فلسطین کو تشریف لے گئے۔

سبق:- حضرت ہاجرہؑ کی زندگی مسلمان عورتوں کے لیئے ایک غیر فانی سبق کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ اور خصوصاً ان خواتین کے لیئے جن کی خاندانی جاہ و حشمت اور ثروت مندی انہیں یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتی کہ ایک عام زندگی میں بھی ان کو کامیابی کی منزل پر پہنچنے کی اہل ثابت کر کے دکھانا چاہیئے۔

حضرت ہاجرہؑ نے زرو جواہر کی جھنکار میں آنکھیں کھولیں اور عیش و مسرت کی آغوش میں پرورش پائی۔ لیکن جب آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے درویش صفت پیغمبر کے حلقہ زوجیت میں داخل ہو گئیں۔ تو عظیم المرتبت شوہر کے فیض صحبت نے آپ کو صبر و ثبات، ایثار و قربانی، خلوص و استقامت کی نعمتوں سے اس قدر مالا مال کیا۔ کہ دنیا کی کوئی ماں اطاعت و استقامت میں آپ کا جواب پیش نہیں کر سکتی۔ کیا خواتین کے لیئے اس میں کوئی درس عبرت نہیں ہے۔

۴۔ حضرت ایوبؑ کی زوجہ مطہرہ:

۱- حضرت ایوبؑ علیہ السلام کی زوجۂ مطہرہ کی پاکیزہ زندگی مسلمان عورتوں کے لئے صبر و توکل اور خدمت و وفا شعاری کے سینکڑوں اسباق کا مرقع ہے۔

۲- وہ ثابت کرتی ہے کہ خدا پرست، عصمت مآب اور اطاعت گزار بیویاں عام عورتوں سے اس قدر بلند ہوتی ہیں کہ خود غرضی اور خود غرضی کا تصور بھی اُن کے قریب نہیں آتا۔

۳- زوجۂ ایوبؑ وہ خدا پرست خاتون تھیں جو اپنے فرض کو انجام دینے اور نیکی کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہیں۔ اور جنہوں نے پوری دنیا کی راحت و آسائش اور دولت و ثروت کو ٹھکرا کر آلام و مصائب کو ترجیح دی۔ تاکہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔

حضرت ایوبؑ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام حضرت رحمتؒ تھا۔ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کی پوتی تھیں۔ اور آپ کا نکاح حضرت ایوبؑ سے ہوا۔ جو حضرت اسحاقؑ بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

حضرت ایوبؑ علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں کوئی خاص تفصیل نہیں ملتی۔ لیکن بہت سی روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت ایوب علیہ السلام نہایت حق پرست اور صادق و کامل بزرگ تھے۔ جن کا دل خوفِ خدا سے لبریز تھا۔ اور برائیوں سے ہمیشہ متنفر رہتے تھے۔ آپ بہت ناسخ الایال اور آسودہ حال تھے۔ اس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے آپ کو اولاد کی خوشیاں بھی فراخ دلی سے عطا کی تھیں۔ غرضیکہ حضرت ایوبؑ کی زندگی انتہائی خوشحالی اور سکون و آسائش میں بسر ہو رہی تھی کہ قدرت کاملہ کی طرف سے یکایک آپ پر امتحان کی ساعت نازل ہو گئی۔ جس کی وجہ

تمام راحتیں اور آسائشیں کافور ہو گئیں۔

حضرت ایوبؑ کا امتحان

حضرت ایوبؑ کا یہ امتحان اس قدر سخت اور جاں گداز تھا کہ اس کے تصوّر سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آپ کے پاس مال و زر کی جو فراوانی تھی وہ سب کی سب بربادی کے گھاٹ اتر گئی، عزت و اعتماد کے تمام اسباب رنج والم کی وجہ بن گئے۔ بیوی بچے مصائب کا نشانہ بن گئے۔ اور آپ کا وجود قسم قسم کی بیماریوں کا شکار ہو گیا۔ لیکن ان تمام آلام و حوادث کے باوجود آپ کے صبر و ثبات میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ اور رضائے الٰہی کے خلاف کبھی حرف شکایت آپ کی زبان پر نہ آیا۔

بعض اسرائیلی کتابوں میں حضرت ایوبؑ کے متعلق یہ روایات موجود ہیں کہ آپ بڑی خوفناک بیماریوں کا شکار بن گئے تھے۔ اور یہ بیماریاں جذام کے علاوہ پھوڑے پھنسیوں کی اتنی بھرمار پر مشتمل تھیں۔ جس سے آپ کا بدن اس حد تک گل سڑ گیا تھا۔ کہ سخت بدبو آتی تھی۔ لیکن قرآن مجید میں آپ کے متعلق اس قسم کے امراض کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ دنیا کا عام دستور ہے۔ کہ کسی شخص کو پریشان حالی میں دیکھ کر اور خاص طور پر ایسی خطرناک بیماریوں کے موقع پر اقارب و اعزا بھی تعلق چھوڑ کر دور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ایوبؑ کے بارے میں بھی اکثر مفسرین نے اسی بات کا تذکرہ کیا ہے۔ اور انہوں نے لکھا ہے کہ آپ کی زبوں حالی اور بربادی کے بعد تمام عزیز رشتہ دار اور قریب تر رہنے والے احباب سب کے سب ساتھ چھوڑ گئے اور

اور اس بھری دنیا میں ذات خداوندی اور آپ کی وفا سرشت بیوی کے سوا کوئی متنفس آپ کا غمخوار و دمساز نہ رہا۔

پیکرِ وفا کی خدمت گزاری:۔

مورخین نے اس روشن حقیقت کا صدق دل سے اعتراف کیا ہے کہ حضرت ایوبؑ کی زوجہ مطہرہ اپنے پاک نفس شوہر کی دلجوئی، عیادت اور خدمت گزاری میں ہر وقت مصروف رہتی تھیں۔ اور ساری دنیا کے انسانوں میں صرف آپ ہی کی ایک ذات تھی۔ جو شروع سے آخر تک اپنے خاوند کے دکھ درد میں شریک رہی۔ حضرت ایوبؑ بستی سے باہر ایک جھونپڑی میں جا کر قیام پذیر ہو گئے تھے۔ یہاں ان کی زوجہ مطہرہ ہر روز آپ کے زخموں کو دھوتیں ان میں سے کیڑے چن چن کر نکالتیں، زخموں پر دوائی لگاتیں اور شب و روز آپ کی ہمدردی و تیمارداری میں کمربستہ رہتیں۔ یہ سلسلہ کئی برس تک اسی شکل میں جاری رہا۔

مایوسی کی سزا

زوجہ حضرت ایوبؑ ہر وقت اپنے شوہر کی ناقابل دید بیماری میں خدمت کرتی رہتی تھیں۔ اور کبھی آپ کی طبیعت اس سے اکتانے نہیں پاتی تھی۔ لیکن ایک دفعہ آپ نے اپنے محبوب شوہر کی حد سے بڑھی ہوئی تکلیف اور ناقابل برداشت پریشانی کے لمبے سلسلہ میں بے تاب ہو کر ایک ایسی بات کہہ دی۔ جس نے حضرت ایوبؑ کے صبر و شکر کو بڑی ٹھیس پہنچائی۔ اگرچہ آپ نے وہ بات اپنے خاوند کے سامنے نہیں کی تھی۔ لیکن بات ایسی تھی کہ خدا پر توکل کے جذبہ کا اصول اُسے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپ کو رحمت خداوندی کی امید نہیں رہی

دوسری طرف حضرت ایوبؑ کا صبر و توکل ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور وہ اس حد سے بڑھ کر خراب حالت میں بھی ایسی بات سننے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ بڑے خفا ہوئے اور قسم کھا کر ارشاد کیا کہ "تمہیں ایک سو کوڑے لگاؤں گا"، گویا یہ اس بے احتیاطی کی سزا تھی جو ناگوار بات زبان سے نکالنے کا باعث ہوئی۔

خدمت اور مشقت :۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ایوبؑ متواتر تیرہ برس تک کی طویل مدت اسی دردناک بیماری کے رنج و اذیت میں مبتلا رہے اور ان کی وفاشعار اور مجسمہ صبر و رضا بیوی اسی عزم و ثبات اور ذوق و محبت کے ساتھ نہایت مخلصانہ خدمت انجام دیتی رہیں۔ بلکہ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ اس خدمت کے ساتھ ہی ساتھ گزر اوقات کے لئے محنت و مشقت بھی کرتی تھیں۔ اور اپنے شوہر کی دیکھ بھال میں بھی کوئی فرق نہیں آنے دیتی تھیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک روز آپ بازار میں کام کاج کی تلاش میں گھوم رہی تھیں کہ ایک شخص آپ سے مخاطب ہوا۔ یہ کوئی دوکاندار تھا۔ اور اس سے آپ روٹی کے عوض آٹا گوندھنے کی استدعا کر رہی تھیں۔ کیونکہ وہ شخص روٹی کی دوکان کرتا تھا۔ آپ بہت حسین و جمیل خاتون تھیں۔ اور آپ کے سر کے بال سونے کے تاروں کی طرح نہایت خوبصورت اور چمکدار تھے۔ ان بالوں کو دیکھ کر اس بد باطن دوکاندار نے کہا کہ تم آٹا گوندھنے کی درخواست کس لئے کرتی ہو۔ اگر اپنے سر کے بالوں میں سے ایک بال اکھیڑ کر مجھے دے دیں تو میں تمہیں ایک روٹی دے سکتا ہوں۔ آپ نے

اسی وقت اپنے بالوں کی ایک لٹ سر سے اکھاڑ کر اس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور فرمایا کہ مجھے صرف چار روٹیاں دے دو۔ اس ملعون دکاندار نے بالوں کی لٹ رکھ لی اور یہ چار روٹیاں آپ کے حوالے کیں۔ شوہر کے ساتھ ہمدردی و غمگساری اور جذبۂ خدمت کی کتنی تابناک دلیل ہے؟

اول تو ایک ایسے شخص کی خدمت ہی فہم و قیاس کی حدود سے بالا ہے۔ جو چلنے پھرنے اور کھانے پینے سے بھی معذور ہو حتیٰ کہ اپنی ضروری حاجتیں بھی پوری نہ کر سکے۔ اور پھر جذام ایسی بیماری کے باعث ایک ناقابل برداشت بدبو بھی آتی ہو۔ پھر وہ کون سی عالی ہمت اور وفا شعار بیوی ہے جو تیرہ سال تک اس قسم کے خاوند کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا کر جا بجا لئے پھرنے کا حوصلہ مستقل رکھتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اصل میں حضرت ایوبؑ کے ساتھ ساتھ ان کی زوجہ محترمہ کا بھی بہت بڑا امتحان تھا۔ جس میں آپ نے پورے طور پر کامیابی حاصل کی۔

دکھے دل کی دعا:۔

ایک دفعہ حضرت ایوبؑ کے کوئی رشتہ دار ان کی مزاج پرسی کیلئے آئے اور ان میں سے ایک نے واپس جا کر کہیں یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے حضرت ایوبؑ سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے۔ جس کی سزا انہیں اس بیماری و زبوں حالی کی صورت میں مل رہی ہے۔ ہوتے ہوتے یہ بات حضرت ایوبؑ کے کانوں تک بھی پہنچی تو آپ یہ سن کر سخت غمگین و آزردہ خاطر ہو گئے۔ اور اسی وقت میں سجدے میں گر کر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ:۔

اے میرے پروردگار! تو مجھے جس حال میں بھی رکھے میں اسی پر راضی ہوں

لیکن اب تیرے بندے ایک ایسی بات کہنے لگے ہیں۔ جس سے مجھے سخت اذیت پہنچتی ہے۔"

دعا سے فارغ ہو کر حضرت ایوبؑ قضائے حاجت کے لئے اُٹھے۔ بیوی نے کپڑے سے پردہ کر دیا اور جب آپ رفع حاجت سے فراغت پا چکے تو اسی وقت خدا تعالیٰ کے حکم سے وحی نازل ہوئی کہ:۔

"اپنے پاؤں سے زمین پر ٹھوکر مار۔"

آپ نے فرمان خداوندی کی تعمیل کی تو فی الفور اس جگہ سے جہاں آپ نے پاؤں مارا تھا۔ چشمہ اُبل پڑا۔ آپ نے اس چشمہ سے اسی وقت غسل کیا۔ جو آپ کا ایسا غسلِ صحت تھا۔ کہ آپ پہلے سے بھی صحت مند اور توانا دکھائی دینے لگے۔ باہر بیوی انتظار میں تھیں کہ باہر نکلیں تو اُٹھا کر مناسب جگہ پر لٹا دے۔ چنانچہ حضرت ایوبؑ جب باہر آئے تو آپ انہیں بالکل تندرست، ترو تازہ اور شگفتہ و صحت مند دیکھ کر پہچان نہ سکیں۔ آپ کو حیران دیکھ کر حضرت ایوبؑ نے بتایا کہ میں ایوب ہوں۔ یہ مژدہ سُن کر آپ کی مسرت و انبساط کی انتہا نہ رہی۔ اور آپ نے تخر و مسرت کے ملے جلے جذبات سے کہا کہ آپ تو بالکل تندرست ہو گئے ہیں۔ بلکہ اب آپ کی صحت تندرستی جوانی کے زمانے سے بھی کہیں بہتر ہے۔ آخر یہ کیسے ہوا؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے نزول وحی کا تمام واقعہ سنایا۔ اور بتایا۔ کہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے بیماری آزمائش کا زمانہ ختم کر دیا اور جو مصیبت ہم پر نازل ہوئی تھی۔ وہ کٹ گئی ہے۔ اس واقعہ سے میاں بیوی دونوں نے سجدے میں گر کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

بارگاہِ ایزدی میں مقبولیت

حضرت ایوبؑ جب پورے طور پر صحت یاب ہو گئے ۔ تو اس کے بعد اس قسم کو پورا کرنے کا سوال سامنے آیا ۔ جو آپ نے اپنی زوجہ مکرمہ کو ایک سو کوڑوں کی سزا دینے کے متعلق کھائی تھی ۔ لیکن حضرت ایوبؑ کے سامنے ایک طرف قسم پوری کرنے کا خیال تھا ۔ اور دوسری طرف بیوی کی خدمت و اطاعت ہمدردی و دم سازی اور ایثار و وفاداری کا بے مثال نمونہ آپ کا ہاتھ روکتا تھا ۔ اس صورتِ حال کی بنا پر آپ شش و پنج میں مبتلا تھے ۔ کہ کس بات کا فیصلہ کریں ۔ سزا دینے کے لئے بھی قسم اُٹھا رکھی ہے جس کے باعث اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ۔ اور ہر حالت میں سزا دے کر قسم کا حق پورا کرنا لازمی ہے ۔ لیکن ادھر بیوی کی حد سے بڑھ کر وفاشعاری اور غمخواری اس کی اجازت نہیں دیتی ۔

آپ کی زوجہ محترمہ نے تو ایسے وقت پہ ساتھ دیا تھا جب دنیا کا کوئی انسان حتّٰی کہ آپ کا کوئی عزیز سے عزیز دوست اور قریبی سے قریبی رشتہ دار بھی آپ کے قریب ایک منٹ کے لئے ٹھہرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا ۔ اور جن لوگوں پر آپ کے بڑے بڑے احسانات تھے ۔ وہ منہ پھیر کر گزر جاتے تھے ۔ کوئی اتنی اجازت دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا تھا ۔ کہ اس کے مکان کے سامنے چند منٹ بیٹھ کر آرام کر سکیں ۔ اس دردناک حالت میں جس نے اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کیا ۔ اور ناک کو جلا دینے والی بدبو میں بیٹھ کر آپ کے رستے ہوئے زخموں کے کیڑے نکالے اُسے سزا دینا کس طرح قرینِ قیاس ہے ۔ غرضیکہ حضرت ایوب علیہ السلام عجیب حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے کہ اب کیا کیا جائے ۔ اگر بیوی کو سزا نہ

دی جائے تو قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔ اور اگر بیوی کو سزا دیں تو یہ ایک حد سے زیادہ فرمانبردار اور وفاشعار بیوی سے ناانصافی کے مترادف ہے۔ اس گومگو میں حضرت ایوبؑ کسی فیصلہ پر نہیں پہنچے تھے کہ بالآخر وحی خداوندی نے آپ کی مشکل حل کر دی اور حکم ہوا کہ:۔

"تنکوں کا ایک مٹھا لاؤ اور اس سے سزا کی قسم پوری کر لو!"

سبحان اللہ!

"حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ کے حسنِ وفا، خدمت و طاعت اور ہمدردی و غمگساری کے انعام اور بارگاہ الٰہی میں ان کی مقبولیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ایوبؑ کی قسم پوری کرنے کے لئے علیحدہ حکم صادر فرمایا۔"

کیا وہ مسلمان خواتین جن کے نزدیک اپنے شوہروں کی حیثیت پیسے کمانے والی مشینیں اور ان کے سینما جانے کے وقت میں بچوں کا دل بہلانے والے کارٹونوں سے زیادہ کچھ نہیں زوجۂ حضرت ایوبؑ کے ذوقِ وفا، جذبۂ خدمت گذاری اور احساسِ جانثاری سے کچھ عبرت حاصل کریں گی؟

(۵)
حضرت آسیہؓ بنت مزاحم

۱۔ حضرت آسیہؓ بنت مزاحم کی حق پسندی اور مصفا قلبی کا لازوال ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو آپ کی اور حضرت مریمؑ بنت عمران کی مثال دے کر ڈرایا تاکہ وہ غرور نہ کریں، ہر وقت ڈرتی رہیں اور عبرت پکڑیں۔ قرآن پاک میں حضرت آسیہؓ کی مثال حسب ذیل آیات میں دی گئی ہے :۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۙ (پ ۲۸ سورہ تحریم ع ۲)

اللہ نے ایک مثال دی ایمان والوں کو عورت فرعون کی۔ جب اس نے کہا اے رب! بنا میرے لئے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں اور بچا مجھے فرعون سے اور اس کی بداعمالیوں سے اور بچا مجھ کو ظالم لوگوں کی قوم سے۔

مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بتایا ہے کہ فرعون نے جب حضرت آسیہ کو ستایا اور عذاب دیا تو آپ نے یہ دعا کی اور روایت ہے کہ مرتے وقت وہ گھر آپ کو نظر آ گیا تھا۔

۲۔ طبرانی و ترمذی کی احادیث میں بھی حضرت آسیہؓ کی بزرگی کی تعریف کی گئی۔

کمالِ مراتب :-

حضرت آسیہؑ وہ پاک طینت اور نیک سرشت خاتون تھیں جن کے صبر و توکل، حق پرستی اور تقویٰ و طہارت کو خود اللہ تعالیٰ نے قابلِ تعریف قرار دے کر ازواجِ مطہرات ایسی عظیم المرتبت خواتین کے لئے ان کے نمونۂ عمل کی مثال بیان فرمائی۔ اور جن کے درجۂ کمال کا ذکر اللہ کے آخری رسول حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ ذیل حدیثِ قدسی میں فرمایا :-

"کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران وآسیہ بنت مزاحم امرأۃ فرعون" (طبرانی)

ترجمہ: مردوں میں تو بہت سے کامل اشخاص ہوئے ہیں۔ مگر عورتوں میں صرف دو کامل ہوئیں۔ مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم زوجۂ فرعون۔

ایک اور حدیث شریفہ میں حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مقدس ہے :-

"کفاک من نساء العالمین مریم بنت عمران وخدیجہ بنت خویلد وفاطمہ بنت محمد وآسیہ امرأۃ فرعون" (ترمذی شریف جلد ۲)	ترجمہ: تم کو تمام عالم کی عورتوں میں سے (تقلید کے لئے) چار عورتیں کافی ہیں مریمؑ بنت عمران، خدیجہؓ بنت خویلد، فاطمہؑ بنت محمدؐ اور آسیہؑ زوجہ فرعون۔

جن خواتین کی بزرگی وعظمت کی اللہ ورسولؐ نے قرآن وحدیث میں تعریف فرمائی ہے۔ اس کے فضائل ومراتب کا شمار کہاں ہو سکتا ہے؟ لیکن یہاں ان کے مدارج ومراتب کی تفصیل پیش کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ سوانح حیات کا اجمالی تذکرہ مدنظر ہے۔ اور وہ درج ذیل ہے:۔

حسب ونسب:۔

حضرت آسیہؑ بنی اسرائیل کی چشم وچراغ تھیں اور آپ کے والد کا نام مزاحم تھا۔ آپ کے حسن وجمال کا چونکہ بہت شہرہ تھا۔ اور مصر کا بادشاہ فرعون بھی اپنی ہوس پرستی اور عشرت پسندی میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے حضرت آسیہؑ کی پاکبازی، حسنِ سیرت اور کمالِ حسن سے متاثر ہو کر آپ سے شادی کر لی۔ اور دونوں راحت وشادمانی سے زندگی بسر کرنے لگے۔

ایک دن فرعون نے ایک خوفناک خواب دیکھا جس سے وہ بہت سراسیمہ ہوا۔ اور اسی وقت معبروں کو بلا کر خواب کی تعبیر دریافت کی۔ معبروں اور نجومیوں نے زائچہ بنا کر اور اندازہ لگانے کے بعد بتایا کہ اسی شہر میں ایک اسرائیلی بچہ پیدا ہوگا۔ جو محل شاہی میں پرورش پائے گا۔ اور اسی لڑکے کے ہاتھوں

سے یہی لڑکا فرعون کی حکومت کو زوال و بربادی کے گھاٹ اتارنے کا باعث بنے گا۔ فرعون اپنے خواب کی یہ تعبیر سن کر کانپ اٹھا۔ اور اس کے نتائج سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے اس نے تمام سلطنت میں یہ حکم صادر کر دیا کہ اگر کسی اسرائیلی کے گھر میں لڑکا پیدا ہو۔ تو وہ فوراً قتل کر دیا جائے۔

فرعون کا حکم :-

اس وقت مصر میں اسرائیلیوں سے قبطی قوم کے لوگ محنت مشقت اور بیگار کا کام لیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جب فرعون کا یہ حکم سنا تو وہ بہت متفکر ہوئے۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ اسرائیلی بچے اگر اسی طرح پیدا ہوتے ہی قتل کیے جاتے رہے۔ تو وہ مشقت کا کام کس سے لیں گے۔ اس خیال سے مضطرب ہو کر قبطیوں کا ایک وفد فرعون کے پاس یہ عرض لے کر گیا۔ کہ اسرائیلیوں کے تمام بچوں کے قتل کا حکم نہ دیا جائے۔ بلکہ اسے کچھ نرم کیا جائے۔ جس سے کچھ اسرائیلی بچوں کا بچاؤ بھی ہو سکے اور وہ بڑے ہو کر ہمیں مشقت کا کام دے سکیں۔ فرعون کو قبطیوں کا یہ مطالبہ معقول معلوم ہوا اور اس نے اپنے حکم میں یہ ترمیم کر دی کہ بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک سال پیدا ہونے والے بچے زندہ رہنے دیئے جائیں۔ اور ایک سال کے بچے قتل کر دیئے جائیں۔ اس حکم کے ماتحت فرعون کے سپاہی بنی اسرائیل کے گھروں کی سخت نگرانی رکھنے لگے۔ تاکہ قتل کرنے والے سال میں کوئی اسرائیلی بچہ پیدا ہو کر زندہ نہ رہنے پائے۔ اسی کے ساتھ بہت سی دایہ عورتیں مقرر کر دی گئیں۔ جو اسرائیلی گھروں میں پھر کر دیکھ بھال کرتی تھیں۔

حضرت موسیٰ کی پیدائش:۔

بنی اسرائیل میں عمران ایک معزز اور باوقار آدمی تھے جن کا سلسلۂ نسب حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملتا ہے۔ ان کے ہاں پہلے ان کے بڑے لڑکے حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو یہ وہ سال تھا جس میں پیدا ہونے والے اسرائیلی بچوں کی جان بخشی کا حکم تھا۔ مگر اس کے بعد عمران کی بیوی یوکابد کے ہاں جب دوسرا بچہ پیدا ہوا تو وہ اسرائیلی بچوں کو قتل کرنے کا سال تھا۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بچے کی پیدائش کے واقعہ کو چھپائے رکھنے کی بہت کوشش کی اور تین ماہ تک راز بھی رہا۔ لیکن سرکاری مخبروں کی کڑی نگرانی سے اس بات کا پوشیدہ رہنا ممکن نہ تھا۔ یوکابد سخت ہراساں اور مشوش تھی۔ کہ بچے کا راز کھل گیا۔ تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہو گی۔ وہ اسی غم میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں الہام ہوا۔ جس میں بتایا گیا کہ بچے کو لکڑی کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل کی موجوں کے حوالے کر دو۔ یوکابد نے اس حکم الٰہی کی تعمیل کی۔ اور بچے کو صندوق میں محفوظ کر کے دریا کے بہاؤ پر چھوڑ دیا۔ یوکابد کو الہام میں یہ بھی تسلی دے دی گئی تھی کہ تم صندوق کو دریا میں ڈال کر خوفزدہ نہ ہونا۔ ہم خود اس کی نہ صرف حفاظت کریں گے۔ بلکہ بچے کو تمہارے پاس لوٹا دیں گے۔ اور وہ ہماری پیغمبری کے مرتبہ پر فائز ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود ماں کا دل صندوق کو دریا کی طوفانی لہروں میں دیکھ کر کانپ گیا۔ اور انہوں نے اپنی بیٹی مریم (حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ) کو روانہ کیا کہ دریا کے کنارے کنارے

چل کر صندوق کو دیکھتی جائے۔ مریم دریا کے کنارے چلتی گئیں۔ حتیٰ کہ وہ صندوق فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا۔

بہتا ہوا صندوق

حسن اتفاق سے حضرت آسیہؓ اس وقت فرعون کے پاس تخت پر جلوہ فرما تھیں۔ اور گرد و پیش کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ سامنے دریائے نیل لہریں لے رہا تھا۔ اور اس کی آوارہ خرام موجیں ایک دوسری سے لپٹتی اور بل کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔ حضرت آسیہؓ کی نگاہیں یکایک دریا کی طرف اٹھیں۔ تو آپ کو دریا میں تیرتا ہوا صندوق دکھائی دیا۔ جو محل کی دیوار کے ساتھ آ کر رک گیا تھا۔ حضرت آسیہؓ نے لونڈیوں کو وہ صندوق نکالنے کا حکم دیا۔ اور جب لونڈیاں صندوق نکال کر آپ کے سامنے لائیں۔ تو فرعون اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس کی تمام کوششوں کے باوجود صندوق نہ کھل سکا۔ اس کے بعد حضرت آسیہؓ صندوق کو کھولنے کے لئے تیار ہوئیں۔ اور جب آپ نے دل میں اپنے پروردگار کا نام لے کر صندوق کو کھولا۔ تو وہ فوراً کھل گیا۔ اس کا کھلنا تھا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نور سے محل کا سارا کمرہ جگمگا اٹھا۔

اسرائیلی بچے کا قتل

بعض روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت آسیہ چونکہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لئے آپ نے بچے کو دیکھتے ہی اندازہ کر لیا تھا۔ کہ یہ بچہ کسی اسرائیلی گھرانے کا ہے۔ ساسی کے ساتھ محل کے ملازمین کو بھی شک

گزرا کہ یہ بچہ اسرائیلی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے انہوں نے مشورہ دیا کہ یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے۔ اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔ تو بہتر ہے۔ اور خود فرعون کو بھی یہ گمان ہوا کہ یہ لڑکا وہی معلوم ہوتا ہے۔ جسے میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ اور جو میری حکومت کو تہس نہس کرے گا۔ اس بنا پر اس کو قتل ہی کر دینا چاہیئے۔ لیکن حضرت آسیہؑ نے اسی وقت فرعون کو ان مبارک الفاظ میں بدگمانی سے روکا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں پروردگار عالم نے اس طرح کیا ہے :۔

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ط لَا تَقْتُلُوهُ ۔ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ط

(ترجمہ) اور فرعون کی عورت (حضرت آسیہؑ) نے کہا، میری اور تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ اس کو قتل نہ کرنا۔ ممکن ہے وہ ہم کو نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنائیں اور وہ نہ سمجھتے تھے۔

فرعون کی ڈاڑھی :۔

اس طرح حضرت آسیہؑ نے حضرت موسیٰؑ کی جان بچائی اور اس کے بعد پھر ایک دفعہ وہ مرحلہ سامنے آیا جبکہ حضرت موسیٰؑ کی موت آنکھوں کے سامنے کھیلنے لگی تھی۔ مگر حضرت آسیہؑ اس موقع پر بھی آڑے آئیں۔ اور حضرت کلیم اللہ کو موت کے منہ سے چھڑا لیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ "حضرت موسیٰؑ ابھی بچہ ہی تھے کہ حضرت آسیہؑ جن کے پاس حضرت موسیٰؑ ہر وقت رہتے تھے۔ ایک روز آپ کو اٹھا کر فرعون کے پاس لے گئیں۔ فرعون نے آپ کو گودی میں اٹھا لیا۔ اور آپ کھیلتے رہے۔ اسی اثنا میں حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی ڈاڑھی کو جو جواہرات اور ہیروں سے مرصع ہونے کے باعث بڑی

چمک رہی تھی۔ پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے ڈاڑھی کے چند بال اُکھڑ گئے اور ساتھ ہی کچھ موتی بھی نیچے گر پڑے۔ فرعون اس بات سے سخت غضبناک ہوا اور حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن حضرت آسیہؑ نے اس کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بڑی نرمی سے کہا کہ یہ بچہ ہے۔ اسے کیا معلوم ہے۔ کہ فلاں چیز کیسی ہے۔ اس لئے اس کو معاف کر دینا چاہیئے۔ وہ بادشاہ کے مرتبے کو نہیں پہچانتا۔ بلکہ وہ تو آگ اور پانی کا فرق بھی نہیں سمجھ سکتا۔ جرم و سزا کا مستحق تو وہ باشعور آدمی ہو سکتا ہے۔ جو جرم اور سزا کی نوعیت کو سمجھے لیکن جو بچہ اس کا شعور ہی نہیں رکھتا۔ اس کا ہر گناہ قابل معافی ہوتا ہے۔ اس لئے آپ بھی اسے معاف کریں۔

فرعون ایسے بے رحم اور سنگدل کے لئے ایسی باتوں کو تسلیم کرنا کیسے ممکن تھا۔ چنانچہ اس نے بڑے پرجوش لہجہ میں کہا۔ کہ میں اس کو قتل کر کے رہوں گا۔ اور اس بات کو میں صحیح نہیں سمجھتا۔ کہ یہ کسی بات کو نہیں سمجھتا۔

حضرت آسیہؑ نے کہا، یہ بالکل حقیقت ہے۔ آپ اس کے سامنے آگ بھی رکھ دیں گے۔ تو وہ فوراً پکڑ کر منہ میں ڈالنے کی خواہش کرے گا۔ خواہ وہ جل ہی جائے۔ یہ ہر بچے کا خاصہ ہے۔

سخت آزمائش:۔

فرعون چونکہ بڑا ضدی تھا اس لئے کہنے لگا کہ اچھا میں ابھی اس بات کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ واقعی یہ بچہ آگ اور پانی کے

فرق کو نہیں سمجھتا۔ حضرت آسیہؑ نے کہا کہ ہاں! تجربہ کر لو۔ اور اگر میرا دعویٰ سچا ثابت ہوا۔ تو اسے معاف کرنا ضروری ہوگا۔

اس کے ساتھ ہی حضرت آسیہؑ نے ایک ملازمہ کو بلا کر حکم دیا کہ ایک تھالی میں آگ کے انگارے اور دوسری تھالی میں انار کے دانے رکھ کر لاؤ۔ ملازمہ اسی وقت دو تھالیوں میں آگ کے انگارے اور انار کے دانے لے کر حاضر ہو گئی۔ اور فرعون کے سامنے وہ دونوں تھالیاں حضرت موسیٰؑ کے آگے رکھ دی گئیں۔ حضرت آسیہؑ دل ہی دل میں خوف سے کانپ رہی تھیں۔ اور بارگاہ الٰہی میں بچے کی سلامتی کے لئے دعا بھی کر رہی تھیں۔

پر خلوص دعا:۔

اس مرحلہ پر بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کا ہاتھ انار کی طرف بڑھنے ہی والا تھا۔ اور ممکن تھا کہ آپ آگ کی بجائے انار کے دانے اٹھا کر کھانا شروع کر دیتے لیکن مشیت ایزدی چونکہ آپ کو منصب نبوت سونپنا چاہتی تھی۔ اور خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی والدہ سے وعدہ فرما رکھا تھا کہ وہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ علاوہ ازیں شرافت و نیکی کی پیکر حضرت آسیہؑ کی دعا قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کے خلوص و ہمدردی کو ایک جابر و ظالم نافرمان کے مقابلہ میں سرخرو کرنا بھی ضروری تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ کا دست مبارک جب انار کی تھالی کی طرف بڑھنے کے لئے حرکت

میں آیا۔ تو اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیلؑ فوراً نازل ہوئے۔ اور حضرت موسےٰؑ کا ہاتھ پکڑ کر بنی العزور آگ کی تعالی کی طرف بڑھا دیا۔ آپ نے اسی وقت ایک کوئلہ اُٹھا کر جلدی سے منہ میں ڈال لیا۔ جس سے آپ کی زبان جل گئی۔ اور ہمیشہ کے لئے آپ کی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی۔ حالانکہ شاہی لونڈیوں نے فوراً آپ سے انگارہ چھین لیا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی اپنا اثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ فرعون یہ واقعہ دیکھ کر اپنی ضد پر نادم ہوا۔ اور حضرت موسےٰؑ کے قتل سے باز رہا۔

اُمّت پر احسان :-

الغرض حضرت آسیہؑ نے دو دفعہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام سے جس قدر خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا ظہور ہوا۔ اس کے اجر و ثواب میں حضرت آسیہؑ شریک ہو گئیں۔ ان اجروں اور ان ثوابوں کا اندازہ انسان کی ناقص فہم و فراست کیا کر سکتی ہے۔ جو حضرت موسےٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئے۔ اور آپ کے ذریعہ سے حضرت آسیہؑ کے نصیب میں آئے۔ رب العزت ہی ان ثوابوں اور انہیں حاصل کرنے والوں کے مراتب کو بہتر جانتے ہیں۔

صبر و استقامت :-

اس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوّت کا اعلان کیا تو حضرت آسیہؑ سب سے پہلے ایمان لائیں۔ اور جب فرعون کو علم ہوا کہ آپ حضرت موسیٰؑ کی نبوّت پہ ایمان لے آئی ہیں۔ تو اس نے آپ کو

سخت سے سخت اذیتیں اور زہرہ گداز تکلیفیں دینا شروع کر دیں۔ لیکن آپ کی شانِ استقامت ملاحظہ ہو کہ آپ نہایت عالی حوصلگی اور بلند ہمتی سے وہ شدائد برداشت کرتی رہیں۔ مگر کفر کی دہلیز پر سر جھکانا ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ کیا۔ اور یہی موقع تھا جب حضرت آسیہؑ نے بارگاہ خداوندی میں وہ دعا کی۔ جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک کی سورۂ تحریم میں ازواج مطہرات کو عبرت دلانے کے مثال کے طور پر کیا ہے۔

حضرت آسیہؑ کی دعا چونکہ دکھی روح کی پکار اور سچے دل کی فریاد تھی۔ اس لئے وہ شرفِ قبول سے بہرہ یاب ہوئی۔ اور خدائے ذوالجلال نے اس مظلومی کے عوض وہ بلند درجہ عطا فرمایا۔ جس کا تصور بھی ناممکنات سے ہے۔

(۶)

حضرت صفورہؑ

میں پکڑ لیا جائے گا۔ دوسرے دن آپ پھر اسی بازار سے گزر رہے تھے۔ تو اسی اسرائیلی
کو ایک اور قبطی سے جھگڑا کرتے دیکھا۔ آپ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تو ہر ایک
سے لڑائی جھگڑا کیوں کرتا رہتا ہے؟ یہ فرما کر آپ دونوں لڑنے والوں کی طرف بڑھے
تاکہ ان کو لڑنے سے ہٹا دیں۔ لیکن اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر اس اسرائیلی نے شور
مچانا شروع کر دیا کہ کل جس طرح تم نے اس قبطی کو جان سے مار ڈالا تھا۔ اسی طرح
مجھے بھی مار ڈالو گے۔ یہ بات سن کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ مگر حضرت موسیٰؑ بھیڑ
میں سے آنکھ بچا کر نکل گئے۔ دو تین دن کے بعد آپ بازار میں جا رہے تھے۔ کہ شہر
کی دوسری جانب سے ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا اور اس نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ
جس قبطی کو تم نے مار ڈالا تھا۔ اس کے قبیلے کے لوگ تمہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنا
چکے ہیں۔ اور تمہاری طرف آنے ہی والے ہیں۔ اس لئے تم جتنی جلدی ہو سکے
بچ کر کہیں چلے جاؤ۔ ورنہ قتل ہو جاؤ گے۔

حضرت موسیٰ کا سفر مدائن:۔

حضرت موسیٰؑ تو اس سے پہلے ہی قتل کے الزام میں گرفتاری کے
ڈر سے بہت سراسیمہ تھے۔ اور اب یہ پیغام پا کر بے حد ہراساں ہوئے اور اسی
نیم برہنہ حالت میں مدین کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ رستہ بھر تکلیفیں اٹھاتے اور
درختوں کے پتوں پر گزارہ کرتے ہوئے آپ جب مدین کی حدود میں داخل ہوئے
تو متواتر کئی روز تک پیدل چلنے کی وجہ سے آپ کے پاؤں زخمی ہو چکے تھے۔ اور
مزید چلنے کی سکت نہ رہی تھی۔ مدین کے قریب آپ کو ایک کنواں دکھائی دیا۔ جس
پر بہت سے لوگ پانی لے رہے تھے۔ لیکن اس ہجوم کے ایک طرف دو لڑکیاں اپنی

بکریوں کو لئے کھڑی تھیں اور شاید پانی کی باری کا انتظار کر رہی تھیں۔ مگر لوگوں کے اژدحام کی وجہ سے ان کی باری نہیں آتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ ان لڑکیوں کی بے بسی اور طاقتوروں کی خود غرضی دیکھ کر بہت متاسف ہوئے۔ کنویں پر موجود سب لوگ اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر یا اپنے برتن بھر کر چلے گئے اور ان لڑکیوں کے لئے پانی نکالنا محال تھا۔ کیونکہ ڈول بہت بھاری تھا جسے وہ نکال نہیں سکتی تھیں۔ ان کو تو لوگوں کے جانوروں کا بچا کھچا پانی مل جاتا تھا۔ تو وہ اپنے جانوروں کو پلا لیتی تھیں۔ اور اگر پانی بچا ہوا نہ ہو تو ان کے لئے کوئی بندوبست نہ تھا بے بسی کا منظر۔

حضرت موسیٰؑ نے ان لڑکیوں کی محرومی و کس مپرسی دیکھی تو ان سے دریافت کیا کہ تم الگ تھلگ کیوں کھڑی ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم اپنے جانوروں کو آگے لے کر جاتی ہیں۔ تو یہ طاقت ور لوگ ہمیں پانی نہیں پلانے دیتے اس لئے ہم مجبوراً اس بات کے انتظار میں کھڑی رہتی ہیں کہ جب لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں تو ہم اپنے جانوروں کو پانی پلائیں۔

حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہ تمہارے گھر میں آدمی کوئی نہیں ہے جو یہ کام کرے۔ لڑکیوں نے بتایا کہ ہمارے والد بوڑھے ہیں اور ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے پانی پلانے بھی نہیں آتے۔

حضرت موسیٰؑ کی جرأت:۔

حضرت موسیٰؑ نے یہ باتیں سنیں تو آگے بڑھ کر سب لوگوں کو پیچھے ہٹا دیا اور سب سے بڑا ڈول نکال کر لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلایا۔ آپ نے جو ڈول

پانی سے بھرا ہوا نکالا جسے دوسرا کوئی آدمی اکیلا نہیں نکال سکتا تھا۔ چنانچہ لڑکیوں کے جانوروں کے پینے کے بعد اس ڈول کا پانی بہت سا بچ رہا جو اور لوگوں نے اپنے جانوروں کو پلایا۔ حضرت موسیٰؑ کی یہ جرأت دیکھ کر لوگوں کو غصہ تو بہت آیا۔ مگر آپ کی ہارعب اور پرجلال صورت دیکھ کر بول نہ سکے۔

مسافر کا ذکر خیر:۔

وہ دونوں لڑکیاں اپنے جانوروں کو پانی پلا کر گھر کو لوٹ گئیں اور حضرت موسیٰؑ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تھکان دور کرنے لگے۔ وہ لڑکیاں جب اپنے گھر پہنچیں۔ تو آج وہ ذرا جلدی واپس آئی تھیں اس لئے ان کے باپ نے پوچھا کہ آج تم جلدی کیوں لوٹ آئی ہو؟ انھوں نے بتایا کہ ایک مصری مسافر نے ان کی اولوکر کے جانوروں کو پانی پلا دیا اور چونکہ مسافر بہت طاقتور تھا۔ اس لئے اسے کوئی نہ روک سکا۔ اور اس نے ہمیں سب سے پہلے پانی نکال دیا۔

باپ کا پیغام:۔

یہ گفتگو سن کر لڑکیوں کے باپ نے بڑی لڑکی کو بھیجا۔ کہ اس مسافر کو جلد میرے پاس لاؤ! لڑکی بھاگتی ہوئی وہاں پہنچی اور فرط حیا سے آنکھیں نیچی کر کے حضرت موسیٰؑ کو کہا کہ ان کے والد نے بلا بھیجا ہے۔ وہ آپ کے احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے لڑکی سے فرمایا کہ وہ اشاروں یا پتھر کے ٹکڑوں سے مجھے رستہ بتائے اور میرے آگے نہ چلے بلکہ پیچھے چلی آئے۔ اس طرح چل کر آپ ان کے گھر پہنچے اور لڑکیوں کے باپ سے ملے۔ جو حضرت شعیبؑ کے بھتیجے تھے۔ حضرت شعیبؑ اس وقت تک رحلت فرما چکے تھے۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان لڑکیوں

کے باپ خود حضرت شعیبؑ تھے۔ اسی طرح بعض روایات میں انہیں شیخ مدائن بتایا گیا ہے۔ مگر وہ صحیح نہیں ہے۔ دراصل وہ بزرگ حضرت شعیبؑ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے، کھانا کھلایا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور پریشان کیوں ہو!

حضرت صفورہ کی ذہانت:-

حضرت موسیٰؑ نے اپنی تمام سرگزشت سنائی۔ جسے سُنکر ان بزرگ نے فرمایا کہ اب تم ظالموں کے ہاتھ سے نکل آئے ہو۔ اور یہاں تمہیں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔

اس اثناء میں بڑی لڑکی نے اپنے باپ سے کہا کہ یہ شخص بڑا دیانت دار اور طاقت ور معلوم ہوتا ہے۔ یہ نوکری کے لئے بہت موزوں ہے۔ اس لئے آپ اسے ملازم رکھ لیں تو بہتر رہے گا؟ باپ نے پوچھا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ طاقت ور اور دیانت دار ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ اس نے کنوئیں کا سب سے بڑا ڈول پانی کا بھرا ہوا کھینچ لیا تھا۔ جو بہت کم آدمیوں سے کھینچا جا سکتا ہے۔ یہ کتنی طاقت وری کا ثبوت ہے۔ اور دیانت داری یہ ہے کہ میں نے جب اس کے پاس جاکر آپ کا پیغام دیا تو اس نے میری طرف آنکھ تک اٹھا کر نہیں دیکھا اور آنکھیں نیچی کر لیں۔ اس کے بعد جب ہمارے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو مجھے پیچھے چلنے کی ہدایت کی۔ اور خود آگے آگے آیا۔ مجھ سے کہہ دیا کہ

اشاروں سے رستہ بتلاتے جاتا۔ اور میں نے اس پر عمل کیا۔ اس سے بڑھ کر دیانت داری کیا ہو گی؟

نکاح :-

وہ بزرگ یہ باتیں سُنکر بہت خوش ہوئے۔ اور حضرت موسٰےؑ سے کہا۔ کہ اگر تم ہماری بکریاں چرانے کی ملازمت کرو۔ اور آٹھ سال تک ہمارے پاس رہو تو میں بڑی لڑکی صفورہ سے تمہاری شادی کر دوں گا۔ اور اگر آٹھ سال کے بعد مزید دو سال یہاں قیام کرو۔ تو وہ اس لڑکی کا مہر سمجھا جائے گا۔ حضرت موسٰے نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ اور بڑی لڑکی صفورہ کے ساتھ آپ کا نکاح ہو گیا۔ حضرت موسٰےؑ متواتر آٹھ سال تک بکریاں چراتے رہے۔ اور جب یہ مدت پوری ہو گئی۔ تو آپ نے قرارداد کے مطابق دو سال اور اسی طرح گزار دیئے۔ اب چونکہ آپ اپنے خسر کی شرط کے مطابق دس سال کا عہد پورا کر چکے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنے وطن مصر کو جانے کی اجازت طلب کی۔ اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت صفورہؓ کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ اس وقت تک حضرت صفورہؓ کے ہاں ایک لڑکا بھی پیدا ہو چکا تھا۔ جس کا نام جیرموبن رکھا گیا تھا۔

شبانی سے کلیمی :-

یہ تینوں مدائن سے چل کر کوہ سینا کی ترائیوں تک پہنچے تھے۔ کہ رات ہو گئی اس لئے وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ سردی کا بڑی شدت

کی تھی۔ جسے محسوس کر کے حضرت صفورہؓ نے کہا کہ آگ جلانی چاہیئے تاکہ آسانی سے رات بسر ہو جائے۔ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے اس خیال سے اتفاق کیا۔ اور چقماق سے آگ جلانے کی کوشش شروع کر دی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس سے مایوس ہو کر آپ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ کہ کہیں آگ جلتی ہوئی دکھائی دے تو وہاں سے جا کر لائیں۔ اس دوران میں آپ کو سامنے پہاڑی سلسلہ کی طرف آگ کے شعلے نظر آئے۔ جس سے آپ کو خوشی ہوئی۔ کہ آگ مل سکے گی۔ آپ نے حضرت صفورہ اور بچے کو وہیں ٹھہرنے کے لئے فرمایا۔ اور خود اپنی وہ بکریاں چرانے والی لاٹھی جو آپ کے اجداد انبیاء علیہم السلام کی یادگار تھی۔ اور حضرت صفورہؓ کے باپ نے آپ کو بکریاں چرانے کے لئے دی تھی۔ مگر اب بھی آپ ہی کے پاس تھی۔ ہاتھ میں لے کر اس وادی کی طرف چل دیئے۔ جہاں سے آگ نکل رہی تھی۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو وہ آگ ایک درخت سے نکل نکل کر اوپر کو جا رہی تھی۔ آپ بڑے حیران ہوئے کہ درخت سے آگ نکلتی ہے۔ مگر درخت کو نہیں جلاتی۔ اب آپ یہاں سے آگ لینے کا طریقہ سوچنے لگے۔ تو ایک تجویز ذہن میں آئی۔ جس کے مطابق آپ نے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں اور باریک سوکھی ہوئی شاخیں اکٹھی کر کے ایک مٹھا سا بنایا۔ اور آگ کی طرف بڑھایا۔ تاکہ اسے آگ لگ جائے۔ لیکن وہ مٹھا آگے بڑھاتے ہی آگ کے شعلے اوپر چلے گئے۔ آپ نے بازو لمبا کر کے مٹھے کو اور اونچا کیا تو آگ اور زیادہ اونچی

ہوگئی۔ حتیٰ کہ جتنا آپ اس شعلے کو اونچا کرتے، اتنی ہی آگ اوپر چلی جاتی تھی۔ آخر کوئی صورت آگ لینے کی نہ ہو سکی تو آپ مایوسی اور خوف سے واپس جانے کو تیار ہو گئے۔ اور ابھی ایک ہی قدم اٹھایا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آواز نے آپ کو روک لیا۔ اور اس کے بعد حضرت موسےٰؑ کو نبوت عطا فرما کر مصر جانے کا حکم دیا۔ شاعر نے اسی موقع کے لئے کہا ہے۔ کہ ؎

خدا کی دین کا موسےٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

(۷)

حضرت بلقیسؑ ملکۂ سبا
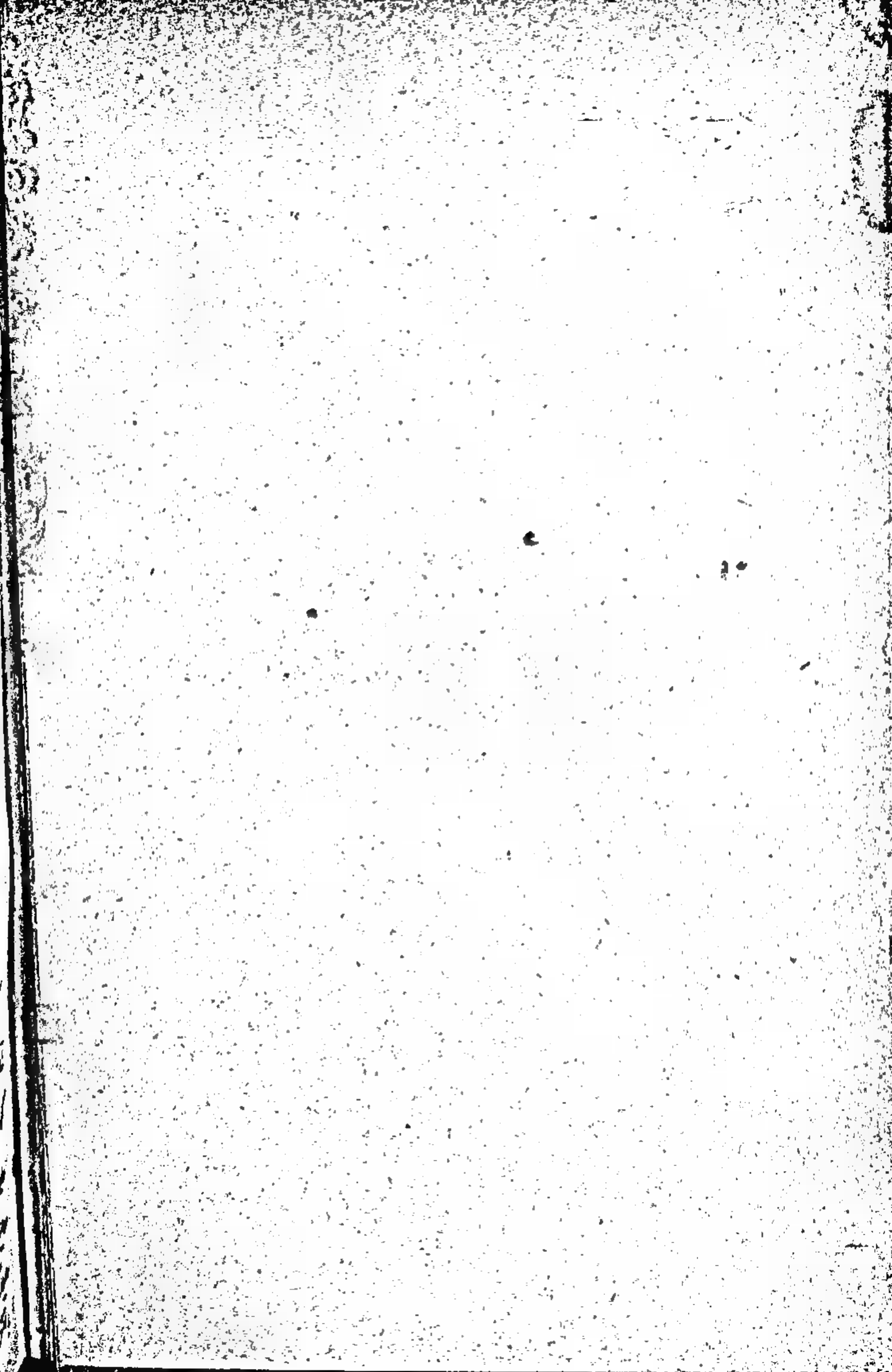
دنیا کی تمام مذہبی تاریخی اور جملہ مذاہب کی مقدس کتابوں میں یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے رسول ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عظیم الشان فرمانروا تھے جن کے جاہ و جلال کی مثال دنیا کسی حکمران کے ہاں بھی نہیں ملتی۔ آپ کے دربار کی عدیم النظیر شان و شوکت کا تمام صحائف میں اعتراف کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے۔ کہ آپ کے دربار میں انسانوں کے علاوہ جنات[1] اور حیوانات بھی دست بستہ حاضر رہتے تھے۔ اور سب پر آپ کی حکومت قائم تھی۔ قرآن مجید کی سورہ نمل میں ذیل کا واقعہ کافی تفصیل سے مذکور ہے۔

[1] جن کنعان کے گرد و نواح میں ایک قوی ہیکل، دراز قامت، تند و شدید اور جابر قوم رہتی تھی جو عمالیق کہلاتی تھی اور بنی اسرائیل ان کو اپنی شدید عداوت اور اذیت کی وجہ سے اور ان کی بت پرستی کا مدد اور دیوتاؤں کی عبادت اور بھوت پریت کی پوجا کے باعث ان کو جن کہتے یعنی جن کہا کرتے تھے اور یہی جابر عمالیق حضرت سلیمانؑ کے فرمانبردار تھے کچھ مقید اور کچھ ملازم و مصاحب تھے یہ سب انسان تھے جیسا کہ خود حضرت سلیمانؑ کی اپنی تصنیف واعظ سے ظاہر ہے۔ اور قرآن پاک کا مضمون حضرت سلیمان کی کتاب واعظ کے بالکل مطابق ہے۔

ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے دستور کے مطابق دربار میں جلوہ افروز تھے اور تمام انسان، حیوان، جن اور پرندے اپنی اپنی جگہوں پر ادب سے بیٹھے تھے۔ آپ نے ایک نظر دربار پر ڈالی تو معلوم ہوا کہ ہدہد وہاں حاضر نہیں ہے اس پر کسی قدر برہم ہو کر آپ نے فرمایا کہ ہدہد ابھی تک دربار میں حاضر نہیں ہوا اور اسے معلوم ہے کہ غیر حاضری کی سخت سزا دی جاتی ہے اسکے باوجود وہ ابھی تک نہیں آیا۔ اگر اس نے اپنی اس غیر حاضری کا کوئی معقول عذر پیش نہ کیا تو اسے سخت عذاب دونگا یا قتل کر دوں گا۔

اس بات کو ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ہدہد آ گیا۔ حضرت سلیمانؑ نے غیر حاضری کی وجہ پوچھی تو ہدہد نے نہایت عجز و انکسار سے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ:۔

"اے شہنشاہ جن و انس! میں ایک عجیب و غریب خبر لایا ہوں اور میرے دیر سے آنے کی وجہ بھی یہی ہے"
حضرت سلیمانؑ نے دریافت کیا کہ وہ کیا خبر ہے؟ ہدہد نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ:۔
یمن کے گرد و نواح میں ایک علاقہ ہے جو سبا کے نام سے مشہور ہے اس علاقہ میں ایک ملکہ حکمران ہے جسے خدا تعالیٰ نے جہانبانی کی دولت

لے ہدہد ایک پرندہ ہے جسے پنجابی میں چکی ہاہا اور فارسی میں پوپک کہتے ہیں۔ مولانا شیخ فریدالدین عطار نے کتاب منطق الطیر میں اسکے وصف میں لکھا ہے ؎

مرحبا اے ہدہد ہادی شدہ	در حقیقت پیک ہر وادی شدہ
اے بسر حد سبا سیر تو خوش	با سلیمان منطق الطیر تو خوش
صاحب اسرار سلیمانؑ آمدی	از تفاخر تاجور زان آمدی

خدا نے جانوروں کو اس کا ادراک دیا ہے کہ وہ اسے اور اسکی صفات کو جانتے پہچانتے ہیں۔ ان میں بعض فطری کمالات ہیں جو انسان کو حاصل نہیں، بلکہ عقل انسانی سے بالاتر، شہد کی مکھی کے انتظام اور ان کے چھتوں اور گھروں کی بناوٹ دلالت کرتی ہے کہ ان کو قدرت سے ایک خاص سلیقہ عنایت ہوا ہے۔ آدمی بیٹھے کا سا گھر نہیں بنا سکتا۔ کونجوں کی قطاروں میں ایسی ترتیب دیکھی جاتی ہے جو شاید فوجوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ بعض ملکوں میں جانوروں کو ذریعہ فضیلت دی گئی ہے۔ چیونٹیوں کی بابت ایک ڈاکٹر نے بڑی کاوش سے چیونٹیوں کے نشانوں کا مطلب تحقیق کر کے لغت کی طرح ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کی تحقیق کر کے یہ معجزات لوگ مان لیں گے مگر یہ نہیں مانیں گے کہ حضرت سلیمانؑ نے چیونٹیوں کا کہنا سن لیا اور ہدہد ملکہ سبا کی خبر لے آیا حالانکہ یہ جانور

تاج و تخت اور فوج و سپاہ عطا کر رکھی ہیں۔ اور وہ بڑے ہی جلال و عظمت سے حکومت کرتی ہے۔ مگر ایک بڑا عیب یہ ہے کہ وہ ملکہ اور اس کی ساری قوم بت پرست ہے جو سورج اور دوسری کئی چیزوں کی پوجا کرتی ہے۔ وہ لوگ حق کی راہ سے بالکل بے خبر ہیں۔ اور انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ سورج، چاند، ستاروں، پہاڑوں، سمندروں دریاؤں اور زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالےٰ نے بنائی ہے، اور اسی کی پرستش کرنی چاہیئے۔"

ہدہد سے یہ کہانی سنکر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ:۔

"تیرے سچ اور جھوٹ کی آزمائش ابھی ہو جائے گی۔ اور جو کچھ تو نے بیان کیا ہے اگر وہ حقیقت پر مبنی ہے تو ہمارا یہ خط اس ملکہ کے پاس پہنچا۔ اور وہاں اس خط کو پڑھنے کے بعد جو کچھ پیش آئے اور ملکہ کی طرف سے اس کا جو جواب دیا جائے۔ وہ ہمیں لا کر دے"

ہدہد اسی وقت حضرت سلیمانؑ کا خط لے کر روانہ ہوا۔ اور تیزی سے اڑ کر ملک سبا میں پہنچ گیا۔ ملکہ بلقیسؑ اس وقت اپنے دربار میں بڑی شان و شوکت سے جلوہ افروز تھی۔ اور امراء و وزراء اپنی اپنی جگہوں پر ادب سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہدہد نے ملکہ کے قریب اڑ کر حضرت سلیمانؑ کا خط اُسکی جھولی میں ڈال دیا۔ ملکہ نے خط دیکھا۔ اور پھر چاروں طرف نظر دوڑائی کہ یہ خط کس نے پھینکا ہے۔ مگر اُسے ایک چڑیا کے سوا کوئی شخص نظر نہ آیا۔ ملکہ نے سخت حیرت و اضطراب کے عالم میں خط کھولا۔ تو اس میں حسب ذیل الفاظ درج تھے:۔

"یہ خط سلیمانؑ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ کے نام سے شروع ہوتا

ہے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ تمہیں ہمارے سامنے سرکشی اور سربلندی کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔ اور تم خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کر کے فی الفور میرے پاس پہنچو !"

یہ مضمون پڑھنے کے بعد ملکہ بلقیس اپنے درباریوں سے مخاطب ہوئی اور کہا کہ:۔

"اے ارکان سلطنت! تم جانتے ہو کہ میں کسی بھی اہم اور ضروری معاملہ میں تمہارے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتی اس لئے تم مجھے پورے طور پر سوچ سمجھ کر مشورہ دو کہ اس معاملہ میں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

ارکان سلطنت نے بڑے غور و خوض کے بعد جواب دیا کہ:۔

"ہمیں کسی سے ڈرنے اور مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے پاس بڑی زبردست جنگی طاقت موجود ہے۔ اب اس خط کے سلسلہ میں فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اور ہم سب آپ کے ارشاد کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں۔"

ملکہ بلقیس نے ارکان سلطنت کی یہ باتیں سنکر کہا کہ:۔

"اس میں شک نہیں کہ ہم بہت زیادہ طاقت ور ہیں۔ اور ہماری جنگی طاقت بڑی ہی زبردست ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے معاملہ میں ہمیں کسی جلد بازی سے ہرگز کام نہیں لینا چاہیئے۔ ان کی طاقت کا اسی واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ان کا یہ خط نہایت عجیب اور پُراسرار طریقہ سے ہمارے پاس پہنچا ہے۔ میری تجویز یہ ہے۔ کہ ہم اپنے چند قاصدوں کو بہت گراں بہا تحفے دے کر حضرت سلیمانؑ کے

پاس بھیجیں۔ تاکہ ان کی طاقت اور عظمت کا پورا پورا اندازہ ہو جائے اور یہ بھی ہمیں معلوم ہو جائے کہ وہ کیا چاہتے ہیں ؟ اگر واقعی حضرت سلیمان زبردست طاقت اور شوکت کے مالک ہیں تو ان سے جنگ کرنا بے وقوفی ہے۔ ہمیں بلا وجہ بربادی مول نہیں لینا چاہیئے ۔"

دوسرے دن ملکہ بلقیسؓ نے اپنے قاصدوں کو بڑے بڑے نادر و نایاب تحفے دے کر حضرت سلیمانؑ کے پاس بھیج دیا اور وہ قاصد جب حضرت سلیمانؑ کے دربار میں حاضر ہوئے تو آداب بجالائے۔ دربار کی شان و شوکت دیکھ کر وہ ایسے مبہوت ہوئے کہ بات کرنے کی بھی ہمت نہ رہی۔ دربار میں ان کو ان کے مرتبہ کے مطابق جگہ دی گئی۔ اور جب وہ بیٹھ گئے۔ تو حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ۔

"تمہاری ملکہ نے ہمیں سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور ہمارے متعلق بالکل غلط اندازہ کیا ہے، کیا تم ان تحائف کے ساتھ ہمیں بہکانے کی غرض سے آئے ہو۔ اپنی ملکہ سے کہو کہ وہ ہمارے حکم کی پوری پوری تعمیل کرے۔ اور اگر اس نے یہ نہیں کیا تو مجھے اپنا بے پناہ لشکر لے کر سبا پہنچنا پڑے گا۔ اور تم لوگ اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ بلکہ ذلت کے ساتھ شہر سے نکالے جاؤ گے ۔"

ملکہ بلقیس کے قاصد تو حضرت سلیمانؑ کے دربار کے جاہ و جلال سے مرعوب و خوف زدہ ہو چکے تھے۔ اور یہ دیکھ کر ان کی حیرت و خوف کی انتہا نہ رہی تھی کہ اس عجیب و غریب شہنشاہ کے دربار میں انسان تو درکنار حیوانات

اور جنات بھی غلاموں کی طرح ادب سے کھڑے ہیں۔ لیکن جب حضرت سلیمان کی برہمی اور آپ کے خفگی کے پیغام کو دیکھا تو ان کے دل و دماغ پر خوف و دہشت طاری ہو گئی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ قاصد واپس روانہ ہوئے۔ اور ملکہ بلقیس کی خدمت میں تمام روداد بیان کی۔

ملکہ بلقیسؓ کو جب قاصدوں کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ برافروختہ ہیں۔ اور انہوں نے فوراً وہاں پہنچنے کا حکم دیا ہے تو اس نے اسی وقت تیاری کر دی اور حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہو گئی۔ اس کی روانگی کے ساتھ ہی حضرت سلیمانؑ کو بھی وحی کے ذریعہ سے آگاہی ہو گئی۔ کہ ملکہ بلقیسؓ آپ کی اطاعت کے لئے یہاں آ رہی ہے۔ اس لئے آپ نے اہل دربار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:-

"میں نے سنا ہے کہ ملکہ بلقیسؓ کا تخت بہت ہی نادر اور حیرت انگیز ہے۔ اور اب چونکہ وہ اس طرف آنے کے لئے روانہ ہو چکی ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ملکہ کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت اٹھا کر لایا جائے۔ کوئی ہے جو یہ کام سرانجام دے؟"

حضرت سلیمانؑ کے یہ الفاظ سنکر ایک جن آگے بڑھا اور اس نے عرض کیا کہ:-

"مجھے اگر حکم دیا جائے تو میں پلک جھپکنے سے پہلے ملکہ کا تخت لا سکتا ہوں۔"

اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے وزیر آصف بن برخیا نے عرض کیا کہ:-

میں ایک لحظہ میں ملکہ بلقیس کا تخت یہاں حاضر کر دوں گا۔

پر لیے جن اور وزیر آصف نے تخت لانے کی ذمہ داری لی۔ اور اس کے ایک ہی لحظہ بعد

حضرت سلیمانؑ نے مڑ کر دیکھا تو ملکہ بلقیس کا تخت آپ کی نظر کے سامنے پڑا تھا۔ آپ نے تخت کو ملاحظہ فرمانے کے بعد حکم دیا کہ:۔

"اس تخت میں بالکل ذرا سی تبدیلی کر دو۔ مگر اتنی تبدیلی نہیں جس سے اس کی ہیئت ہی اور ہو جائے۔ بلکہ صرف ایسی تبدیلی جو معلوم نہ ہو سکے"

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقصد اس تبدیلی سے صرف اطمینان حاصل کرنا تھا۔ کہ ملکہ اس تبدیلی کے بعد بھی اپنے تخت کی پہچان کر سکتی ہے؟ کاریگروں نے آپ کے حکم کی اسی وقت تعمیل کر دی اور تخت میں تبدیلی کر دی گئی۔ ابھی یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا ہی تھا۔ کہ ملکہ بلقیس بھی آ گئی۔ اور حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں آداب بجا لائی۔ حضرت سلیمانؑ نے تخت کی طرف اشارہ کر کے ملکہ سے پوچھا کہ:۔

"کیا تمہارا تخت اسی طرح کا ہے؟"

ملکہ چونکہ بڑی ذہین اور عقلمند تھی۔ اس لئے اس نے تخت پر ایک نظر ڈال کر جواب دیا کہ:۔

"یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے یہ تخت میرا ہی ہے۔ مجھے آپ کی طاقت و عظمت کا پورے طور پر علم ہو چکا ہے۔ اس لئے میں اطاعت گزاری اور فرمانبرداری کے لئے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی ہوں میں پہلے بھی غلامی و خدمت گاری کا عزم لے کر آئی تھی۔ لیکن یہاں یہاں آ کر تخت کے معجزہ نے مجھے اور بھی زیادہ مطیع و معتقد کر دیا ہے

اس لئے میں پھر ایک دفعہ فرمانبرداری و اطاعت کا اظہار کرتی ہوں۔
حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے یہ الفاظ سن کر سمجھ لیا کہ وہ آپ کے حقیقی منشاء کو نہیں پا سکی۔ اور خیال کرتی ہے کہ شاید اُسے ایک زیردست اور ماتحت حکمران عورت کی حیثیت سے یہاں بلایا گیا ہے۔ لیکن آپ کا مقصد یہ نہ تھا۔ بلکہ آپ چاہتے تھے۔ کہ ملکہ بلقیس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور وحدہٗ لاشریک کی پرستش کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ مگر ملکہ بلقیس جب آپ کے الفاظ و اشارات سے بات کی تہ کو نہ پہنچ سکی۔ تو آپ نے ایک عجیب طریقہ سے ملکہ کو سمجھانے کا ارادہ کیا۔ اور اس تجویز کے مطابق آپ نے جنات کو حکم دیا۔ کہ شیشے کا ایک محل فوری طور پر تیار کریں۔ جنوں نے آناً فاناً شیشے کا ایک عظیم الشان اور عجیب و غریب محل بنا دیا۔ جس میں کاریگری کے بہت سے حیرت انگیز نمونے پیش کئے گئے تھے۔
اس محل میں داخل ہونے پر بالکل سامنے صحن تھا۔ جس میں ایک خوبصورت حوض بنوایا گیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے اس حوض کو پانی سے بھر دیا گیا۔ یہ حوض اور اس کے اردگرد کا فرش کچھ ایسی صناعی سے بنایا گیا تھا۔ اور فرش میں بلور کے ٹکڑے اور صاف شیشے اس طریقے سے لگائے گئے تھے۔ کہ دیکھنے والا دھوکا کھا جاتا تھا۔ اور وہ سمجھتا تھا۔ کہ سارے ہی صحن میں پانی ہی پانی بہ رہا ہے۔

جب یہ محل پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ تو ملکۂ بلقیسؓ کے ٹھہرانے کے لیئے وہیں انتظام کیا گیا۔ ملکہ جب اس محل میں گئی۔ تو کاریگری کے ہوشربا نمونے، محل کے حسین و دل آویز در و دیوار اور ستاروں کی طرح جگمگاتے ہوئے آئینے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس کے بعد جب وہ صحن کے پاس پہنچی۔ تو اس میں پانی بہتا ہوا سمجھ کر اس نے اپنی شلوار کو پنڈلیوں سے اُوپر چڑھا لیا۔ حضرت سلیمانؑ نے یہ بات دیکھی تو ملکہ سے فرمایا:۔

ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سارا محل چمکتے ہوئے صاف آب گینوں سے بنایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ کو سورج کی روشنی کی وجہ سے دھوکا ہوا ہے۔

ملکہ اپنی فراست کی وجہ سے فوراً سمجھ گئی۔ کہ اس کی عقل و ذہانت کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ واضح کرنا ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی فرماں برداری کے روادار نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ کی اطاعت گذاری کرانا چاہتے ہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی ملکہ بلقیسؓ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنی کوتاہی اور گمراہی کو تسلیم کرتے ہوئے کہا: کہ میں نے اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں کی پوجا کر کے واقعی اپنی زندگی کی ایک طویل مدت رائیگاں گنوائی ہے۔ اور اس پروردگار عالم کی پرستش نہ کی۔ جو ہر شے کا خالق ہے۔ اور جس کی اطاعت ہمارا فرض ہے۔ لیکن آج میں آپ کے سامنے خدائے وحدہٗ لا شریک پر سچے دل سے ایمان لاتی ہوں۔ اور عہد کرتی ہوں کہ زندگی کے آخری دم

تک اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کروں گی۔ جو سارے عالم کا مالک و خالق ہے۔ بعض تفسیروں میں لکھا ہے۔ کہ حضرت بلقیس کے ایمان لانے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے آپ سے نکاح کر لیا۔ اور وطن کو واپس جانے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے بعد آپ خود بھی ملکہ کے پاس ملاقات کے لئے کبھی کبھی تشریف لے جاتے رہے۔

(۸)

حضرت مریمؑ بنت عمران

نام و نسب :-

حضرت مریمؑ عمران بن لاسان کی صاحبزادی تھیں۔ اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت حنہؓ تھا۔ جو نہایت نیک دل، پارسا اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ جب وہ حاملہ ہوئیں تو رب ذوالجلال کی نذر مانی کہ :-

"اے میرے مالک و خالق! اب کی دفعہ جو لڑکا پیدا ہوگا اُس کو میں تیرے بیت المقدس کی پاسبانی اور خدمت کے لئے نذر کروں گی۔"

قرآن مجید میں حضرت حنہؓ کی اس نذر کا ذکر حسب ذیل آیۂ کریمہ میں ہوا ہے :-

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا	ترجمہ: جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب! میں نے نذر کی ہے تیری جو بچہ میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا۔

پیدائش:-

پیدائش کی بابت قرآن مجید حسب ذیل ارشاد ہے:

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ ۔
ترجمہ:- پس جب جنا اس کو (تو والدہ نے) کہا، اے رب! میں نے تو اسے لڑکی جنا۔

بارگاہ ایزدی میں قبولیت:-

مریمؑ کی پیدائش کی وجہ سے آپ کی والدہ ابھی رنج و غم میں مبتلا تھیں کہ غیب سے آواز آئی۔ فرشتوں نے پکار کر کہا:-

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ؕ
ترجمہ:- پس اس کے رب نے اسے اچھی طرح قبول کر لیا۔ اور اسے اچھا پروان چڑھایا۔

تربیت:-

حضرت مریمؑ کی عمر جب سات برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ اپنی نذر پوری کرنے کی غرض سے حضرت مریمؑ کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑ کر بیت المقدس کے متولی حضرت زکریا علیہ السلام کی خدمت میں لے گئیں۔ لیکن بیت المقدس کے متولیوں میں کئی اور بھی متولی ایسے تھے۔ جو حضرت مریمؑ کے حسن باطنی کے پیش نظر اس بات کی دلی خواہش رکھتے تھے کہ وہ حضرت کی پرورش کے ذمہ دار بنائے جائیں۔ اور یہ فرض انہیں سونپا جائے۔ اس صورت حال کی بناء پر تمام متولیوں میں جھگڑا پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ اس لئے اُن کی باہمی کشمکش کا سدّباب کرنے کی غرض سے یہ طے پایا کہ ہر ایک متولی ا

رہے کا قلم جس سے توریت مقدس لکھی جاتی ہے پانی کے بھرے ہوئے ایک بڑے برتن میں ڈالے۔ جس کا قلم پانی کے اوپر آجائے حضرت مریمؑ کی کفالت کا شرف اسی کو حاصل ہوگا۔ اس فیصلہ کے مطابق سب متولیوں نے اپنے اپنے قلم پانی میں ڈالے۔ مگر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ حضرت زکریاؑ کا قلم اوپر آگیا۔ اور آپ ہی کے ذمے حضرت مریمؑ کی کفالت ڈال دی گئی۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے حسب ذیل آیت میں بیان کیا ہے :-

اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ اَیُّھُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ، وَکَفَّلَھَا زَکَرِیَّا ۔

ترجمہ: جبکہ وہ اپنا قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کی کون کفالت کرے گا اور حضرت زکریا نے ان کی کفالت و تربیت کی۔

کرامات کا ظہور

حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کو ایک محراب نما کمرے میں ٹھہرایا۔ لیکن آپ یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ آپ جب کبھی اس کمرے میں تشریف لاتے تو حضرت مریمؑ کے سامنے قسم قسم کے بے موسم میوے بڑے قرینے سے چُنے ہوئے ہوتے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کے متعلق اس طرح فرمایا ہے :-

کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا ۔

ترجمہ: جب بھی زکریاؑ محراب میں داخل ہوتے اس (مریمؑ) کے پاس نیا رزق پاتے۔

یہ چیز کئی بار حضرت زکریا کے مشاہدہ میں آئی تو آخر کار آپ نے ایک دن حضرت مریمؑ سے پوچھا۔

اَنّٰی لَكِ هٰذَا	ترجمہ:- یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟

آپ نے جواب میں فرمایا:-

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	ترجمہ:- یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔

ملائکہ کی بشارت:-

خدا تعالے کے مقرب فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو بشارت دی کہ:-

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ۝	ترجمہ:- جب فرشتوں نے کہا اے مریم! تحقیق اللہ نے تجھ کو چن لیا ہے اور پاک کیا ہے اور تجھ کو عالم کی عورتوں پر فضیلت بخشی ہے

نزولِ جبریلؑ

جب حضرت مریمؑ سن بلوغ کو پہنچیں اور پہلے غسل سے فارغ ہوئیں تو اللہ کے حکم سے حضرت جبریلؑ امین تشریف لائے جس کا تذکرہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے:-

فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا۔	ترجمہ:- پس ہم نے روحانی بھیجا۔ جو تندرست انسان کی صورت میں نمودار ہوئی۔

حضرت مریمؑ نے جب حضرت جبریلؑ کو دیکھا تو بہت خوف زدہ ہوئیں مگر حضرت جبریلؑ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:-

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا۔	ترجمہ:- میں تیرے رب کا ایلچی ہوں تاکہ تجھ کو ایک ستھرا بچہ دوں۔

حضرت مریمؑ نے نہایت حیرت و استعجاب کے لہجے میں دریافت فرمایا کہ :-
اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ (ترجمہ:- میرے ہاں) بچہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

حضرت جبریلؑ نے جواب دیا :-

كَذٰلِكِ (ترجمہ:- یوں ہی)

اس کے بعد حضرت جبریلؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مریمؑ کے پیٹ پر پھونک ماری جس سے آپ خدا کی قدرت سے حاملہ ہو گئیں۔ پھر جوں جوں دن گزرتے گئے ساتھ ہی ساتھ حمل کے آثار بھی زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوتے گئے اور اسی قدر حضرت مریمؑ قوم کی ملامت اور اپنی رسوائی کے ڈر سے رویا کرتیں۔ اور بے حد غمگین و رنجیدہ ہوتی جاتی تھیں۔

آخر حمل کی مدت پوری ہونے کے قریب آئی۔ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو الہام ہوا جس کے ماتحت آپ بیت المقدس سے نکل کر ایک کھلے میدان میں کھجور کے درخت کے نیچے چلی گئیں جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے :-

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ج ترجمہ:- پس لایا اس کو جننے کا درد کھجور کی جڑ پر۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش

حضرت مریمؑ شدید درد سے دوچار تھیں کہ اچانک آپ کا خالہ زاد بھائی یوسف جو ستار کا کام کرتے تھے اس طرف آ نکلے۔ اور حضرت مریمؑ کو دیکھ کر حقیقت حال دریافت کی۔ آپ نے سارا واقعہ ان کو کہہ سنایا[1]۔ یوسف آپ کو وہاں سے چند میل دور بیت اللحم میں لے گئے۔

---

[1] یہ واقعہ جامع التواریخ اور دیگر اکثر و بیشتر کتابوں میں درج ہے۔

جس کی وجہ سے آپ درد زہ سے بے حد بیتاب ہو گئیں۔ اور ایک کھجور کے تنے سے پشت مبارک لگا کر بیٹھ گئیں۔ چند لمحوں کے بعد حضرت عیسیٰؑ تولد ہوئے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے کھجور کا وہ سوکھا درخت فوراً سرسبز ہو گیا۔ اور قریب ہی ایک شفاف چشمہ پانی کا جاری ہو گیا۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے فوری بعد حوریں اور فرشتے وارد ہوئے۔ اور حضرت مریمؑ طاہرہ کی امداد کرنے لگے۔ پھر انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو جنت کا لباس پہنایا۔ اور فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو مغموم دیکھ کر فرمایا:-

اَلَّا تَحْزَنِیْ

ترجمہ:- غمگین مت ہو۔

حضرت مریمؑ سخت افسردہ و غمناک تھیں اور انتہائے پریشانی میں کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور لوگ مجھے فراموش کر چکے ہوتے لیکن حضرت عیسیٰؑ اسی وقت بول اٹھے اور اپنی والدہ مطہرہ کو اپنی پیدائش کی ان الفاظ میں مبارکباد کہی:-

سَلٰمٌ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ۞

ترجمہ:- "مجھ پر سلامتی ہو جب کہ میں پیدا ہوا اور جب میں اٹھایا جاؤں اور جب زندہ دوبارہ بھیجا جاؤں"

حضرت مریمؑ اپنے بیٹے کی زبان سے یہ بشارت سنکر بہت خوش ہوئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کو بھوک نے ستایا تو آواز سنائی دی کہ:-

وَهُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا ۞

ترجمہ:- "تو اپنی طرف درخت کے تنا کو کھینچ تجھ پر تازہ کھجوریں گریں گی"

شانِ ایزدی :-

جب حضرت مریمؑ فارغ ہو چکیں تو یہ خیال پھر آپ کو پریشان کرنے لگا۔ کہ آپ اس بچے کو لوگوں کے سامنے کس منہ سے لے کر جائیں گی۔ اور اعتراض کرنے والوں کو اس بات کا اطمینان کیسے دلائیں گی۔ کہ باپ کے بغیر بچہ پیدا ہو گیا۔ اس موقع پر آپ کے پاس اللہ تعالٰے کا یہ پیغام پہنچا۔

فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا

ترجمہ :- میں نے اللہ کا روزۂ خاموشی رکھا ہوا ہے۔ میں کسی سے کلام نہ کرونگی۔

ساتھ ہی یہ ہدایت فرمادی گئی کہ جب لوگ سوالات کریں تو خود کچھ نہ بتانا۔ بلکہ بچے کی طرف اشارہ کر دینا کہ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو اس سے پوچھو! ان پیش بندیوں اور احتیاطوں کے بعد جن کی بڑی اشد ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم ملا کہ اب آپ اپنی قوم میں واپس چلی جائیں۔ چنانچہ اس ارشادِ باری کی تعمیل میں جب آپ اپنے نومولود بچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر یروشلم میں رہیں تو آپ کی قوم میں طرح طرح کی باتیں شروع ہو گئیں۔ اور ہر شخص نے طرح طرح کے الزامات اور اشتباہات حضرت مریمؑ پہ عائد کئے۔ لیکن آپ نے ان کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور سب کے جواب میں حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کر دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا ہے :-

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ

ترجمہ :- پس اشارہ کر دیا اس کی (بچے کی) طرف"

حضرت عیسیٰؑ نے خدائے ذوالجلال کے حکم سے گفتگو کرنا شروع کی۔ اور آپ کی زبانِ مقدس سے جو سب سے پہلا کلمہ نکلا وہ یہ تھا۔

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ ترجمہ:- میں خدا کا بندہ ہوں۔ مجھ کو کتاب دی ہے۔ اور مجھ کو نبی بنایا ہے!

حق و باطل کی کشمکش :-

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کو صاف صاف جواب دیا تو اس بات سے ان میں حق و باطل کی کشمکش کا معرکہ گرم ہو گیا۔ اس قوم میں جو لوگ خشیت اللہ کا احساس رکھتے تھے۔ ان میں تو یقین و ایمان، تعظیم و تکریم اور تائید و تصدیق کے ویسے موجزن ہو گئے۔ اور جن لوگوں کے قلوب پر باطل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ کفر و طغیان میں غرق ہو گئے۔ پس جو خدا اور اس کے رسول کی باتوں پر یقین اور ایمان رکھنے والے ہوئے ان کو خالق حقیقی نے نجات دے دی۔ مگر جنہوں نے اس کے خلاف قدم اٹھایا۔ وہ دنیا و آخرت کی تباہی، بربادی اور ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے۔

حضرت مریمؑ کے سوانح حیات میں جو چیز خاص طور سے عبرت و موعظت کے لئے حاصل ہوتی ہے۔ وہ آپ کی بندگی، پرہیزگاری، معصومیت، توکل، صبر اور اللہ کے لئے اپنی تمام زندگی کو وقف کرنا ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں مندرج ہے:-

خَیْرُ نِسَآئِھَا مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَ خَیْرُ نِسَآئِھَا خَدِیْجَۃُ بِنْتُ خُوَیْلِد! ترجمہ:- سب عورتوں میں بہتر مریم بنت عمران اور خدیجہؓ بنت خویلد ہیں۔

اور طبرانی میں ہے کہ:-

لم یکن من النساء الا مریم بنت عمران و آسیہ بنت مزاحم امراۃ فرعون۔	ترجمہ: "عورتوں میں سوائے دو کے اور کامل نہیں ہوئیں۔ مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون"

ترمذی شریف کی روایت ہے:۔

کفاک من نساء العالمین مریم بنت عمران و خدیجہ بنت خویلد و فاطمہ بنت محمد و آسیہ امراۃ فرعون"	ترجمہ: "تم کو تقلید کے لئے تمام عالم کی عورتوں میں چار عورتیں کافی ہیں مریم بنت عمران اور خدیجہؓ بنت خویلد اور فاطمہؓ بنت محمدؐ اور آسیہؓ زوجہ فرعون"

خدا تعالےٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی اور ان کی والدہ کی نیک نیتی، خلوص پرہیزگاری اور خدا پرستی کے جذبات کے بدلے میں وہ انعام و اکرام عطا فرمایا جس کی مثال حضرت خاتم النبیین علیہ الصلواۃ والسلام کی ذات اقدس کے سوا اور کہیں نہ مل سکے گی۔ حضرت مریمؑ کی ساری زندگی زہد و اتقا، طاعت و ریاضت، صبر و توکل، تسلیم و رضا اور نظافت و پاکیزگی کا ایک عظیم الشان نمونہ ہے۔ اور اکثر و بیشتر مفسرین کے نزدیک وہ اولین خاتون تھیں جن کو وحی الٰہی سے شرف یاب ہونے کی توفیق حاصل ہوئی۔ اگرچہ آپ باقاعدہ نبوت کے منصب پر سرفراز نہ ہوئیں۔ مگر الہام کی سعادت آپ کو ضرور حاصل ہوتی رہی۔ اور کائنات عالم کی عورتوں کے لئے یہ شرف بھی کچھ کم باعث فخر نہیں کہ ایک پیکر عصمت اور پاک اس خاتون کو پہلی مرتبہ صاحب الہام ہونے کا رتبہ ملا۔ اور حضرت مریمؑ کو ایسے مراتب سے خدائے عز و جل و علا نے نوازا کہ فرشتے اس پر رشک کھائے بغیر نہ رہ سکیں۔

حضرت مریمؑ علیہا السلام کی مقدس زندگی اس بات کا چمکتا ہوا ثبوت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے قرب و کلام سے فیضیاب ہونے کا جوہر قدرت کاملہ نے عورت کو بھی عطا کیا ہے۔ اور وہ بھی اپنے عمل و اطاعت سے بلند ترین مدارج پر فائز ہو سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اور احادیث شریفہ کے ارشادات کے مطابق حضرت مریمؑ کو بہت ہی بلند اور قابل تعظیم درجہ حاصل ہے۔ اور قرآن مجید میں جا بجا آپ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ سطور بالا میں مندرج چند آیات و احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت مریمؑ کی وفات کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی جس پر اعتماد کیا جائے اور نہ اس بات کا کہیں ذکر آیا ہے کہ آپ کا مدفن کس جگہ ہے البتہ بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت مریمؑ نے یروشلم میں رحلت کی اور بیت المقدس ہی میں کسی مقام پر مدفون ہوئیں۔ مگر مستند حوالوں سے اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی اسلئے آپکی رحلت اور مدفن کے متعلق وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت مریمؑ کو پاک باطنی، نیک نفسی اور عفت مآبی کے باعث بلند و اعلیٰ مراتب عطا کئے۔ خواتین کے لئے ان مراتب عالیہ کا تصور بھی ذہن میں لانا محال ہے۔ پس جس کسی کو پروردگار عالم کی غیبی امدادیں، خدا کے غیبی کرشمے اور باری تعالیٰ کے غیبی انعام و اکرام حاصل کرنا ہوں وہ حضرت مریمؑ طاہرہ کی معصوم زندگی سے سبق حاصل کریں اور خدا تعالیٰ اور اس کے نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و تابعداری میں اپنے آپ کو ہمیشہ کیلئے وقف کر دیں۔ مالک حقیقی اُن سے اس قدر خوش ہوگا اور خوش ہو کر انہیں ایسے ایسے انعامات سے نوازے گا۔ جن سے دوسرے محروم رہیں گے۔

علاوہ ازیں اس واقعہ سے یہ بھی خیال ہے کہ والدین اور خصوصاً والدہ کی نیکی اور دینداری کا انعام اولاد کے حصے میں بھی آتا ہے جیسا کہ حضرت حنہ کے خلوص کا انعام حضرت مریمؑ اور ان کے صالح فرزند حضرت عیسیٰؑ کو حاصل ہوا۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم الدین۔

باب دوم

ازواج المقدسات

(وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ)

(ترجمہ: اس (نبی) کی بیویاں ان مومنوں کی مائیں ہیں)

۱۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

۲۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ

۴۔ حضرت حفصہؓ

۵۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ

۶۔ حضرت ام سلمہؓ

۷۔ حضرت زینبؓ بنت جحش

۸۔ حضرت جویریہؓ بنت حارث

۹۔ حضرت ام حبیبہؓ

۱۰۔ حضرت صفیہؓ بنت حی

۱۱۔ حضرت ریحانہؓ بنت شمعون

۱۲۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث

(۱)

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری، خدمت و اطاعت، ہمدردی و دلداری اور رضاجوئی و خیرخواہی کے جو قابلِ قدر نمونے پیش کئے وہ مسلمان عورتوں کے لئے رشد و ہدایت کے زرافروز چراغ ہیں۔

۲۔ دولت و ثروت اور شان و شوکت کے ماحول میں پرورش پانے اور زندگی کا ایک دور گزارنے کے باوجود آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جس ذوق و خلوص کے ساتھ درویشانہ زندگی کو قبول کیا، اور اپنے زر و مال، جاہ و ثروت اور اپنی تمام کائنات کو قربان کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نہ صرف رفاقت اختیار کی۔ بلکہ سرکارِ دو عالم کی فدائی، غمگسار اور سچی مشیر ثابت ہوئیں وہ ایک لازوال درسِ عبرت ہے۔

۳۔ حضرت خدیجہؓ کی پاکیزہ سیرتی اور بلند کرداری کا نتیجہ تھا کہ آپ کو دنیا کی تمام عورتوں سے افضل قرار دیا گیا۔ اور جب تک آپ زندہ رہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی۔

نام ونسب :-

حضرت خدیجہؓ سرزمین عرب کی معززترین قوم قریش کے شریف ترین خاندان کی مقدّس و پاکدامن خاتون تھیں ۔ آپ کا نام خدیجہ لقب طاہرہ اور طیبہ اور کنیت ام ہند تھی ۔ آپ کا سلسلہ نسب ددھیال اور ننھیال دونوں طرف سے آنحضرتؐ کے ساتھ لڑی میں شامل ہو جاتا ہے ۔ آپ کے والد کا نام خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ تھا ۔ جو عرب کے مشہور تاجر اور اپنے قبیلہ کے ایک معزز فرد تھے ۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت زائدہ عرب کے ایک معزز قبیلہ بنو عامر کی چشم و چراغ تھیں ۔ حضرت خدیجہؓ کے پردادا قصی حضرت رسول کریم صلعم کے جدِاعلیٰ تھے ۔ اس لئے حضرت خدیجہؓ اور حضرت رسول کریمؐ کے مابین یک جدی ہونے کا رشتہ بھی ظاہر ہے ۔

شجرۂ نسب اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں ۔

قصی

عبدالعزیٰ — عبدالمناف

اسد — ہاشم — عمرو

عبدالمطلب

خویلد — اسید — عمرو — نوفل

حارث — عبداللہ — عباس — ابوطالب — برہ

خدیجۃ الکبریٰ — عتیقی — صفیہؓ — عوام — اسود — ورقہ

ہبار

عبیدہ — طفیل — محمدؐ — علی — ابوسلمہ — حضرت زبیرؓ — محمد

پہلا نکاح :-

حضرت خدیجہؓ بچپن کا معصوم عہد گزارنے کے بعد جب عالم شباب میں پہنچیں تو آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے ساتھ منسوب کیا گیا۔ لیکن کسی وجہ سے نکاح نہ ہو سکا۔ تو اس کے بعد آپ ابوہالہ یا ہند بن نباش تمیمی کے نکاح میں آئیں۔ اور ان کی وفات کے بعد آپ کا نکاح عتیق بن عابد سے ہوا۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کا پہلا نکاح عتیق سے ہوا۔ جن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بھی پیدا ہوئے۔ اور عتیق یہ دونوں بچے چھوڑ کر فوت ہو گئے۔ لیکن سیرت نگاروں کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ کا پہلا نکاح ابوہالہ سے ہوا، اور ان کی وفات کے بعد آپ عتیق کے نکاح میں آئیں۔ بہرحال ان دونوں نے لہ

لہ ابوہالہ یا ہند سے عقد کرنے کے بعد دو بچے پیدا ہوئے۔ جن میں سے بڑے کا نام ہالہ اور چھوٹے کا نام ہند رکھا گیا۔

بعد دیگرے حضرت خدیجہؓ کی شوہری کا مرتبہ حاصل کیا۔ دوسرے خاوند کے انتقال کے بعد بعض سیرت نگاروں نے آپ کا نکاح اپنے ایک چچا زاد بھائی صیفی بن امیہ سے بھی لکھا ہے جو چند ہی روز کے بعد فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے والد بھی چونکہ حرب الفجار میں کام آ گئے تھے۔ اس لیے حضرت خدیجہؓ ان متواتر صدموں سے اس قدر دل برداشتہ اور مضمحل ہوئیں کہ آپ نے باقی زندگی بیوگی ہی کی حالت میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

شغل تجارت :-

حضرت خدیجہؓ کے پاس مال و منال کی بڑی افراط تھی۔ اور چونکہ آپ کے متوفی خاوند تجارت کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے بھی یہی شغل جاری رکھا۔ اس زمانے میں شام کے ساتھ قریش کے بہت زیادہ تجارتی تعلقات تھے۔ اور ان کے مابین وسیع کاروبار کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس چونکہ مرد کوئی نہ تھا۔ جو تجارت کی ذمہ داریاں انجام دے۔ اس لئے لوگوں کو ملازم رکھ کر آپ ان کے ذریعہ سے تجارتی کاروبار چلاتی تھیں۔ اور اس سے آپ کو نفع کافی حاصل ہوتا تھا۔ لیکن دنیا کی طرف سے آپ کی طبیعت سیر ہو چکی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے شفیق چچا ابو طالب کے ہمراہ تجارتی سفروں پر جایا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کو تجارت کے کاروبار میں کافی مہارت حاصل ہو چکی تھی۔ جس پر آپؐ کی صداقت شعاری، دیانت پسندی اور امانت گزاری کی بے مثال خوبیوں نے اور بھی اضافہ کر دیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے فن تجارت میں بہت بڑی شہرت حاصل کر لی۔ اسی کے ساتھ آپ کے پاکیزہ اخلاق اور ستودہ صفات

کا بھی دور دور تک شہرہ ہو چکا تھا۔ اور عرب کے گوشے گوشے میں آپ امین کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ اس لئے آپ تجارت کے کام میں خاطر خواہ حد تک کامیاب رہے۔ حضرت خدیجہؓ کو اپنے وسیع تجارتی کاروبار کی دیکھ بھال کے لئے ایک دیانتدار اور صاحب ایمان مرد کی تلاش تھی۔ چنانچہ آپ کی حق نگر اور حقیقت بین نگاہوں نے آنحضرتؐ کو تاکا اور حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ کی خدمت اقدس میں پیغام بھیجا۔ کہ آپ اگر میرا مال تجارت شام تک لے جایا کریں۔ تو میں اپنا غلام میسرہ آپ کے ساتھ روانہ کر دوں گی۔ اور جس قدر معاوضہ دوسرے لوگوں کو دیتی ہوں اس سے دو چند آپؐ کو دیا کروں گی[1]۔

آنحضرتؐ نے یہ بات بے تکلف منظور فرمائی۔ اور حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر شام کو تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھا۔ واپسی پر جب حساب کیا گیا۔ تو پہلے سے کئی گنا زیادہ منافع نکلا۔ حضرت خدیجہؓ پہلے ہی آپ کی خوش معاملگی کے متعلق بہت کچھ سن چکی تھیں اور اب یہ تجربہ میں آیا۔ تو ان کے دل میں حضورؐ کی قدر بہت بڑھ گئی۔ میسرہ نے دوران سفر کے بھی عجیب و غریب حالات ان کو سنائے۔ جن سے آنحضرتؐ کے خصائل حمیدہ کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے بڑے اشتیاق کے ساتھ آپؐ کو نکاح کا پیغام بھیج دیا۔

رحمت عالمؐ سے نکاح

حضرت خدیجہؓ کی ایک لونڈی نفیسہ کے ذریعہ سے جب آنحضرتؐ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹ - صحابیات ص ۱۸ -

کو نکاح کا پیغام ملا۔ تو حضورؐ نے اپنے مہربان چچا سے ذکر فرمایا۔ اور اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہا۔ ابو طالب نے حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد کو بلوایا اور جب تمام معاملات کا تصفیہ ہو گیا۔ تو ابو طالب تمام اکابر خاندان کو لے کر حضرت خدیجہؓ کے گھر پہنچے۔ اور پانچسو درہم طلائی کے حق مہر پر حضورؐ کا نکاح ہو گیا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس اور آنحضرتؐ کی عمر پچیس سال تھی۔

قبول اسلام

ارباب سیر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہے۔ اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی عمر مبارک جب چالیس سال کی ہو گئی۔ تو ایک دن آپؐ اپنے معمول کے مطابق مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک غار میں جسے غار نور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بیٹھے ہوئے اپنے خالق و مالک سے راز و نیاز میں مشغول تھے اور گم کردہ راہ انسانوں کو راہ نجات دکھانے کے وسائل و ذرائع سوچ رہے تھے۔ کہ آپؐ پر سب سے پہلی وحی نازل ہوئی۔

آپؐ حکم الٰہی کی ہیبت و عظمت سے ڈر گئے۔ اور غار سے اٹھ کر گھر آگئے۔ جب طبیعت ذرا سنبھل گئی۔ تو آپ نے اپنی ہمدرد و غمگسار بیوی حضرت خدیجہؓ سے تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے سارا واقعہ سن کر آپ کو ان الفاظ میں تسلی دی:۔

"میرے سرتاج! آپ سچ بولتے ہیں، صلہ رحمی فرماتے ہیں، امانت گزار ہیں،

مہمان نواز ہیں، اور مصیبت میں اپنوں اور بیگانوں کی امداد و اعانت کرتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔"

حضرت خدیجہؓ کے ان الفاظ سے آپؐ کی طبیعت میں بہت سا سکون پیدا ہو گیا۔ لیکن مزید تسلی کے لئے حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو اس زمانے کے مشہور نصرانی اور کتب سماوی کے ایک جیّد عالم تھے۔ ورقہ نے آنحضرتؐ سے تمام واقعہ سنا اور کہنے لگا:۔

"یہ وہی ناموس ہے، جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش مجھے مہلت ملتی اور میں اس وقت تک آپ کی امداد کرنے کے لئے زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو گھر سے نکال دیگی!"

اس واقعہ کے تھوڑے سے ہی دن بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔[1]

حضرت خدیجہؓ آنحضرتؐ کو لے کر گھر واپس آئیں۔ اور اسی روز اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا۔ آپ کا مشرف بہ اسلام ہونا آنحضرتؐ کی پاکیزہ سیرت اور صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل سمجھا جاتا ہے۔

تبلیغ اسلام

نزول وحی اور اعلان نبوت کے بعد آنحضرتؐ لوگوں کو پیغام ربانی پہنچانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ یہ زمانہ آپ کے لئے انتہائی حد تک پُر آشوب تھا۔ اور اس وقت حضورؐ کو تبلیغ حق اور اشاعت اسلام میں جتنی مشکلات درپیش تھیں۔ ان کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک مدت تک آپؐ اپنی غمگسار بیوی کے ساتھ چھپ کر نماز پڑھتے رہے۔[2] معاندین آپؐ

---

[1] یہ سارا واقعہ تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری جلد اول میں درج ہے [2] طبقات جلد ۸ ص ۱۱

کی مخالفت کے لیئے پورے زور شور سے کمربستہ ہوگئے - انہوں نے آپؐ کی اذیت رسانی کے لیئے درندوں کا روپ دھار لیا، اور آپؐ پر اور آپؐ کے ماننے والوں پر ایسے ایسے لرزہ خیز مظالم ڈھانا شروع کیئے کہ اُن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے اس کٹھن اور پُرخطر دور میں اپنے عالی مرتبت خاوند کی دلداری، ہمدردی اور امداد میں پورا زور صرف کیا، آپ نے اپنی تمام دولت آنحضرتؐ کے آگے ڈھیر کر دی اور آپؐ کو فکر معاش کے دھندوں سے بالکل بے نیاز کر کے تبلیغ اسلام کے لیئے فارغ کر دیا۔ اور بلا شبہ ایک نیک وفادار اور پارسا بیوی کے لیئے یہ چیز بے حد قابل تعریف ہے کہ وہ اپنے خاوند کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ممد و معاون ثابت ہو۔ اس کی ہمت بندھائے، اور اس کی دلجمعی کے لیئے ہر ممکن سعی و جہد عمل میں لائے سیرت کی کتابوں میں اسکی بے شمار مثالیں موجود ہیں -

آنحضرتؐ سے محبت :-

یہ ظاہر ہے کہ ایک ایسی ہمدرد و غمگسار بیوی جو اپنے شوہر کی رضا جوئی، اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور راحت رسانی میں کوشاں رہنے کے ساتھ ساتھ اپنی ذہانت و فراست سے خاوند کی تمام پریشانیوں کو بھی دور کردے، اور رنج و مایوسی کی صبر آزما تاریکیوں میں اس کی حوصلہ افزائی، دلداری اور ہمدردی خاوند کی ہمت بڑھائے وہ اپنے شوہر کو کس قدر محبوب ہوگی؟ چنانچہ چوبیس سال کا طویل عرصہ جو حضرت خدیجہؓ نے آپ کے ہمراہ گزارا خوشگوار خانگی زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ اس لمبے دور میں ایک

واقعہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جس میں دونوں کے مابین معمولی شکر رنجی بھی پیدا ہوئی ہو۔ بلکہ آنحضرتؐ کا یہ حال تھا کہ خدیجہؓ کی وفات کے بعد بھی کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس دن آپؐ نے ان کی تعریف و توصیف میں چند کلمات ارشاد نہ فرمائے ہوں۔

حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:۔

"جتنا رشک مجھے خدیجہؓ پر تھا دوسری کسی بیوی پر نہ تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی تو مجھے غیرت آئی اور میں نے کہا کہ وہ بڑھیا تھیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بہتر بیوی دی ہے۔ اب آپ ان کا ذکر نہ فرمایا کریں۔"

آنحضرتؐ یہ سنکر غصے ہوئے اسی حالت میں آپ کا چہرہ تمتما اٹھا اور ارشاد فرمایا کہ:۔

بخدا! مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ وہ اس وقت ایمان لائی۔ جب سب لوگ کافر تھے۔ اس نے میری تصدیق کی۔ جب سب نے مجھے جھٹلایا اس نے مال سے میری مدد کی جب دوسروں نے مجھے محروم رکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس سے مجھے اولاد دی۔"

یہ اسی محبت کی وجہ سے تھا کہ آنحضرتؐ نے جب تک خدیجہؓ زندہ رہیں کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔ اور جس سال میں ان کا انتقال ہوا اس سال کو آپ نے عام الحزن یعنی غم کا سال فرمایا۔

عادات و خصائل

حضرت خدیجہؓ امور خانہ داری سے بہت اچھی طرح واقف تھیں۔

گھر کا انتظام بہت اچھا کرتی تھیں۔ اولاد سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اولاد کی تعلیم و تربیت کا بھی پورا پورا دھیان رکھتی تھیں۔
آنحضرت کی تعظیم و تکریم اور آپ کے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں کوئی قول و فعل آپ کی مرضی و منشا کے برخلاف کرنے کا خیال تک بھی دل میں نہیں لاتی تھیں۔

فضائل و کمالات

حضرت خدیجہؓ کے فضائل و کمالات کے بارے میں یہ بات ہی جاننا کافی ہے کہ آپ نے ہر موقع پر اور ہر وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور گراں قدر امداد و اعانت کی۔ ابن ہشام اور ابن اسحٰق جیسے معتبر سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ:۔

وَكَانَتْ لَهُ وَزِيْرًا صِدْقٍ عَلَى الْإِسْلَامِ | ترجمہ:۔ "اور وہ اسلام کی سچی وزیر تھیں یہ سچی مسلمہ،"

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ چار عورتوں کو دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے مریمؑ بنت عمران، آسیہؑ زوجہ فرعون، خدیجہؓ بنت خویلد، اور فاطمہؓ بنت محمدؐ۔
حضرت خدیجہؓ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ حضرت جبریلؑ نے آپ کو خدا کی طرف سے سلام پہنچایا۔ چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:۔
"آنحضرتؐ کے پاس حضرت جبریلؑ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ خدیجہؓ پر سلام بھیجتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے خدیجہؓ کو وہ سلام پہنچایا۔ تو انہوں نے جواب میں کہا۔

ان اللہ ھو السلام و علی جبریل السلام و علیک السلام یا رسول اللہ ۔	بیشک اللہ تعالے سلام ہے اور جبریل پر سلام اور یا رسول اللہ آپ پر بھی سلام ۔

حضرت خدیجہؓ کا جواب ان کے فہم و فراست پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس ذہن رسا کا ثبوت ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے سلام کا جواب نہایت موزوں اور مناسب الفاظ میں دیا۔ حضرت جبریلؑ امین نے اللہ کے حکم سے آپ کو جنت کی بھی بشارت دی تھی ۱

مناکحت :۔

حضرت خدیجہؓ نے یکے بعد دیگرے تین چار نکاح کئے اور ہر ایک صلب سے آپ کے ہاں اولاد ہوئی۔ آنحضرتؐ کے صلب اطہر سے ان کے ہاں دو صاحبزادے قاسمؓ اور عبداللہؓ پیدا ہوئے جن کے القاب طاہر اور طیب تھے۔ اور چار صاحبزادیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ ہوئیں۔

آنحضرتؐ کی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئی صرف ایک صاحبزادے ابراہیمؓ کے سوا جو ماریہ قبطیہ لونڈی سے پیدا ہوئے۔ باقی سب کی سب اولاد نزول وحی سے قبل ہوئی۔ دونوں صاحبزادے شیر خوارگی ہی کے زمانے میں فوت ہو گئے تھے۔ قاسم ابھی پیروں سے چلنے لگے تھے جب انتقال کیا اور عبداللہ اس سے بھی کم سن تھے۔

علمائے سیر میں اکثر و بیشتر اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرتؐ کی اولاد میں سب سے بڑے قاسم تھے۔ اُن سے چھوٹی زینبؓ، پھر رقیہؓ، پھر ام کلثومؓ اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمہؓ تھیں۔ ۱

وفات :-

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں چوبیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ رہیں - نبوت کے آٹھویں سال اور ہجرت
سے تین برس پہلے رمضان المبارک کے مہینہ میں آپ نے وفات پائی - اس وقت
سیدہ کی عمر ۶۵ سال کی تھی - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون -

حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب ایک ہی سال میں فوت ہوئے - اکثر سیرت نگاروں
کا اتفاق ہے کہ ان دونوں کی وفات کے درمیان صرف تین روز کا فرق تھا - ابوطالب
کا انتقال حضرت خدیجہؓ سے تین دن پہلے ہوا - اور حضرت خدیجہؓ ان کے
تین روز بعد اس دارِ فانی سے عالم باقی کی طرف کوچ کر گئیں -

یہ دونوں حادثے کچھ ایسے پے درپے وقوع پذیر ہوئے - کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو ان کی وجہ سے سخت رنج و ملال ہوا - کیونکہ یہ دونوں آپ کے سچے
ہمدرد اور خیر خواہ تھے - یہی وجہ تھی - کہ ان کی وفات کا آپؐ کو بہت صدمہ ہوا -
حتیٰ کہ جب تک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی خدمت کا شرف حاصل نہ ہو گیا - اس وقت تک آنحضرتؐ کے رنج و ملال
میں کوئی کمی نہ آئی -

حضرت خدیجہؓ کی شان مراتب اس سے واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق بے شمار ارشادات فرمائے ہیں جن
میں سے ہر ایک ارشاد اپنی جگہ پر آپ کی عظمت شان کا بین ثبوت ہے - اس
سلسلہ میں علامہ ابن البر کے حوالہ سے صاحب اصابہ لکھتے ہیں کہ :-

"ایک مرتبہ حضرت رسول اللہ صلعم حضرت فاطمہؓ کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور فرمایا، بیٹی کیا حال ہے؟ کہا، میں بیمار ہوں اور مزید برآں مصیبت یہ ہے کہ میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ آنحضرت نے فرمایا، بیٹی! کیا یہ تمہیں پسند نہیں ہے کہ تم دنیا کی عورتوں کی سردار ہو۔ حضرت فاطمہ بولیں، ابّا جان! پھر مریم بنت عمران کیا ہیں؟ حضور نے فرمایا! تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو، مریم امت ماضیہ کی عورتوں سے بہتر تھیں اور خدیجہؓ امت موجودہ کی تمام عورتوں سے افضل و بہتر ہیں۔"
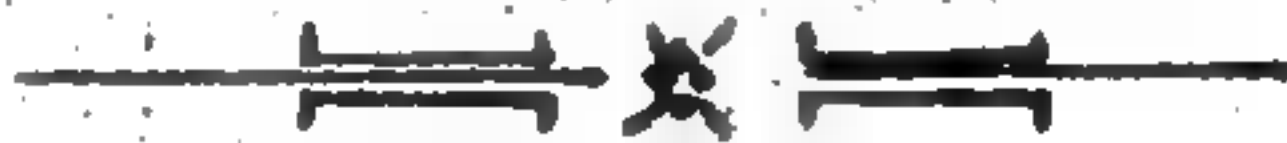
(۲)

ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- "ایک دن سب ازواج مطہراتؓ جمع ہوئیں اور آنحضرت صلعم سے کہا۔ یا رسول اللہ! ہم میں سے کون سب سے پہلے آپ سے ملے گا؟ فرمایا، جو تم میں سب سے بڑے ہاتھ والا ہوگا۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد سب بیویاں ایک دوسرے کے ہاتھ ناپا کرتی تھیں۔ اور سودہؓ کا ہاتھ سب سے بڑا نکلتا تھا (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۷)

۲- حجۃ الوداع میں آنحضرت صلعم نے ازواج مطہراتؓ سے فرمایا کہ اب اس حج کے بعد گھر سے نہ نکلنا۔ حضرت ابوہریرۃؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد اور بیویاں حج کرتی تھیں۔ مگر سودہؓ بنت زمعہ اور زینبؓ بنت جحش نے اس حکم کی سختی سے تعمیل کی اور گھر سے باہر نہ نکلیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۳۷)

نام و نسب:-

آپ کا اسم گرامی سودہ تھا۔ اور کنیت الاسود تھی۔ آپ عرب کے معزز رئیس زمعہ بن قیس کی بیٹی تھیں۔ جو قریش کے ایک نامور قبیلہ عامر بن لوئی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور آپ کی ماں کا نام شموس بنت قیس بن زید بن عمرو عامریہ تھا۔

عبد شمس
- عمرو
  - فاطمہ
- قیس
  - عمرو
    - سکران
  - زمعہ
    - عبداللہ
    - سودہ
      - عبدالرحمن
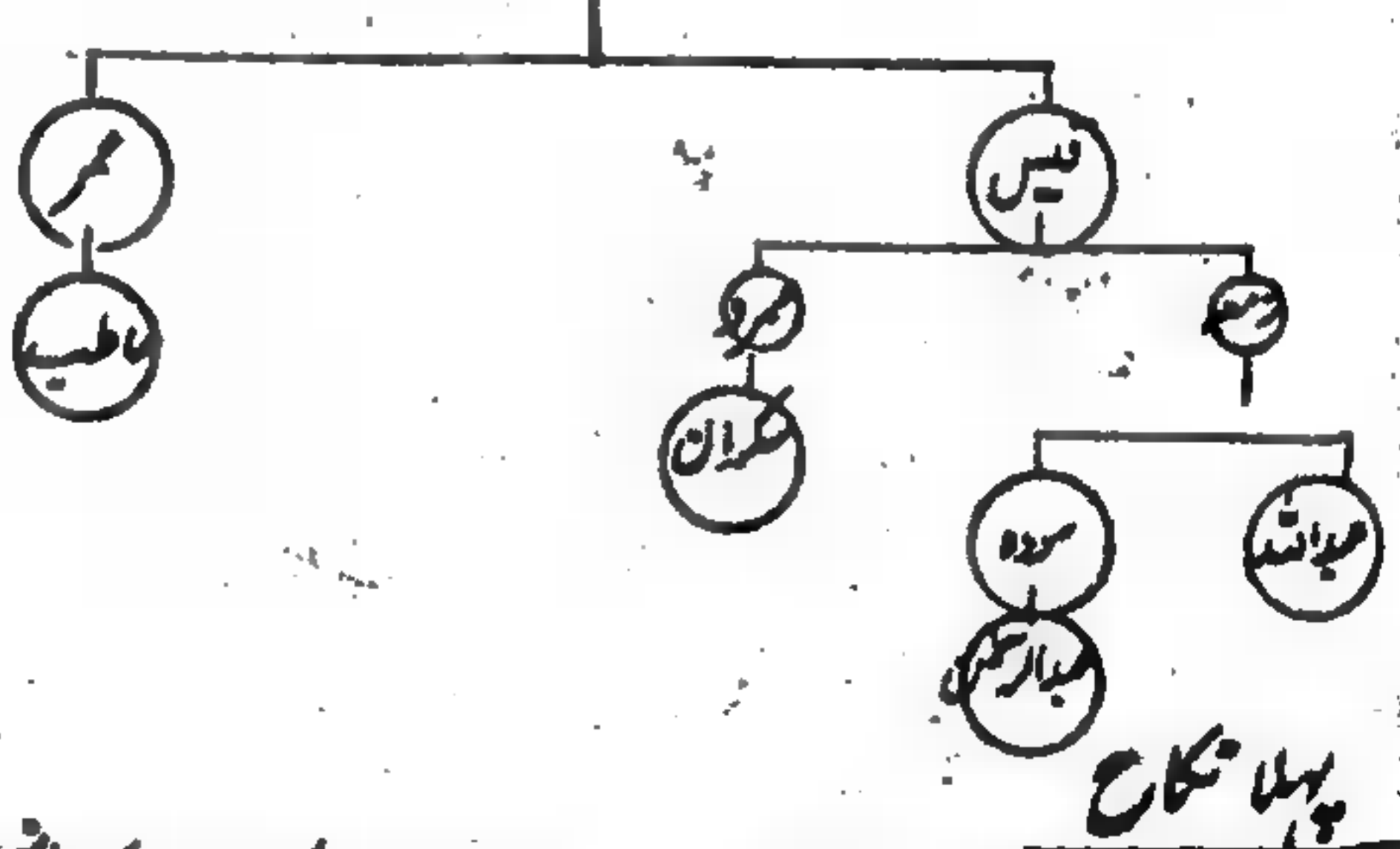
پہلا نکاح

آپ کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی حضرت سکران بن عمرو سے ہوا تھا۔ حضرت سکران اور حضرت سودہ کے قبول اسلام اور ہجرت کا زمانہ ایک

ہی تھا۔ مگر بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے۔ کہ حضرت سودہؓ پہلے ایمان لائیں۔ اور آپ کی تبلیغ و ترغیب سے سکرانؓ مسلمان ہوئے۔

ان دونوں کے مشرف بہ اسلام ہونے کی وجہ سے ان کے قبیلہ کے افراد اور رشتہ دار ان کے دشمن بن گئے۔ اور ان پر وہ زہرہ گداز مظالم ڈھانا شروع کر دیئے۔ جن کے تصور سے بھی کلیجہ کانپ اٹھتا ہے اور خصوصاً حضرت سودہؓ کے ساتھ تو اس قدر سفاکی اور بے رحمی کا سلوک کیا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن آپ نے بڑی ثبات و استقامت سے تمام مظالم و شدائد برداشت اور انتہائی عزم و استقلال سے اس جبر و تشدد کا مقابلہ کیا۔ لیکن اللہ کی راہ سے ایک بال برابر ہٹنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔ آپ کی اس ثابت قدمی نے دشمنوں کے جذبۂ انتقام کے لئے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اور وہ زیادہ اذیتوں اور جبر و استبداد پر اتر آئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت سودہؓ اپنے نیک دل شوہر حضرت سکرانؓ کی معیت میں مہاجرین کی ایک جماعت کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ جہاں وہ کئی سال تک قیام فرما رہے۔ اور جب آپ کو معلوم ہوا کہ حالات کسی قدر اعتدال پر آنے لگے ہیں تو حضرت سودہؓ اور حضرت سکرانؓ حبشہ سے مکہ واپس آ گئے۔ اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد حضرت سکرانؓ نے مکہ ہی میں وفات پائی۔

اس کے بعد جب حضرت سودہؓ کے عدت کے دن پورے ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس واقعہ کی تفصیل کتب سیر میں اس طرح لکھی ہے کہ

"حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خولہؓ آنحضرت صلعم کی خدمت میں

آئیں۔ ان دنوں آپ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کی وجہ سے بہت مغموم رہتے تھے، تنہائی کا رنج بہت ستاتا تھا۔ خولہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں خدیجہؓ کی وفات سے آپ کو بہت ملول دیکھتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں! ہے تو کچھ ایسا ہی۔ خولہؓ نے کہا، پھر کیا آپ کا نکاح کیوں نہ کرا دوں؟ آنحضرت صلعم نے اسے منظور فرمایا تو خولہؓ نے سودہؓ کو خوشخبری سنائی۔ سودہؓ نے قبول کیا۔ مگر کہا میرے والد سے بھی دریافت کر لو۔ غرضیکہ سب مراحل طے ہو جانے کے بعد سنہ نبوی میں ان کے باپ زمعہ نے آنحضرت صلعم سے چار سو درہم مہر پر نکاح پڑھا دیا۔"[1]

حضرت سودہؓ کے والد زمعہ چونکہ بہت بڈھے اور ضعیف ہو چکے تھے۔ اس لئے حضرت سودہؓ کی طرف سے حاطب بن عمرو بن عبد شمس نے وکالت کا فرض ادا کیا اور نکاح ہو گیا۔ حضرت سودہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت خدیجہ طاہرہؓ کے بعد سب سے پہلے آپ ہی آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں۔

خواب کی بشارت

جس زمانے میں حضرت سودہؓ اپنے پہلے خاوند حضرت سکرانؓ کے کے پاس تھیں۔ تو آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپؐ نے اپنے پاؤں سودہؓ کی گردن پر رکھ دیئے۔ سودہؓ بیدار ہوئیں تو یہ خواب اپنے شوہر کو سنایا۔ انہوں نے کہا، بخدا! یہ خواب سچا ہے۔ اگر تم نے

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۳۶ روایت محمد بن عمرؓ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۲۶۰

واقعی یہ خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میرا انتقال ہو گا۔ اور اس کے بعد تم آنحضرتؐ کے حبالۂ نکاح میں آؤ گی[1]

اس کے بعد حضرت سودہؓ نے پھر ایک مرتبہ خواب میں دیکھا۔ کہ آپ تکیہ کے سہارے لیٹی ہوئی ہیں۔ اور چاند پھٹ کر آپ کی گود میں آگرا ہے۔ آپ نے اس خواب کا بھی سکرانؓ سے ذکر کیا تو سکرانؓ نے اس خواب کی بھی یہی تعبیر کی کہ میں عنقریب فوت ہو جاؤں گا۔ اور میرے بعد تم آنحضرت صلعم سے نکاح کا شرف حاصل کرو گی۔ چنانچہ سکران اسی روز بیمار ہو گئے۔ اور چند روز کے بعد فوت ہو گئے۔

حضرت سودہؓ کے نکاح کے چند ہی روز بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کو آنحضرت کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔ اور دونوں کے نکاح میں تھوڑے ہی دنوں کا فرق ہے۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں عمل میں آئی۔ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ان دونوں بیویوں کے مابین کسی قسم کی کشیدگی کبھی رونما نہ ہوئی۔ بلکہ دونوں میں اتحاد و موافقت کا مضبوط رشتہ قائم رہا۔ اور آنحضرتؐ کے فیض صحبت نے ان میں سوکنوں کا جلاپا پیدا ہی نہ ہونے دیا۔ حتیٰ کہ حضرت سودہؓ اکثر امور خانگی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کو مشورہ دیا کرتی تھیں[3]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۳۸ بحوالہ ہشام بن محمد [2] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۶۹
[3] طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۳۹۔

اوصاف وخصائص

حضرت سودہؓ کا قد کسی قدر لمبا تھا۔ اور آپ اپنے قد کی درازی کے باعث پہچانی جاتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کسی کام کے لئے گھونگٹ نکال کر باہر تشریف لے گئیں۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اور وہ اس سے قبل ازواج مطہرات کے باہر نکلنے پر اعتراض کر کے پردے کی تحریک کر چکے تھے۔ اس لئے اُن کی طرف متوجہ ہو کر حضرت عمرؓ نے کہا! سودہ! میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔

حضرت سودہؓ کو ان کی یہ بات اس قدر ناگوار معلوم ہوئی کہ آپ نے آنحضرتؐ سے اس کی شکایت کی۔[1] آنحضرت بھی حجاب کے احکام کی پابندی کے خواہشمند تھے۔ چنانچہ چند روز کے بعد پردے کا حکم نازل ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازواج مطہرات کو باہر نکلنے سے منع فرما دیا۔ حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش نے اس حکم پر ایسی سختی سے عمل کیا کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد دوسری بیویاں تو حج کرتی رہیں۔ لیکن یہ دونوں آخری دم تک گھر سے باہر نہ نکلیں۔

حضرت سودہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ:۔

میں نے نزول حجاب سے پہلے حج اور عمرہ ادا کر لئے ہیں۔ اب خدا کے حکم کے مطابق گھر سے باہر نہ نکلوں گی۔[2]

سیرت واخلاق

آنحضرتؐ کے فیض صحبت سے حضرت سودہؓ بے حد فیاض ہو چکی ہو چکی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں آپ

---

[1] صحیح بخاری [2] طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۳۸

آپ کو درہموں کی ایک تھیلی بھیجی تو آپ نے وہ تمام کے تمام درہم اسی وقت خیرات کر دیئے۔ اور تھیلی خالی کر کے واپس بھیج دی۔

حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے سودہؓ کی فیاضی اور سخاوت دیکھ کر رشک آتا ہے۔ اور فرمایا کہ میں نے سودہؓ میں ذرہ برابر بھی حسد اور کینہ نہیں دیکھا۔

آپ کے مزاج میں ظرافت اور مذاقِ پاکیزہ قدرت کی طرف سے ودیعت تھا اور آپ آنحضرتؐ اور دیگر تمام ازواج مطہرات کو بہت ہنسایا کرتی تھیں۔

اکثر و بیشتر روایات میں مذکور ہے کہ ایک دن سب ازواج مطہرات جمع ہوئیں اور آنحضرتؐ سے عرض کیا،

"خدا کے رسولؐ اور ہمارے سرتاج! ہم میں سے کون سب سے پہلے آپ سے ملے گا؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

"جو تم میں سب سے زیادہ لمبے ہاتھ والی ہو گی"

چنانچہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد سب بیویاں ایک دوسری کے ہاتھ ناپا کرتی تھیں۔ اور سودہؓ کا ہاتھ سب سے بڑا نکلتا تھا۔ لیکن جب ازواج مطہرات میں سب سے پہلے زینب بنت جحش فوت ہوئیں تو آنحضرتؐ کے فرمان کا صحیح مطلب اُن کی سمجھ میں آیا کہ اس سے مراد صدقہ تھا جو حضرت زینبؓ کو بہت محبوب تھا۔

حضرت سودہؓ کا مزاج تیز تھا بعض اوقات آپ ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتی تھیں۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ کی طبیعت صاف ہو جاتی تھی۔ اور ناراضگی

لہ طبقات ابن سعد جلد ۸۔

کا ذرا سا اثر بھی باقی نہ رہتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت سودہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا :-

"کل رات میں نے آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ اتنی دیر تک رکوع میں رہے کہ مجھے اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں میری نکسیر نہ پھوٹ جائے اور خون بہنے لگے اس لئے اپنی ناک پکڑے رہی"!

آپ نے یہ سنکر تبسم فرمایا۔

سنہ ۱۰ھ کے حج میں حضرت سودہؓ بھی آنحضرت صلعم کے ساتھ تھیں۔ چونکہ آپ بدن کی فربہ تھیں اور تیز چلنے سے معذور تھیں اس لئے آنحضرتؐ نے لوگوں کے مزدلفہ سے روانہ ہونے سے پہلے آپ کو چلے جانے کی اجازت دے دی تاکہ آپ کو ہجوم سے تکلیف نہ پہنچے۔

وفات :-

حضرت سودہؓ کی وفات حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے آخر میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! آپ کی رحلت کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر کا یہ قول ہے کہ حضرت عمرؓ کا عہد خلافت قریب الختم تھا۔ جب حضرت سودہؓ کا انتقال ہوا اور اسی قول پر حضرت امام بخاریؒ اور دیگر ثقہ محدثین کا اتفاق ہے۔[1]

اولاد :-

حضرت سودہؓ کی اولاد کے بارے میں اکثر و بیشتر سیرت نگار خاموش

---

[1] استیعاب ص ۷۵۷۔

ہیں۔ اور کتب سیر میں آپ کی اولاد کا کوئی حال نہیں ملتا۔ البتہ زرقانی جلد سوم صفحہ ۲۶۱ میں مذکور ہے کہ آپ کے ہاں صرف پہلے شوہر سے ایک لڑکا عبدالرحمن پیدا ہوا تھا۔ جو جلولا (فارس) کی جنگ میں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔
اس کے علاوہ حضرت سودہؓ کے ہاں رسول اللہ صلعم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت سودہؓ کی پاکیزہ زندگی صفت و عظمت، صبر و توکل، شرم و حیا، سخاوت و فیاضی اور عشق رسول اللہؐ کا ایک ایسا سبق ہے، جو نیک دل اور فلاح پسند خواتین کی ابدالاباد تک رہنمائی کرتا رہے گا۔ آپ نے اعلان نبوت کی ابتداء میں جب کہ اپنے اور پرائے سب اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر کمربستہ تھے کسی قسم کے خوف و ہراس کو دل میں جگہ دیئے بغیر توحید کی دعوت قبول کی اور اس کی پاداش میں لرزہ خیز مصائب برداشت کئے۔ مگر حق و صداقت کی راہ کو چھوڑنے کا خیال بھی قریب نہ آنے دیا۔ یہ استقامت، یہ توکل، یہ حب ایمان اور جذبۂ ایثار و قربانی ایک حق پرست مسلم خاتون کو وہ عظمت عطا کرتا ہے جس پر فرشتے بھی رشک کھائے بغیر نہ رہ سکیں۔ اور حضرت سودہؓ میں یہی وہ خصوصیات تھیں۔ جن کی بناء پر آپ کو سرور کون و مکان ہادیٔ عالم حضرت محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔

جس طرح حضور کے دادا عبدالمطلب نے اپنی جمعیت بنانے کے لئے مختلف قبائل میں رشتہ مناکحت قائم کیا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ صلعم نے تقویت اسلام کے لئے کئی قبائل کی خواتین سے عقد کئے ان میں سب کی سب سوائے سیدہ عائشہؓ کے بیوہ تھیں۔

(۳)

علم و کمال کا خورشید جہانتاب

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا جبریلؑ میری شکل میں آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور کہا کہ عائشہ سے شادی کر لیجیے۔ نزول وحی کے وقت صرف میں ہی آپؐ کے پاس ہوتی تھی۔

۲- عورت کے اخلاق میں سب سے پہلے جس بات پر نظر پڑتی ہے وہ شوہر کی اطاعت اور اس کی رضا جوئی ہے۔ حضرت عائشہؓ میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی۔ وہ رسول اللہؐ کی خوشنودی حاصل کرنے میں شب و روز ساعی رہتی تھیں۔ اور آپ کی کبیدہ خاطری سے مضطرب ہو جاتی تھیں۔

۳- حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بارگاہ احدیت سے نہ صرف عورتوں پر شرف فضیلت عنایت ہوا تھا۔ بلکہ آپ اپنے فضائل و کمالات کے لحاظ سے سوائے چند مخصوص صحابہ کے تمام صحابیوں اور صحابیات سے افضل و اشرف تھیں۔ علم میں، تفقہ میں، ذکاوت میں جو امتیازی خصوصیت آپ کو میسر تھی۔ کسی کو نہ تھی۔

۴- غزوۂ خندق میں جب مسلمان چاروں طرف سے مشرکین میں گھرے ہوئے تھے، اور شہر کے اندر یہودیوں کے حملے کا خطرہ تھا۔ تو آپ بے خطر قلعہ سے نکل کر نقشہ جنگ ملاحظہ فرماتی تھیں، اور غزوۂ احد میں جب مسلمان اضطراب

نام و نسب

آپ کا نام عائشہؓ، کنیت ام عبداللہ، القاب حمیرا، صدیقہ، طیبہ اور
طاہرہ تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ اور والدہ ام رومان تھیں۔

تیم

سعد

کعب

عمرو

عامر

عثمان

ابی قحافہ

عبداللہؓ

عبداللہؓ — عبدالرحمنؓ — محمد — اسماءؓ — عائشہؓ
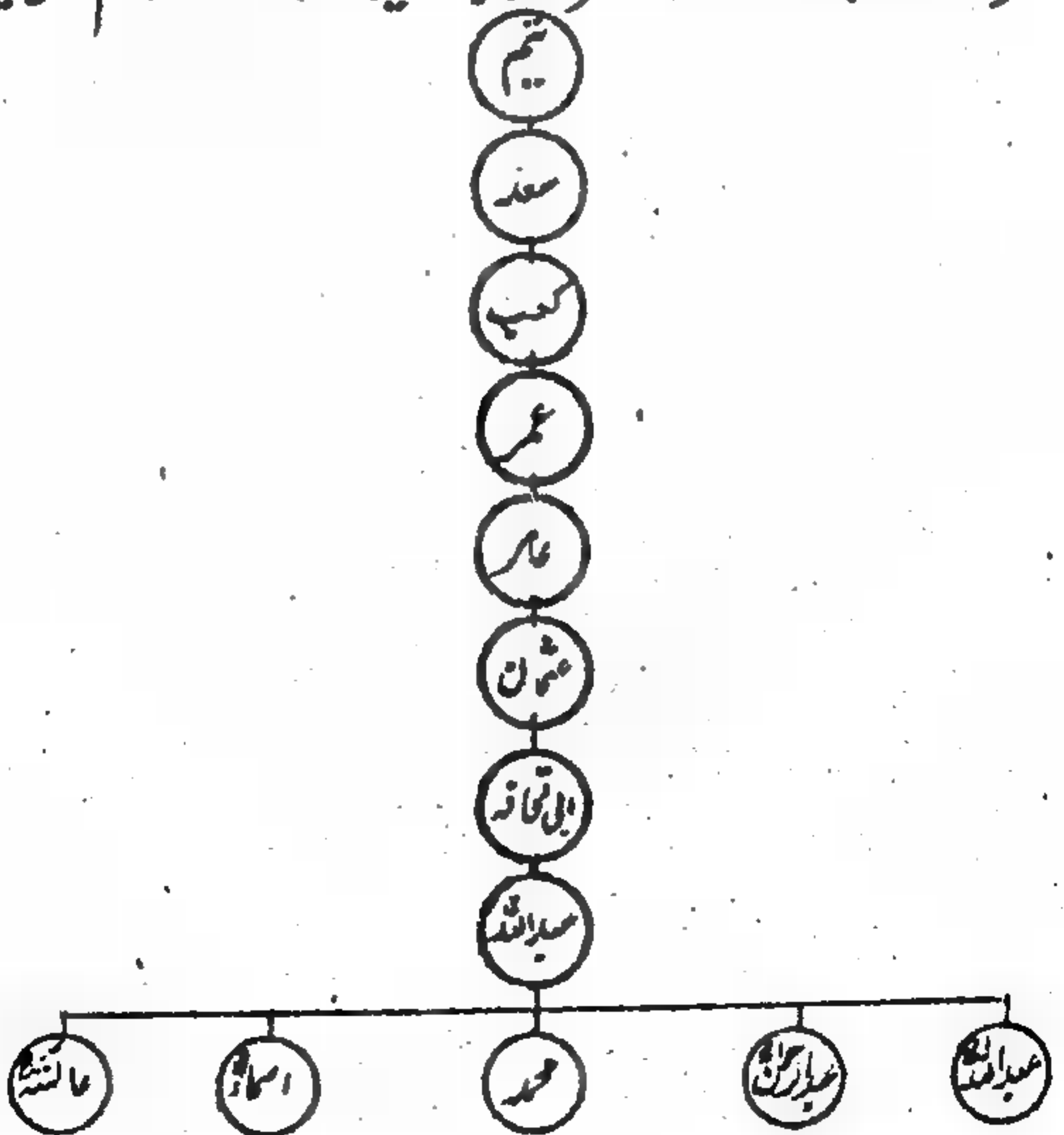
حضرت عائشہؓ باپ کی طرف سے تیمیہ اور ماں کی طرف سے کنانیہ تھیں۔ کیونکہ آپ کی والدہ ام رومان بنت عامر کا سلسلۂ نسب غنم بن مالک کے واسطہ سے کنانہ پر پہنچتا ہے۔ جو بنو کنانہ کے جد اعلیٰ تھے۔

چونکہ حضرت عائشہؓ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے آپ کی کنیت بھی کوئی نہ ہو سکی۔ لیکن سرزمین عرب میں کنیت چونکہ شرافت کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے آپ کو کنیت نہ ہونے کا بہت خیال رہتا تھا۔ اسی خیال کے ماتحت آپ نے ایک دن آنحضرتؐ سے کہا، یا نبی اللہ! اور سب عورتیں تو کنیت سے مشہور ہیں۔ لیکن میری کوئی کنیت نہیں۔ آپ میری بھی کنیت تجویز فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا! تم اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لو۔ عبداللہ حضرت عائشہؓ کے بھانجے یعنی اسماءؓ کے بیٹے تھے۔

ولادت:۔

آپ کی ولادت ہجرت سے نو سال قبل مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ اور ازواج مطہرات میں یہ شرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کی پیدائش اسلامی خون اور پرورش اسلامی شیر سے ہوئی۔ نیز آپ کا پہلا نکاح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ ہوا۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق چونکہ آپ کو ہوش سنبھالتے ہی سید الانبیاءؐ کی محبوب زوجہ بننے کا شرف حاصل ہونے والا تھا۔ اس لئے فہم و فراست اور زیرکی و دانائی ابتدا میں انتہا تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور بچپن ہی میں آپ سے ایسے بہت سے واقعات کا ظہور ہوا جن سے آپ کی غیر معمولی ذہانت عقلمندی اور معاملہ فہمی و نکتہ شناسی کا ثبوت ملتا ہے۔

معجزہ شق القمر اور ہجرت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر صرف پانچ چھ سال کی تھی۔ لیکن جس تسلسل اور صحت کے ساتھ آپ ان واقعات کو بیان فرماتی تھیں، بڑے بڑے ذی فہم اور معمر صحابی بھی اس طرح بیان نہیں کر سکتے تھے۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے والد یعنی اپنے یار غار حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاں تشریف لے گئے تو حضرت عائشہؓ گھر میں گڑیوں سے کھیل رہی تھیں۔ اور ان گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا۔ جس کے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ عائشہؓ یہ کیا ہے؟ عرض کیا، حضور گھوڑا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، گھوڑے کے پر تو نہیں ہوتے۔ انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ حضورؐ! حضرت سلیمانؑ علیہ السلام کے گھوڑے کے تو پر تھے۔ آپؐ اس بیساختہ طرز جواب پر مسکرا دیئے اور فرمایا، ہاں!

اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات کتب سیر میں مذکور ہیں۔ اور بہت مشہور ہیں۔ اس لئے یہاں ان کی تفصیل پیش کرنا تحصیل حاصل ہے۔ تاہم یہ جاننے کے لئے کہ ممتاز ہستیوں کا عالم طفولیت بھی خاص اور امتیازی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کا مندرجہ بالا واقعہ بھی بہت کافی ہے۔

نکاح :-

حضرت سودہؓ کے حالات میں یہ ذکر آچکا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب آنحضرت زیادہ مغموم رہتے تھے۔ تو حضرت عثمان بن مظعون کی زوجہ خولہ نے آپؐ سے نکاح کر لینے کے لئے عرض کیا۔ آنحضرتؐ نے خولہ سے پوچھا کس سے نکاح کروں؟ اس نے عرض کیا کہ بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی عورتیں

موجود ہیں۔ سودہؓ بیوہ ہیں اور عائشہؓ کنواری ہیں۔ آپؐ جس کے متعلق ارشاد فرمائیں سلسلہ جنبانی کی جائے۔ آنحضرت خاموش رہے۔ خولہ نے حضور اقدسؐ کی خاموشی کو رضامندی کی دلیل سمجھ کر گفت و شنید کرنے کی تیاری کی۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاں جا کر اُن سے ذکر کیا۔ اس زمانے میں منہ بولے بھائی کو حقیقی بھائی ہی کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کی حیثیت سگے بھائی جیسی ہوتی تھی۔ اس لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے جب خولہ سے حضرت عائشہؓ کا آنحضرتؐ سے نکاح کرنے کی بات سنی تو حیرت سے پوچھا کہ کیا بھائی کی بیٹی سے نکاح ہو سکے گا؟ یہ سوال ایسا نہ تھا۔ کہ خولہ بجائے خود اس کا جواب دے سکتی اس لئے وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور اس سوال کے متعلق پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا، ابوبکرؓ میرے دینی بھائی ہیں۔ اور ایسے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے۔[1]

اس سے پہلے حضرت عائشہؓ کی نسبت جبیر ابن مطعم کے لڑکے سے قرار پائی تھی۔ لیکن جبیر کا خاندان چونکہ ابھی اسلام سے بے بہرہ تھا۔ اس لئے اس کی بیوی نے حضرت عائشہؓ کا رشتہ لینے سے یہ کہکر انکار کر دیا۔

ہمارے گھر میں آنے سے ہمارا لڑکا لامذہب ہو جائے گا۔[2]

حضرت ابوبکرؓ بھی یہ پسند نہیں کرتے تھے۔ کہ اُن کی لڑکی ایک غیر مسلم خاندان میں بیاہی جائے۔ چنانچہ جبیر سے جواب سنکر انھوں نے حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرتؐ سے کر دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ اور خولہ ہی کے ذریعہ سے تمام ابتدائی مراحل طے ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ ۶ سال کی عمر میں ہجرت سے تین سال پہلے ۱۰ نبوی میں شوال کے مہینے آنحضرتؐ کے حبالہ نکاح میں

---

[1] صحیح بخاری باب تزویج الصغار من الکبار ص ۷۶۰ [2] مسند احمد جزو ۶ ص ۲۱۱ [3] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۹

آگئیں[1] - اور پانچ سو درہم حق مہر مقرر ہوا[2] - اور حضرت ابوبکرؓ نے خود ہی نکاح پڑھا - عام طور پر ازواج مطہرات کا حق مہر یہی مقرر تھا[3] -

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس وقت اگرچہ حضرت عائشہؓ بہت کم سن تھیں - لیکن آپ کا قد و قامت، سمجھ بوجھ اور عقل و فہم عمر کے لحاظ سے خاص طور پر بہت زیادہ تھے - اور آپ کو اور آپ کی گفتار و کردار کو دیکھنے والا کوئی شخص آپ کو اس قدر کم سن نہیں سمجھ سکتا تھا -

حضرت عائشہؓ کا نکاح جس سادگی سے ہوا اس کا اندازہ لگانے کے لئے خود اُن کی اس روایت کا تذکرہ کافی ہے - جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ :-

جب رسول اللہؐ نے مجھ سے عقد کیا میں لڑکیوں کے ساتھ باہر کھیلا کرتی تھی - نکاح کے بعد جب میری والدہ نے مجھے گھر سے باہر نکلنے سے منع کر دیا تو میں نے سمجھ لیا کہ میرا نکاح ہو گیا ہے[4] -

اس نکاح کا اہتمام اصل میں حظیرۃ القدس میں ہو چکا تھا - اور اس کی بشارت آنحضرتؐ کو پہلے مل چکی تھی - اس لئے آپ اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے قرار دیا کرتے تھے - ایک روایت میں آتا ہے - کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مجھے ایک چیز ریشم میں لپٹی ہوئی دکھاتا ہے - اور کہتا ہے یہ تیری ہے - جب میں نے کھول کر دیکھا تو عائشہؓ تھیں[5] -

ہجرت :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۱ [2] صحیح مسلم کتاب النکاح [3] مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۵ و طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۶۱ [4] [5] طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۴۲

مکہ سے ہجرت فرما گئے۔ تو مدینہ میں پہنچنے اور تمام ضروری امور سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضورؐ نے مکہ سے اپنے اہل بیت کو لانے کے لئے اپنے غلام ابورافع کو بھیجا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنے غلام عبداللہ بن اریقط کو اس کے ساتھ کر دیا چنانچہ ابورافع حضرت فاطمہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت سودہؓ، ام ایمنؓ اور اور اسامہؓ بن زید کو اور حضرت ابوبکرؓ کا غلام ان کے صاحبزادے عبداللہؓ ان کی زوجہ ام رومان اور ان کی صاحبزادیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ کو لے کر مدینہ میں پہنچ گئے۔ اس وقت آنحضرتؐ مسجد نبوی اور اس کے اردگرد کے مکانات تعمیر کرا رہے تھے۔

حضرت عائشہؓ کی علالت :۔

ان مکانوں میں سے ایک مکان حضرت سودہؓ اور آپ کی اولاد کے قیام کے لئے دے دیا گیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بنو حارث کے محلہ میں ایک عزیز کے ہاں اپنے اہل و عیال کو ٹھہرایا۔ ابتداء میں چونکہ مدینہ کی آب و ہوا مہاجرین کو موافق نہ آئی۔ اس لئے ان میں سے اکثر بیمار ہو گئے حضرت عائشہؓ کو بھی شدت سے بخار آنے لگا۔ اور اس کا یہاں تک اثر ہوا کہ آپؓ کے سر کے تمام بال گر گئے۔ حضرت عائشہؓ چونکہ پہلے ہی نحیف الجثہ تھیں اب اور بھی کمزور و ناتواں ہو گئیں۔

رخصتی :۔

اس علالت سے صحت یاب ہونے کے بعد جب حضرت عائشہ کی کمزوری بھی رفع ہو گئی۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت سے عرض کیا کہ اب آپؐ

عائشہؓ کو رخصت کیوں نہیں کرا لیتے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مہر نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پاس سے مہر کے پانچ سو درہم بطور قرض آپ کی خدمت میں پیش کئے اور وہی آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیئے[1]۔ چنانچہ سلہ ماہ شوال میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی عمل میں آئی۔ اور آپ دس سال کی عمر میں کاشانۂ نبوی میں تشریف لے آئیں۔

ایک واہمہ کی تردید:۔

کسی زمانے میں شوال ہی کے مہینے میں عرب کے اندر طاعون کی وبا پھوٹی تھی۔ اور کتنے لوگ اس موذی مرض کا شکار ہوئے کہ گھر گھر میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ اور محلوں کے محلے خالی ہو گئے تھے۔ اس وقت سے عرب کے لوگ بالعموم اور اہل مکہ بالخصوص اس مہینہ کو منحوس خیال کرنے لگے تھے۔ اور اس میں نکاح وغیرہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ اتفاق دیکھئے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح بھی ماہ شوال میں ہوا، اور رخصتی بھی اسی مہینے میں ہوئی[2]۔ گویا اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ جس پاک باز خاتون کے لئے کاشانۂ نبوت کو معمور کرنے کے بعد دین حق کی عظیم الشان خدمات انجام دینا مقدر تھا۔ اور جس نیک طینت خاتون نے اشاعت دین کے لئے بہت سے کارہائے نمایاں کرنے تھے اسی کی بدولت اس واہمہ کا بھی قلع قمع کیا جائے۔ جو تمام اہل عرب میں پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ:۔

"میرا نکاح اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۴۲ [2] طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۴۲

شوہر کے نزدیک مجھ سے زیادہ محبوب اور خوش نصیب کوئی نہیں "

عام حالات:۔

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ جب کتم عدم سے منصۂ شہود پر تشریف لائیں۔ یعنی جب آپ نے اس دنیا میں آنکھیں کھولیں اور اس جہان ناپائدار میں قدم رکھا۔ اس وقت تک آپ کے والدین دولت اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔ گھر میں مکمل اور کامل اسلامی ماحول قائم ہو چکا تھا۔ اور کفر و شرک یا جاہلیت کی کسی بات کا بھی نام و نشان تک دکھائی نہ دیتا تھا۔

بچپن کا معصوم زمانہ اپنے عالی قدر اور نیک اطوار والدین کے سایہ میں گزارنے کے بعد حضرت عائشہؓ نے جب ہوش سنبھالا تو کاشانۂ نبوت میں آگئیں۔ اور تعلیم و تربیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ جس بچے کے اوضاع و اطوار، اخلاق و کردار، اور عادات و خصائل سر چشمۂ نبوت کے فیضان مقدس سے صورت پذیر ہوئے ہوں۔ ان کی آراستگی، پاکیزگی اور رفعتِ شان کا ٹھکانہ کیا ہو سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مکارم اخلاق اور پاکیزگی گفتار و کردار میں نہایت بلند مقام پر فائز ہونے کے بعد حبیب النبی کا خطاب حاصل کیا۔ آنحضرت کو آپؓ سے بہت محبت تھی۔ اور یہ محبت آپ کی کم سنی یا حسن و جمال کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ آپ کے فضل و کمال، فہم و فراست، عقل و دانش احسن اخلاق اور نیک اطوار کے باعث تھی۔ حضرت عائشہؓ کی والہانہ محبت کا عالم بھی یہی تھا

کہ عمروں کی تفاوت کے باوجود بھی آپ گویا حضور اقدسؐ کی عاشق تھیں اور آنحضرتؐ کی دلداری و خدمت گزاری میں ہر وقت معروف رہنا آپ کا شیوہ و شعار تھا۔ آپ کی یہ کوشش ہوتی تھی۔ کہ کوئی معمولی سے معمولی درجے کا کام بھی ایسا نہ ہونے پائے جو حضور اقدسؐ کو ناگوار و ناپسند ہو۔ اگر بشریت کے تقاضے کی وجہ سے کبھی ایسا کوئی اتفاق ہو بھی جاتا تو آپ آنحضرتؐ کے بشرے، چہرے کی رنگت اور دوسرے آثار و قرائن سے مزاج اقدس کا اندازہ لگا کر فوراً اس کا تدارک کر دیتیں اور حضورؐ کو اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

مشہور واقعات:۔

حضرت عائشہؓ کی مبارک زندگی کے مندرجہ ذیل واقعات کو خاص اہمیت و عظمت حاصل ہے:۔

واقعہ افک، واقعہ ایلا، واقعہ تحریم، اور واقعہ تخییر۔

واقعۂ افک:۔ افک کے معنی تہمت کے ہیں۔ حضرت عائشہؓ پر تہمت کا واقعہ غزوۂ مریسیع کے سفر میں پیش آیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ غزوۂ مریسیع میں حضرت عائشہؓ بھی آنحضرت صلعم کے ساتھ تھیں چلتے وقت آپ نے اپنی بہن حضرت اسماءؓ سے ایک ہار عاریتاً لے لیا تھا۔ اور وہی پہنے ہوئے تھیں۔ اس وقت آپ کی عمر چودہ سال کی تھی۔ رستہ میں قافلہ نے رات کو ایک جگہ قیام کیا۔ حضرت عائشہؓ قضائے حاجت کے لئے پڑاؤ سے دور نکل گئیں۔ اور جب فارغ ہو کر واپس آگئیں تو گلے پر ہاتھ پڑا۔ دیکھا تو ہار

نہیں تھا۔ اوّل تو کم سنی میں زیور کا شوق بہت ہوتا ہے۔ اور پھر دوسرے کی مانگی ہوئی چیز تھی۔ اس لئے آپ بہت گھبرائیں۔ اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ خیال کیا کہ قافلہ کی روانگی سے پہلے ہار ڈھونڈھ کر پہنچ جائیں گی۔ چنانچہ کسی کو اطلاع دیئے بغیر ہار کو تلاش کرنے میں مصروف ہو گئیں۔ ادھر قافلہ تیار تھا۔ وہ روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کو ہار مل گیا۔ اور جب آپ واپس آئیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ مجبوراً چادر اوڑھ کر وہیں پڑ رہیں۔ صبح کو ایک صحابی صفوان بن معطل جو انتظامی ضروریات کے لئے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے۔ پڑاؤ پر آئے۔ تو حضرت عائشہؓ کو پہچان لیا۔ کیونکہ نزول حجاب سے پہلے آپ کو دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے پاس آکر افسوس کیا۔ اور آپ کو اونٹ پر بٹھا کر منزل کی طرف روانہ ہوئے اور دوپہر کے وقت قافلہ سے مل گئے۔

اس واقعہ کی بنا پر اسلام کے دشمنوں اور منافقوں نے جو دن رات آنحضرتؐ اور حضورؐ کے اصحاب و لواحقین کو بدنام کرنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ پر تہمت طرازیاں شروع کر دیں۔ بہتان باندھے اور ایک بہت بڑا فتنہ کھڑا کر دیا۔ آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ کی عصمت و عفت اور پاک باطنی پر یقین رکھنے کے باوجود خاموش رہے۔ اور خدا تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی طہارت و معصومیت کی تصدیق میں قرآن پاک کی آیات نازل فرمائیں جن میں حسب ذیل آیۂ کریمہ خاص طور سے قابل ذکر ہے:۔

لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون ترجمہ: جب تم نے یہ سنا تو مومن مرد اور
والمؤمنات بانفسھم خیراً و | اور مومن عورتوں کی نسبت نیک گمان
قالوا ھذا افکٌ مبین۔ سورہ نور | کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے۔

یہ آیات نازل ہونے کے بعد فتنہ پرور لوگ خائب و خاسر ہوئے۔ اور حضرت عائشہؓ کا دل ٹھکانے آیا۔

واقعۂ ایلاء:۔

ایلاء[1] کے واقعہ کی صورت یہ تھی کہ ازواج مطہرات کے لئے غلہ اور کھجور کی جو مقدار مقرر تھی۔ وہ ویسے بھی کم تھی۔ اور پھر آنے والے مہمانوں اور غربا پرور یوں کی وجہ سے اور بھی ناکافی ہوتی تھی۔ اس لئے انہوں نے آنحضرتؐ سے اس میں اضافہ کی درخواست کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے تو اپنی صاحبزادیوں یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو اس مطالبے سے منع کر دیا۔ لیکن دوسری ازواج مطہرات اپنی بات پر قائم رہیں۔ اتفاق سے ان دنوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حادثے کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو گئی۔ جس کے باعث آپؐ نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات کے ہاں نہ جانے کا عہد کر لیا۔ اور ایک بالاخانے میں قیام فرما ہو گئے۔

منافقین نے یہ مشہور کر دیا کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ اس بات کو سنکر تمام صحابہ کرامؓ بہت غمگین ہوئے۔ اور آخر کار چند صحابہ نے جرات کر کے حضورؐ سے پوچھا۔ تو آپؐ نے انکار فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تسلی دی اور اس بے بنیاد افواہ کی تردید کی۔ حتیٰ کہ پورے ایک ماہ کے بعد

---

[1] شریعت میں ایلاء سے مراد مرد کا قسم کھانا ہے کہ وہ بیوی کے نزدیک نہ جائے گا۔ اگر چار ماہ کے اندر رجوع کر لے اور کفارہ ادا کر دے تو عورت اس پر حلال ہے۔ نہ چار ماہ کے بعد طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔

حضور اقدسؐ بالاخانے سے اُترے، اور سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔

واقعۂ تحریم:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ عصر کی نماز کے بعد تھوڑے عرصہ کے لئے تمام ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک روز آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس خلاف معمول زیادہ وقت ٹھہر گئے۔ حضرت عائشہؓ اور چند اور ازواج مطہرات کو اس پر رشک آیا۔ اور انہوں نے زیادہ دیر ٹھہرنے کی وجہ معلوم کی تو انہیں پتہ لگا کہ آنحضرتؐ کو چونکہ شہد سے زیادہ محبت ہے۔ اور حضرت زینبؓ نے آپ کی خدمت میں شہد پیش کیا تھا جس کی وجہ سے آپؐ کو ان کے ہاں کچھ زیادہ ٹھہرنا پڑ گیا۔ حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ نے باہم مل کر یہ قرار داد کی۔ کہ آنحضرتؐ جب ان کے پاس تشریف لائیں تو آپ سے عرض کی جائے کہ یا رسول اللہؐ معلوم ہوتا ہے آپ نے مغافیر[1] کھایا ہے آپؐ فرمائیں گے کہ مجھے حفصہؓ نے شہد پلایا ہے۔ تم کہنا کہ شاید یہ شہد عرفط[2] کی مکھی کا ہے۔ یہی بات حضرت صفیہؓ کو بھی سکھا دی۔ آپؐ حضرت سودہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ تو انہوں نے بھی قرار داد کے مطابق وہی کہا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت صفیہؓ نے بھی یہی گفتگو کی۔ اس کے بعد آپؐ ایک دن حضرت حفصہؓ کے پاس آئے۔ تو انہوں نے حسب معمول شہد کے متعلق استمزاج کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی حاجت نہیں اور عہد کر لیا کہ آئندہ شہد نہیں کھائیں گے۔ ازواج

---

[1] مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جسکو شہد کی مکھی چوستی ہے۔ اس میں کسی قدر بدبو ہوتی ہے اور یہ حضورؐ کو سخت ناپسند تھی۔ [2] ایک خاردار صحرائی درخت کا نام ہے۔

مطہرات کی قرارداد کا مطلب بھی یہی تھا کہ آپؐ آئندہ حضرت زینبؓ کے ہاں نہ شہد کھائیں گے اور نہ زیادہ دیر ٹھہریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ سب ازواج نے باری باری قرارداد کے مطابق آنحضرتؐ سے روایات عرض کی اور حضورؐ نے زینبؓ کے ہاں سے شہد استعمال نہ کرنے کا عہد کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کی حسب ذیل آیت نازل ہوئی:۔

یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک (سورہ التحریم)	ترجمہ:۔ اے نبیؐ! تم بیویوں کی خوشنودی کے لئے جو چیز خدا نے حلال کی ہے اس کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو!

اس آیہ کریمہ کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کو منع فرمایا گیا کہ بیویوں کی خوشنودی کے لئے خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے لئے حرام نہ کریں۔

واقعۂ تخییر

تخییر سے مراد ہے اختیار دیا جانا اور اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے:۔

یہ لکھا جا چکا ہے کہ ازواج مطہرات نے نسوانی فطرت سے متاثر ہو کر یا دوسری عورتوں کی دیکھا دیکھی آنحضرتؐ سے دنیوی سامان عیش و آسائش اور تکلفات کی فرمائش کی۔ لیکن پیغمبر خداؐ کے نزدیک دنیوی زیب و زینت کی کیا حقیقت تھی؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے اس مطالبہ کے جواب میں آیت نازل فرمائی اور ان کو اختیار دیا کہ تم میں سے جو دنیوی مال کی خواہشمند ہے اس کو اس کی خواہش کے مطابق مال دیا جائے گا۔ لیکن پھر وہ ہمارے پیغمبرؐ کے پاس نہیں رہ سکتی۔ مگر جو خدا، اس کے رسول اور آخرت کے دل کی طلبگار ہیں۔ وہ یہاں

تو ان کو اسی حال میں صابر و شاکر رہنا پڑے گا۔ لیکن آخرت میں ان کے لئے عظیم الشان اجر و ثواب ہوگا۔ اس آیہ کریمہ کے اُترنے کے بعد ازواج مطہرات میں سے کسی ایک نے بھی آنحضرتؐ کے مقابلے میں دنیوی عیش و آرام کے سامانوں کو پسند نہ کیا۔ حضرت عائشہؓ نے ازواج مطہرات میں سب سے پہلے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی:-

"مجھے خدا اور رسولؐ اور آخرت کے درجات کے مقابلہ میں کسی قسم کے دنیوی مال و منال کی ضرورت نہیں ہے۔"

سرورِ کونین کا انتقال:

حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ حضورؐ تیرہ دن علیل رہے اور اس عرصہ میں آپؐ نے پانچ روز تو دیگر ازواج کے ہاں معمول کے مطابق باری باری گزارے لیکن آخری آٹھ دن حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام فرما رہے۔ آخر ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ سنہ ہجری کو دو شنبہ کے دن حضرت عائشہؓ کے سینے پر سرِ اقدس رکھے ہوئے آپ کی روح مبارک عازم فردوس ہوئی۔ اور جسم اطہر کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔

چونکہ نبوت کے تقدس و احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے حق تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کے لئے دوسری شادی کرنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ اس لئے حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے وصال کے بعد ۴۸ سال بیوگی کے عالم میں گزارے اور اس مدت میں اپنے چاروں خلفاء کے زمانے دیکھے۔

خلافتِ صدیقی:- حضرت ابوبکر صدیقؓ یعنی اپنے والد کے عہد خلافت میں حضرت عائشہؓ

دین کی اس طرح خدمت کرتی رہیں جس طرح اس سے پہلے کرتی تھیں۔ صحابہ کرامؓ مشکل مسائل کو حل کرنے میں آپ ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اور آپ بے تکلف ان کو حل فرما دیا کرتی تھیں۔ دو سال بعد حضرت صدیق اکبرؓ بھی انتقال کر گئے۔ اور حضرت عائشہؓ جو پہلے بیوہ ہو چکی تھیں، اب یتیم بھی رہ گئیں۔ حضرت صدیقؓ آپ ہی کے حجرے میں اپنے محبوب آقا کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

عہد فاروقی :-

حضرت عمر فاروقؓ کے دل میں حضرت عائشہؓ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اور آپ کی بہت تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں تمام ازواجِ مطہراتؓ کے لئے دس دس ہزار درہم سالانہ وظیفے مقرر فرمائے لیکن حضرت عائشہؓ کے لئے بارہ ہزار کا وظیفہ مقرر کیا۔ اس اضافے کی وجہ حضرت فاروق اعظمؓ یہ بیان فرماتے تھے۔ کہ حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کو بہت محبوب تھیں۔

بے مثال ایثار :-

حضرت عائشہؓ کے حجرے میں ایک قبر کی جگہ باقی تھی۔ جسے آپ نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ جب حضرت عمر فاروقؓ کو پارسی غلام فیروز (ابولولو) کے خنجر بیداد نے گھائل کر دیا، اور آپؓ کو جان بچنے کی امید نہ رہی تو آپ نے اپنے لڑکے عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیج کر درخواست کی کہ حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلعم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ کی درخواست سن کر فرمایا، میں نے یہ جگہ اپنے

لئے رکھی ہوئی ہے۔ تاکہ موت کے بعد عالم آخرت کا سفر اپنے محبوب خاوند اور شفیق باپ کے ہمراہ طے کروں۔ اور یہ میری سب سے بڑی آرزو تھی۔ لیکن عمرؓ کی خواہش ٹالی نہیں جا سکتی۔ میں عمرؓ کے لئے بڑی خوشی سے یہ ایثار گوارا کرتی ہوں۔ اور انہیں دفن کرنے کی خوشی سے اجازت دیتی ہوں۔

حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت عائشہؓ کے ادب و احترام کا اس حد تک خیال تھا کہ آپ نے اجازت حاصل ہونے کے بعد یہ وصیت فرمائی۔ کہ میرا جنازہ آستانے تک لے جانا۔ اور اگر اجازت ہو جائے تو اندر دفن کر دینا ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی، اور جنازہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن ہوا۔

حضرت عائشہؓ کے اس بے مثال ایثار کی جو قدر و منزلت ارباب فہم اور اور مذہب پرست طبقہ کی نگاہ میں ہو سکتی ہے۔ اس کا بیان غیر ضروری ہے۔

عہد عثمانی :۔

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں بھی حضرت عائشہؓ حسب سابق دینی خدمات انجام دیتی رہیں۔ اور ان کے زمانے کے فتنہ و فساد کو دبانے میں آپ نے پوری کوشش صرف فرمائی۔ لیکن ناساعد حالات اختیار سے باہر ہو گئے۔ اور آپ کا بس نہ چلا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت آپ مکہ میں حسب فرمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بغرض حج قیام فرما تھیں۔

دور حیدری :۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد جب خلافت کا بار گراں

حضرت علیؓ کے کندھوں پر ڈالا گیا۔ تو دشمنان اسلام نے شہادت عثمانؓ کے متعلق حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؓ سے بدظن کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے درمیان جنگ جمل کے نام سے ایک لڑائی ہوئی جس میں فریقین کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس بات پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جنگ غلط فہمی پر مبنی تھی۔ مگر ویسے دونوں (حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ) کے دلوں میں ایک دوسرے کی پوری پوری قدر و منزلت تھی۔ حضرت عائشہؓ کو اس کے بعد جب بھی اس جنگ کی یاد آتی تو آپ بہت افسوس کرتیں۔ بلکہ اکثر اوقات پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتیں اور کہتیں، کاش! میں آج سے بیس برس پہلے معدوم ہو چکی ہوتی۔ اور یہ واقعہ پیش نہ آتا۔

عادات وخصائل :-

شادی کے بعد عورت کے عادات وخصائل کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے کے لئے سب سے پہلے جس چیز پر نظر پڑتی ہے وہ شوہر کے ساتھ اس کا سلوک اور اس کی اطاعت و رضا جوئی ہی ہے۔ حضرت عائشہؓ میں یہ اوصاف بدرجہ کمال موجود تھے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بعض امور کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ آپ آنحضرتؐ کی خوشنودی کا ہر وقت دل سے خیال رکھتی تھیں۔ اور آپ کی کبیدہ خاطری سے مضطرب ہو جاتی تھیں۔ تمام عورتوں کی طرح خاوند سے شکوے شکایات کرنے کی آپ کو بالکل عادت نہ تھی۔

حضرت عائشہؓ کو پردے کا اس قدر خیال تھا کہ ایک دفعہ ابن اسحاقؓ جو

ایک نابینا صحابی تھے۔ آپ سے ملنے آئے تو آپ نے ان سے پردہ کر لیا۔ ابن محتی نے کہا:-

"آپ مجھ سے کیوں چھپتی ہیں۔ جبکہ میں آپ کو دیکھ نہیں سکتا۔"

آپ نے فرمایا:-

"اگر تم مجھ کو نہیں دیکھتے تو کیا ہوا میں تو تمہیں دیکھتی ہوں۔"

عورتیں عام طور پر اسراف اور دنیوی تکلفات کی دلدادہ ہوتی ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ نوجوان ہونے کے باوجود سادگی کا مجسمہ تھیں۔ لہٰذا دنیوی اور مال و منال کی طرف توجہ بھی نہیں فرماتی تھیں۔

ایک دفعہ آپ روزے سے تھیں۔ اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس حالت میں ایک مسکین عورت آگئی۔ آپ نے کنیز کو حکم دیا۔ کہ وہ روٹی اس عورت کو کھلا دے۔ لونڈی نے عرض کیا۔ افطار کس سے کریں گی؟ فرمایا۔ اللہ مالک ہے۔ افطاری کے وقت کہیں سے روٹی اور بکری کا گوشت ہدیتاً آگیا۔ آپؓ نے لونڈی سے فرمایا، لے یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔

حضرت عائشہؓ فرائض کے علاوہ نوافل بھی بالالتزام ادا فرماتی تھیں۔ اور اکثر رات کو حضور اقدسؐ کے ساتھ ساری ساری رات نوافل میں شریک رہتیں۔ روزے رکھنے کا آپ کو بہت شوق تھا۔

آپ بہت سنجیدہ اور خوش مزاج تھیں اور غیبت و بدگوئی سے آپ کو طبعی طور سے سخت نفرت تھی۔ آپؓ نے کبھی کسی کی برائی نہیں کی۔ کتب احادیث میں آپ کی ہزاروں روایتیں درج ہیں۔ لیکن ان میں ایک بھی

ایسی نہیں جس سے کسی کی توہین یا بدگوئی پائی جائے۔

آپ بے حد رقیق القلب اور نرم دل تھیں۔ اور خدا تعالےٰ سے بہت ڈرتی تھیں۔ قرآن پاک کی تلاوت فرماتیں تو آبدیدہ رہتیں۔ آنحضرتؐ کے آثار اور دیگر اشیاء دیکھ دیکھ کر رویا کرتی تھیں۔

فضائل و مناقب :۔

حضرت عائشہؓ اپنے علم و فضل اور زہد و اطاعت کی وجہ سے چند مخصوص صحابہؓ کے سوا باقی تمام صحابہؓ اور صحابیاتؓ سے افضل و اشرف تھیں۔ حضرت عروہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں :۔

مَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِالْقُرْاٰنِ وَلَا بِفَرِیْضَۃٍ وَلَا بِحَلَالٍ بِفِقْہٍ وَلَا بِشِعْرٍ وَلَا بِطِبٍّ وَلَا بِحَدِیْثِ الْعَرَبِ وَلَا نَسَبٍ مِنْ عَائِشَۃَؓ

ترجمہ :۔ "میں نے کسی کو عائشہؓ سے زیادہ قرآن، فرائض، حلال اور فقہ اور شعر اور طب اور تاریخ عرب اور نسب کا جاننے والا نہ پایا"

امام زہری کا قول ہے کہ :۔

لَوْ جُمِعَ علم الناس کلھم وَعلم ازواج النبی صلعم فکانت عائشۃ اوسعھم علما

ترجمہ :۔ اگر تمام مردوں اور امہات المومنین کا علم جمع کیا جائے۔ تو حضرت عائشہؓ کا علم ان میں سب سے زیادہ ہوگا

حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں :۔

مَا اشکل علینا اصحاب محمد صلعم حدیث قط فاتا عائشہ

ترجمہ :۔ ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جسے ہم نے عائشہؓ

الا وجدنا عنده منه علما — سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے ابو سلمہ جو بڑے جلیل القدر تابعی تھے بیان کرتے ہیں:۔

مَا رَأَيْتُ اَحَدًا اعلم بسنن رسول الله ولا افقه في رأى ان احتيج الى رأيه ولا اعلم بآية فيما نزلت ولا فريضة من عائشة[1]

ترجمہ:۔ میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ سنت نبوی کا عالم، تفقہ فی الدین کا ماہر اور آیات کلام مجید کی شان نزول اور فرائض کا جاننے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔

عطاء بن ابی الرباح کا قول ہے:

كانت عائشة افقه الناس واحسن الناس واعلم الناس رأيا في العامة

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ بہتر لوگوں میں سب سے زیادہ صائب الرائے تھیں[2]

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی آیات حضرت عائشہ رضؓ کی شان میں نازل فرمائیں۔ اسی کے ساتھ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں متعدد مرتبہ گرامی قدر ارشادات فرمائے جیسا کہ:

فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام

ترجمہ:۔ عائشہؓ کو عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر (طبرانی)

علاوہ ازیں حضرت عائشہؓ کو چند خصوصی درجات بھی نصیب ہوئے جن کا

---

[1] ثرید، شوربے میں لی ہوئی روٹی [2] استیعاب صفحہ ۲۹۶

تو خود آپ نے بھی ذکر فرمایا ہے چنانچہ حضرت قاسم بن محمدؒ کی روایت ہے۔ کہ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ دس اوصاف مجھ میں ایسے ہیں جن کی وجہ سے مجھے دیگر ازواج پر ترجیح حاصل ہے۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ میرے سوا آنحضرت صلعم کے نکاح میں کوئی بیوی ناکتخدا نہیں آئی۔

۲۔ آپؐ کی ازواج میں صرف مجھ کو یہ خصوصیت حاصل ہے۔ کہ میرے ماں اور باپ دونوں مہاجر ہیں۔

۳۔ اللہ عزوجل نے آسمان سے میری برأت کی آیت نازل فرمائی۔

۴۔ جبریلؑ میری تصویر لے کر آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور کہا کہ عائشہؓ سے شادی کر لیجئے۔

۵۔ میں آپ کے سامنے ہوتی تھی اور آپؐ نماز میں مصروف ہوتے تھے۔

۶۔ نزول وحی کے وقت صرف میں ہی آپؐ کے پاس ہوتی تھی۔

۷۔ حبیب رسول اللہؐ کی روح مبارک نے عالم قدس کی طرف پرواز کی اس وقت آپؐ کا سر مبارک میرے سینہ پر تھا۔

۸۔ جس شب کو میری باری تھی۔ اسی شب میں رسول اللہؐ نے انتقال فرمایا۔

۹۔ میرا اور آنحضرت صلعم کے غسل کا برتن ایک ہی تھا۔

۱۰۔ میرے ہی حجرہ کو آنحضرتؐ کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا[1]۔

ان فضائل کی عظمت و رفعت ان مدارج عالیہ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کہ آیات تیمم کا نزول آپؓ کی وجہ سے ہوا، دوسرے آپ کے نکاح کی بشارت

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۴۲

آنحضرتؐ کو خواب میں ملی، تیسرے آپؓ پر خدا تعالیٰ نے سلام بھیجا۔
تاریخ و حدیث کی کتابیں گواہ ہیں کہ ان اوصاف میں کوئی بیوی حضرت عائشہؓ کی شریک نہ تھیں۔ اور عروہ ابن زبیرؓ کا قول ہے:۔

"اگر حضرت عائشہؓ میں اور فضائل نہ بھی ہوتے تو بھی صرف قصۂ افک ان کی فضیلت بلندی و عزت کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ اسی کے ذیل میں ان کے لیے قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں جو قیامت تک پڑھی جائیں گی"[1]

شانِ اجتہاد:۔

حضرت عائشہؓ کو تفقہ فی الدین اور صرف درایت کے ساتھ کلام الٰہی کا بھی پورا علم حاصل تھا۔ اور جب کبھی ایسے مباحث پیش آتے تھے۔ تو آپ کی رائے ایسی مجتہدانہ رنگ میں ڈھلی ہوئی ہوتی تھی۔ کہ اس سے آپ کا علو مرتبت پوری طرح ثابت ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ کی زندگی کے بعض واقعات ایسے ہیں جن سے یہ بات پورے طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ کہ آپ نے اسلام کی حقیقی روح کو نہایت تکمیل کے ساتھ سمجھا۔ رسول اللہ صلعم کی تمام تعلیمات اور آپ کے ہر طرزِ عمل سے یہ بات واضح ہوتی تھی کہ اسلام میں حد درجہ سہولت مرکوز ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو فطری مذہب کہا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اس نکتہ کو جس قدر خوبی کے ساتھ سمجھا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

---

[1] اسد الغابہ ص ۵۰۲

عزم واستقلال :-

حضرت عائشہؓ کے عزم واستقلال اور جرأت و دلیری کا اندازہ کرنے کے لئے یہ بات کافی ہے۔ کہ آپ راتوں کو حق تنہا قبرستان میں چلی جاتی تھیں۔ غزوہ خندق میں جب مسلمان چاروں طرف سے مشرکین میں گھرے ہوئے تھے۔ اور شہر کے اندر یہودیوں کے حملے کا خطرہ تھا۔ تو آپ بے خطر قلعہ سے نکل کر نقشۂ جنگ کا معائنہ فرماتی تھیں[1]۔

غزوہ اُحد میں جب مسلمان اضطراب کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ تو حضرت عائشہؓ اپنی پیٹھ پہ مشک لاد لاد کر پانی پلانے کی خدمت انجام دے رہی تھیں[2]

وفات :-

علماء سیر کا اس بات پر کلی اتفاق ہے۔ کہ حضرت عائشہؓ کی ولادت ہجرت سے ۹ سال پہلے اور وفات ۵۸ھ ہجری میں ہوئی۔ اور اس حساب سے آپ کی عمر سرسٹھ (۶۷) سال کی ہوتی ہے۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانے میں ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ ہجری کو سہ شنبہ کی شب میں انتقال فرمایا انتقال سے پہلے آپؓ نے جنت البقیع میں دفن کئے جانے کی وصیت

---

[1] مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۹۹ [2] صحیح بخاری ذکر احد

فرمائی تھی۔ اور یہ بھی وصیّت کی تھی، کہ رات ہی کو دفن کر دیا۔ چنانچہ ان دونوں وصیتوں کے مطابق آپ کو اسی رات کو جنّت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہؓ نے پڑھائی۔ اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ، حضرت قاسم بن محمدؓ، حضرت عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ نے آپ کی میت قبر میں اتاری[1]۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون٥

حضرت عائشہؓ کے انتقال سے لوگوں کو بہت صدمہ ہوا۔ اور اس رات کو جنت البقیع میں اس کثرت سے لوگوں کا ہجوم تھا۔ کہ ایسا پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا[2]۔ یہ دشمنانِ اسلام کا بہتان ہے کہ آپ کو ایسے گڑھے میں گرا کر ہلاک کیا گیا۔ جس پر ایک مرقدی چھت بنائی گئی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ سلمہا اللہ تعالیٰ سے شادی آنحضرتؐ کے یارِ غار صدیق اکبرؓ کی ہمدردی کا نتیجہ تھی۔ اس سے حضور صلعم اور اسلام کو جو تقویت پہنچی وہ بے مثال ہے ہجرت کے وقت حضرت عائشہ کا تمام خاندان رسول اللہ صلعم کا تن من دھن سے خدمت گذار تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے تو سب مال و متاع اعانتِ اسلام کے لئے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا۔ کیسا مبارک تھا یہ سلسلہ مناکحت جو دین حق کے لئے ہمہ وسائل سے بڑھکر ممد و معاون ثابت ہوا۔ اللھم صل علیٰ ثانی اثنین وعلیٰ آلہ بحرمت النبی المختار علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ صلاہ [2] طبقات ابن سعد جلد ۸ صلاہ

۲

اُمّ المومنین حضرت حفصہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ بڑے بڑے صحابی اور صحابیات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی شاگردی کا دم بھرتے تھے۔

۲۔ حضرت حفصہؓ بڑی عبادت گزار اور زہد کی دلدادہ تھیں۔ بڑی پختہ عقل، باریک بین اور صائب الرائے خاتون تھیں۔

۳۔ آپؓ رات کا اکثر حصّہ خدا تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور نوافل میں گزارتیں اور عام طور پر روزہ دار رہتیں۔ حتیٰ کہ آپؓ اپنے انتقال کے وقت روزہ دار رہیں۔

۴۔ خشیت الٰہی اور زہد و تقویٰ آپؓ کے خاص جوہر تھے۔

نام و نسب:۔ آپ کا نام حفصہؓ تھا۔ اور فاروق اعظم حضرت عمرؓ بن الخطاب خلیفہ دوم کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے دادا خطاب بن نفیل کا سلسلۂ نسب عدی بن کعب سے ملتا ہے:۔

کعب
عدی
قرط
عبداللہ
ریاح
عبدالعزیٰ
نفیل
خطاب
عمرؓ
حفصہؓ

آپ کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ اور وہ مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بہن تھیں۔

ولادت:۔

تیس برس قریش نے خانہ کعبہ تعمیر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں اس کے متعلق ایک جھگڑے کا تصفیہ فرمایا۔ حضرت حفصہؓ اس سال یعنی بعثت نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔

نکاح اوّل:۔

جب آپ سنِ بلوغت کو پہنچیں۔ تو عرب کے رواج کے مطابق آپ کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی سے ہوا۔ خنیس بھی شعبۂ نبوی کے لگ بھگ زمانے ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ گویا قبولِ اسلام میں بھی حضرت حفصہؓ کے دوش بدوش تھے۔ اور جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اس وقت بھی میاں بیوی دونوں اکٹھے تھے۔

حضرت خنیسؓ کی وفات:۔

حضرت خنیسؓ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ اور اس جنگ میں آپؓ کو ایک ایسا گہرا زخم لگا کہ مدینہ میں واپس پہنچ کر اسی زخم کی وجہ سے فوت ہو گئے اور حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئیں۔

اتفاق سے انہی دنوں حضرت عثمانؓ کی بیوی سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہؐ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے حضرت حفصہؓ کے ساتھ نکاح کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ مگر حضرت عثمانؓ خاموش رہے۔ اور کوئی جواب نہ دیا حضرت عمرؓ کو یہ بات ناگوار گزری۔ اور انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتِ حال عرض کی۔ حضورِ اقدسؐ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا، صبر کرو حفصہؓ

کو عثمانؓ سے بہتر خاوند اور عثمان کو حفصہؓ سے بہتر بیوی مل جائے گی۔ اس کے بعد آنحضرت نے حضرت عمرؓ کے پاس حفصہؓ کے نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ اور نہایت سادہ طریقہ سے نکاح ہو گیا جس سے حضرت حفصہؓ کو ام المومنینؓ کا مرتبہ عطا ہوا۔ یہ نکاح ۳ سنہ ھ میں ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔

اوصاف و فضائل :

حضرت حفصہؓ بہت ذہین اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ اور آپ کو تعلیم و تعلم کا بے حد شوق تھا۔ بڑے بڑے صحابی اور صحابیات آپ کی شاگردی کا دم بھرتے تھے۔ آپ بڑی عبادت گزار مذہب کی دلدادہ تھیں۔ رات کا اکثر حصہ خدا تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل اور نوافل میں گزارتی تھیں۔ اور عام طور پر روزہ دار رہتیں۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے کہ

انَّھَا صَوَّامَۃٌ قَوَّامَۃٌ | ترجمہ :- آپ سخت روزہ دار اور شب بیدار تھیں۔

ابن سعد اور صاحب اصابہ لکھتے ہیں کہ آپ وفات تک روزہ دار رہیں اور آخر وقت تک روزہ نہ چھوڑا۔

آپ بڑی پختہ عقل، باریک بین اور صائب الرائے تھیں۔ اور حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ ان کو یہ خوبیاں اپنے باپ حضرت عمرؓ سے ورثے میں ملیں۔ آپ کی انہی خوبیوں کے باعث حضرت عائشہؓ آپ کو باقی ازواج مطہرات کی نسبت اچھا سمجھتی تھیں۔ اور آپ کے ساتھ گویا حضرت عائشہؓ کا بہناپا تھا۔

عادات و خصائل :-

مذکورہ بالا خوبیاں ہونے کے ساتھ حضرت حفصہؓ کے مزاج میں کسی قدر تیزی بھی تھی۔ اور اسی وجہ سے نکاح کے بعد ابتدائی ایام میں آپ کبھی کبھی آنحضرتؐ کو بھی برابر کا جواب دے دیا کرتی تھیں۔ آخر ایک دن حضرت عمرؓ کو اس بات کا علم ہوا۔ اور وہ اس طرح کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی بیوی نے ان کو کسی معاملہ میں ایسا مشورہ دیا جو ان کو پسند نہ آیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کو ڈانٹا۔ تو ان کی بیوی نے کہا، آپ کو میری بات تو اچھی نہیں لگتی لیکن آپ کی بیٹی حفصہؓ رسول اللہؐ کو برابر کا جواب دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ میں اس قسم کی گستاخی کو برداشت کرنے کی کہاں تاب تھی۔ فوراً بیٹی کے گھر گئے۔ اور واقعہ دریافت کیا۔ حضرت حفصہؓ نے اقرار کیا۔ تو آپ نے بیٹی کو زجر و توبیخ کی۔ اور عذاب خداوندی آنے اور اعمال کے برباد ہو جانے سے ڈرایا۔ اس دن کے بعد سے حضرت حفصہؓ سے پھر کوئی ایسا واقعہ ظہور میں نہ آیا۔ اور مدت العمر تک آپ اپنی گزشتہ باتوں پہ ملال و تاسف کرتی رہیں۔

علم و کمال :-

مسند احمد ابن حنبل میں حضرت حفصہؓ کے متعلق ایک واقعہ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفقہ فی الدین میں آپ کو کیا شغف تھا اور آپ کا علم و کمال کتنا بلند مقام رکھتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے فرمایا، مجھے اُمید ہے کہ اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل

نہ ہوں گے۔

حضرت حفصہؓ نے اعتراض کیا کہ اللہ تو فرماتا ہے۔

وان منکم الا واردھا۔	ترجمہ:۔ تم میں سے ہر ایک وارد جہنم ہوگا۔

حضورؐ نے فرمایا، ہاں، مگر یہ بھی تو ہے:۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا۔	ترجمہ:۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے۔ اور ظالموں کو اس میں زانوؤں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

وفات:۔

حضرت حفصہؓ کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے۔ کہ آپ کی وفات ۴۱ھ میں ہوئی۔ یہ وہ سال تھا۔ جس میں حضرت امام حسنؓ نے امیر معاویہؓ کو خلافت سپرد کر کے خود گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ لیکن اکثر مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپؓ کی وفات شعبان ۴۵ھ میں ہوئی مدینہ کے عامل (گورنر) مروان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عاصم بن عمرؓ، حضرت سالم بن عبداللہ۔ ابن عمرؓ نے آپ کو قبر میں اتارا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

۵

اُم المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بہت خدا ترس اور مہربان تھیں۔ اور صدقہ و خیرات بہت زیادہ کیا کرتی تھیں۔ اس لئے ام المساکین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

۲- آپ رحم دلی اور مسکین نوازی میں بڑا بلند حوصلہ رکھتی تھیں ٭٭

نام ونسب :- آپ کا نام زینب اور لقب ام المساکین تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام خزیمہ تھا۔ ان کا نسب تین پشتوں کے بعد آنحضرتؐ کے جدّ اعلیٰ عبد مناف سے ملتا ہے۔

عبد مناف

- ہاشم
- مطلب
- عبداللہ
- محمدؐ

- عمرو
- عبداللہ
- حارث
- خزیمہ
- زینبؓ
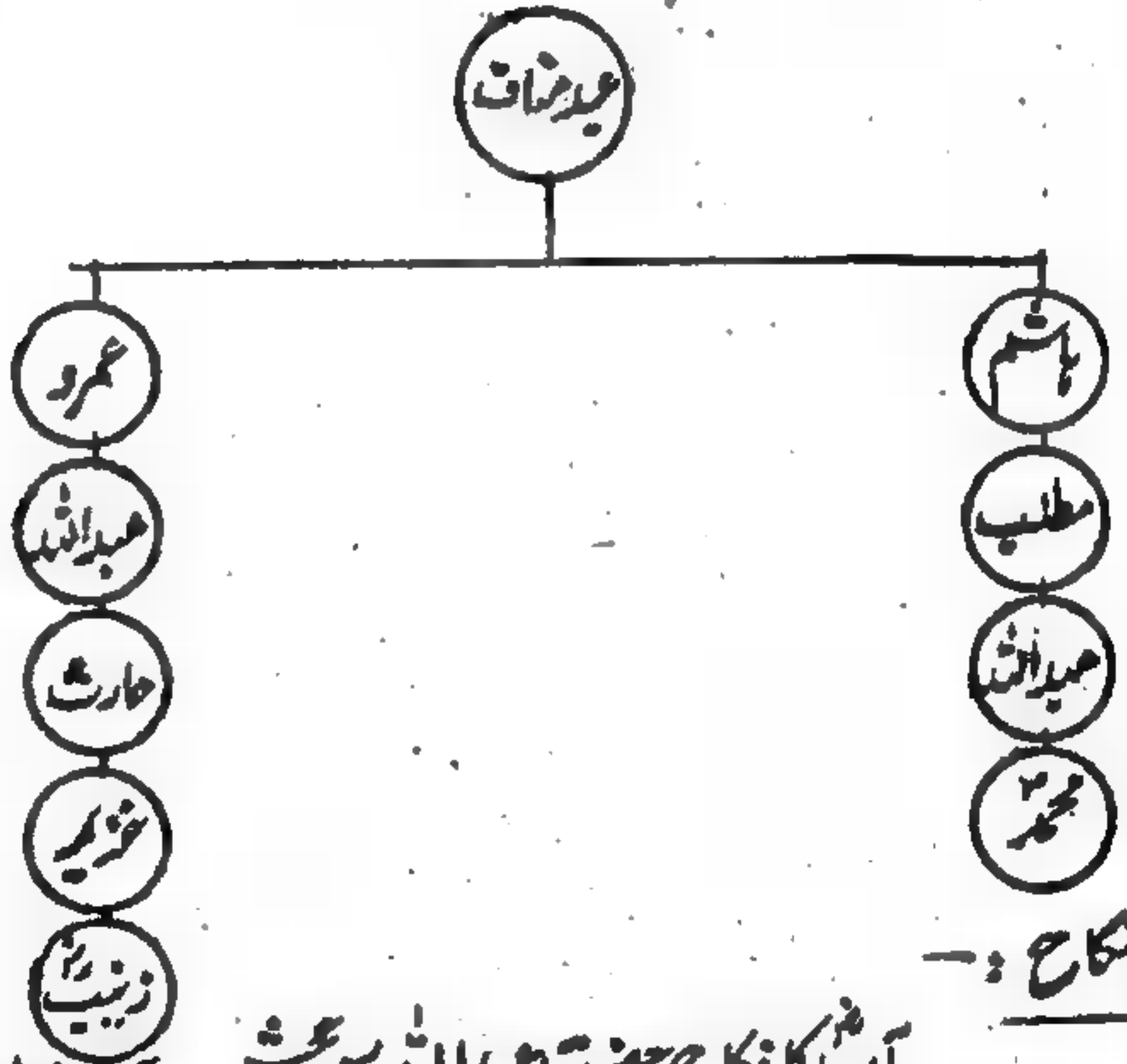
پہلا نکاح :-

آپؓ کا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش سے ہوا۔ یہ بزرگ ۳ سنہ ھ میں جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے۔ کہ عبداللہ بن جحش آپؐ کے تیسرے خاوند تھے۔ اور سب سے پہلے آپ کا نکاح آنحضرتؐ کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بڑے بیٹے طفیل سے ہوا۔ لیکن انہوں نے کسی وجہ سے آپ کو طلاق دیدی۔

تو پھر حارث کے دوسرے لڑکے عبیدہؓ نے آپ سے نکاح کر لیا۔ یہ غزوۂ بدر میں شامل ہوئے اور داد مردانگی دیتے ہوئے ان چودہ بلند نصیب صحابہ سے جا ملے۔ جنہوں نے خدا اور اس کے رسولؐ پر جانیں قربان کیں۔ انکے بعد حضرت عبداللہ ابن جحش نے آپ سے نکاح کیا۔

یہ عبداللہؓ آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کے سگے بھائی تھے۔ جنگ احد میں انہوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ تو رمضان المبارک ۳ھ میں آپ نے آنحضرتؐ سے شرف نکاح حاصل کیا۔ اور ام المومنینؓ کا بلند درجہ پایا۔ مہر بارہ اوقیہ چاندی مقرر ہوا۔

اوصاف و فضائل :-

آپ غربا و مساکین پر بہت مہربان تھیں اور بڑی فراخ دلی سے صدقہ و خیرات دیا کرتی تھیں۔ کسی غریب و نادار کو تکلیف میں دیکھ کر برداشت نہ کرتی تھیں۔ اور جو کچھ ممکن ہوتا تھا۔ اسے دیکر مطمئن ہوتی تھیں۔ آپکے انہی اوصاف کی وجہ سے آپ کی شہرت ام المساکین کے لقب سے ہوئی۔

وفات :- یہ پہلی بیوی تھیں جن کا انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اطہر میں حضرت خدیجہؓ کے بعد ہوا۔ نکاح کے بعد آپ صرف پانچ چھ ماہ آنحضرتؐ کی خدمت سے شرف یاب رہیں اور ربیع الاول ۴ھ کے آخر میں تیس سال کی عمر میں عازم فردوس ہو گئیں۔ آنحضرتؐ نے خود آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

آپ کی رحلت کے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر رنج و غم کے آثار ہو گئے۔ اور آپ اس بات سے بہت ملول و متاسف تھے۔ کہ رفیقۂ حیات ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہی ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

(نوٹ) نکاح بھی حضور صلعم نے ایک مسلمان بیوہ خاتون کی دل دہی کے لئے کیا۔

(۶)

اُم المؤمنین حضرت اُمِ سلمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- "مشہور جنگجو یہودی کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو اس کی آواز میں سن رہی تھی۔" (ام سلمہؓ)

غزوۂ خندق میں حضرت ام سلمہؓ آنحضرتؐ کے قریب تر تھیں، غزوۂ خیبر میں بھی شریک تھی اور صلح حدیبیہ میں بھی حضور کے ہمرکاب تھیں۔

۲- آپ قرآن کریم بالکل حضور جیسا پڑھتیں اور حدیث میں حضرت عائشہؓ کے سوا کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ آفتاب علم حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔

۳- آپ نہایت فیاض و سخی اور عابدہ و زاہدہ تھیں۔ اور اکثر روزہ سے رہتیں۔

نام و نسب:-

آپ کا اصلی نام ہند تھا۔ اور کنیت ام سلمہ تھی۔ مگر آپ کی کنیت زیادہ مشہور اور متعارف ہے۔ اس لئے آپ کو زیادہ تر ام سلمہ ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ آپ کے والد محترم کا نام حذیفہ بن مغیرہ تھا۔ اور ان کی کنیت ابو امیہ تھی۔ والدہ کا نام عاتکہ تھا۔ جو کنانیہ تھیں۔ حضرت ام سلمہؓ نسبی اعتبار سے قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں۔

مخزوم
عمر
عبداللہ
مغیرہ
ابو امیہ — عبدالاسد
ام سلمہؓ — ابو سلمہؓ
سلمہؓ — عمرؓ — درہؓ — زینبؓ
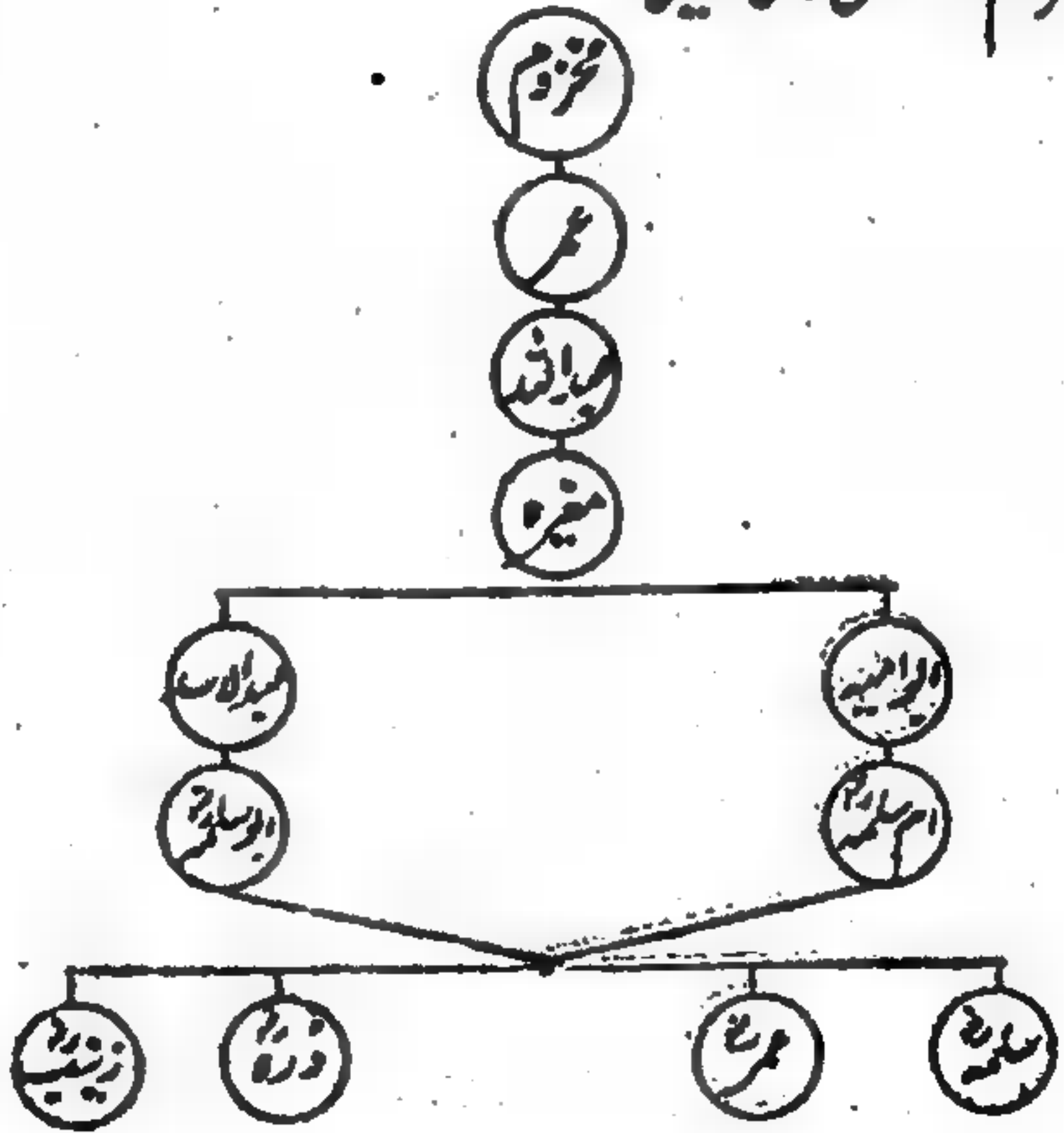
بعض لوگوں نے حضرت ام سلمہؓ کا نام رملہ بیان کیا ہے مگر اس کی اصلیت کچھ نہیں

اور محدثین نے اس پر اعتماد نہیں کیا۔

حضرت ام سلمہؓ کے باپ ابوامیہ کا نام حذیفہؓ تھا۔ اور زادالراکب کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ بڑے فیاض اور دریا دل بزرگ تھے۔ اور جب کبھی کسی قافلہ کے ہمراہ سفر کرنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ تو تمام قافلہ کی ضروریات کے خود ہی کفیل ہوتے تھے۔ یہی فیاضانہ طرز عمل تھا جس کی بنا پر آپ کو زادالراکب کے لقب سے پکارا جانے لگا۔ اور بعد میں یہی لقب شہرت عام حاصل کر گیا۔

پہلا نکاح :-

حضرت ام سلمہؓ کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد سے ہوا۔ اور ان دونوں میاں بیوی کو ان لوگوں میں شمار ہونے کا شرف حاصل تھا جن کو قدیم الاسلام کہا جاتا ہے۔ یعنی انہوں نے اس وقت اسلام کی غیر فانی دولت سے اپنے دامن قلوب کو مالا مال کیا۔ جب اسلام لانے والوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ اور مسلمانوں کو قدم قدم پر مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ابوسلمہؓ غالباً گیارہویں مسلمان تھے جو آغاز نبوت کے بعد دائرہ اسلام میں شامل ہوئے۔ ام سلمہؓ بھی ان کی کوشش اور تبلیغ سے جلد ہی اسلام لے آئیں۔ ابوسلمہؓ کی والدہ برہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرتؐ کی پھوپھی تھیں۔ علاوہ ازیں ابوسلمہؓ کو آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی (دودھ بھائی) ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔

ہجرت :-

حضرت ام سلمہؓ اور ابوسلمہؓ اسلام لانے میں ایک دوسرے کے دوش بدوش تھے۔ اسی طرح ہجرت میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہے

پہلے انہوں نے حبشہ کا رُخ کیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے واپس آگئے۔ اور مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ اس سفر میں حضرت ام سلمہؓ کو جو دردانگیز اور الم ناک اتفاقات واقعات پیش آئے انہیں ابن الاثیر نے اپنی مشہور تصنیف میں خود حضرت ام سلمہؓ کی زبانی یوں بیان کیا ہے:-

"وہ فرماتی ہیں کہ ہجرت کا حکم ملنے پر جب ابو سلمہؓ نے مدینے جانے کا ارادہ کیا تو ان کے پاس صرف ایک اونٹ تھا جس پر انہوں نے مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو بٹھا دیا۔ اور خود مہار پکڑ کر پیدل چل پڑے۔ تو مغیرہ خاندان کے لوگوں یعنی میرے میکے والوں نے مجھے اور ان کے خاندان والوں نے سلمہ کو اُن سے چھین لیا۔ اور اُن سے کہا، "اگر تم مدینہ جانے پر مصر ہو تو اکیلے جا سکتے ہو۔ ہم ام سلمہؓ کو جانے نہ دیں گے۔" ابو سلمہؓ ایسے راسخ الاسلام اور قوی العزم تھے۔ کہ انہوں نے مجھ سے اور بیٹے سے جدا کیا جانا منظور کر لیا لیکن خدا اور رسولؐ کے حکم سے منہ نہ موڑا، اور یکہ و تنہا چل کھڑے ہوئے۔ مجھے میرے خاندان والے اور سلمہ کو ان کے خاندان والے مکہ میں واپس لے آئے۔ مجھ پر مصیبت اور غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، لیکن بے بس تھی۔ آخر میں ہر روز اس پہاڑی پر جا بیٹھتی۔ جہاں سے مجھے اپنے خاوند اور بچے سے جدا کیا گیا تھا۔ اور شام کو اسی جگہ رو دھو کر مکہ میں واپس آجاتی۔ ایک سال تک میرا یہی دستور رہا۔ آخر میری اس دردناک اور قابل رحم حالت کو دیکھ کر میرے خاندان والوں کا دل پسیجا اور ان میں

سے چند دردمند لوگوں نے کہہ سنکر مجھے مدینہ جانے کی آزادی دلادی
بنو عبدالاسد والوں نے سنا تو انہوں نے بھی سلمہ کو میرے حوالے
کر دیا۔ اور میں اونٹ پر سوار ہو کر بالکل اکیلی مکہ سے مدینہ کی طرف
روانہ ہو پڑی۔

ابھی تھوڑی دور گئی تھی کہ مجھے عثمان بن طلحہ جو بیت اللہ
کے کلید بردار اور نہایت شریف النفس انسان تھے ملے۔ یہ ابھی مسلمان
نہ ہوئے تھے۔ لیکن جب انہیں میری بے کسی اور بے بسی کا حال معلوم
ہوا، تو ان کے دل میں رحم آیا۔ اور میرے ساتھ ہو لیے۔ انہوں نے
اونٹ کی مہار پکڑ لی۔ اور آگے آگے چل پڑے۔ منزل پر پہنچے
تو مجھ سے دور کسی درخت کی آڑ میں جا کر کھڑے ہوتے جب روانگی
کا وقت آتا۔ تو اونٹ کو تیار کر لاتے اور اس کو میرے قریب بٹھا کر
خود ہٹ جاتے۔ اور دوسری طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے
اور میرے بیٹھ جانے کے بعد مہار پکڑ کر چل پڑتے۔ اسی طرح
منزل بہ منزل چلتے ہوئے جب مدینہ کی بستی سامنے آگئی۔ تو کہنے
لگے، "بہن ام سلمہ! وہ سامنے مدینہ کی بستی ہے۔ جہاں تمہارا
خاوند اور دوسرے مسلمان موجود ہیں۔ اب تم وہاں پہنچو، اور میں واپس
ہوتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔ اور میں مدینہ میں داخل
ہو گئی۔"

حضرت ام سلمہؓ کے دل پر عثمان کی شرافت، نیک نفسی اور پاکیزگی اخلاق

کا اس قدر گہرا اثر ہوا کہ آپ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ :-

"میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف اور نیک نفس آدمی نہیں دیکھا"

ابو سلمہؓ کی وفات :-

حضرت ام سلمہؓ کو مدینہ پہنچے ابھی چند ماہ ہوئے تھے۔ کہ ابو سلمہؓ جنگ اُحد میں شامل ہوئے۔ اس لڑائی میں ایسے شدید زخم آئے۔ کہ ایک ماہ سے کچھ زائد عرصہ صاحب فراش رہے۔ ابھی مشکل سے زخموں کو آرام آیا تھا، اور بازو کا ایک زخم ابھی باقی تھا کہ آپ کو قطن کی طرف جانے کا حکم ملا۔ اس زمانے کے لوگ خدا اور رسولؐ کے حکم کے مقابلے میں اپنی کسی ذاتی تکلیف کا ذرہ بھر خیال نہ کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے بازو کے زخم سے بالکل بے پرواہ ہو کر اس طرف چل کھڑے ہوئے۔ صفر ۴ھ کی ۸ تاریخ کو مدینہ واپس آئے اگرچہ اس خدمت کو کما حقہ پورا کر آئے تھے جس کے لئے ان کو بھیجا گیا تھا۔ لیکن بازو کا زخم شق ہو کر بگڑ گیا۔ اس کی وجہ سے اتنی تکلیف ہوئی کہ جانبر نہ ہو سکے۔ اور اسی سال جمادی الآخر کی ۹ تاریخ کو جنت الفردوس کی طرف سدھارے۔

آنحضرتؐ سے نکاح :-

ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد ام سلمہؓ پھر تنہا رہ گئیں۔ ابو سلمہؓ کی جانثاریاں اور ام سلمہؓ کے مصائب اور اسلام کے لئے ان کی تکلیفیں برداشت کرنا، یہ ایسی چیزیں نہ تھیں۔ جو آنحضرتؐ کو متاثر نہ کرتیں۔ چنانچہ عدت

گذرنے کے بعد اُن کی دلجوئی اور ان کے ایثار و قربانی کی قدردانی کے لئے آنحضرت نے خدا تعالےٰ کے حکم سے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ ام سلمہؓ کے لیئے اس سے بڑھ کر خوش نصیبی کیا ہو سکتی تھی؟ انہوں نے بصد خوشی قبول کیا۔ اور شوال سنہ ۴ھ کے آخر میں اُن کا نکاح حضور اقدس سے ہو گیا۔ اس طرح نہ صرف ان کے اس صدمۂ جانکاہ کی تلافی ہو گئی۔ بلکہ ان کا غم و اندوہ بھی مسرت و شادمانی سے بدل گیا۔

جن دنوں حضرت ام سلمہؓ کا نکاح آنحضرت سے ہوا۔ حضرت زینب بنت خزیمہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کو انہی کے حجرے میں لایا گیا۔ وہاں سامان خانہ داری موجود ہی تھا۔ اس لئے آپ نے آتے ہی گھر کا کام شروع کر دیا۔ اور اپنے لئے اور حضورؐ کے لئے کھانا تیار کرتی رہیں۔

اوصاف و فضائل

حضرت ام سلمہؓ نہایت حیادار، غیور طبع اور صائب الرائے خاتون تھیں۔ محدثین عظام کا بیان ہے کہ علم و فضائل میں حضرت عائشہؓ اور حضرت اُم سلمہؓ کا اور کوئی ہمسر نہ تھا۔ آپ قرآن مجید بالکل حضورؐ کی سی جیسا پڑھتی تھیں علم حدیث میں حضرت عائشہؓ کے سوا آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپ کی ۳۷۸ روایات مشہور ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ جیسے آفتاب علوم و فنون خاص طور سے مشہور ہیں۔ فقہ میں آپ اس قدر ماہر تھیں کہ ابن قیم کی رائے ہے۔ کہ اگر ان کے تمام فتووں کو جمع کیا جائے تو ایک خاص تصنیف مرتب ہو سکتی ہے۔

حضرت ام سلمہؓ نے اپنی ذہانت و فراست سے آنحضرتؐ کو اس قدر متاثر کر لیا تھا۔ کہ حضرت عائشہؓ کے بعد آنحضرتؐ کے ہاں آپ ہی کا درجہ قرار دیا جانے لگا۔ صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد آنحضرتؐ کا منشاء یہ تھا۔ کہ مسلمان حدیبیہ ہی میں قربانی کر دیں۔ لیکن شرائط صلح چونکہ بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اس لئے اُن میں عام بددلی پھیلی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ متامل تھے۔ اور سوچتے تھے کہ مسلمانوں کو کس طرح قربانی کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ حضورؐ کی اس پریشانی کو حضرت ام سلمہؓ نے دیکھا۔ تو آنحضورؐ کو ایک رائے دی۔ جو بہت صائب اور درست تھی۔ آپ نے عرض کیا۔

"میرے سرتاج! آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیے۔ بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کر دیجئے۔ اور احرام اتارنے کیلئے بال منڈوا دیجئے۔"

آنحضرتؐ نے آپ کے مشورے پر عمل کیا۔ مسلمانوں نے یہ دیکھ کر خیال کیا کہ آنحضرتؐ کا فرمان ناطق اور اٹل ہے۔ اس لئے سب نے بلا تامل قربانیاں دیں اور احرام اُتار دیا۔ تمام صحابہؓ نے حضرت ام سلمہؓ کی اس حکمت عملی کی قدر و منزلت اور تعریف کی۔

آنحضرتؐ سے محبت:۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کو بے حد محبت تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ سے ازواج مطہرات کو اگر کوئی بات کہنے کی ضرورت پیش آتی، تو آپ ہی کو اپنا سفیر بنا کر حضورؐ کی خدمت میں روانہ کرتیں۔ آنحضورؐ سے آپ کو انتہائی محبت کی وجہ سے آپ غزوۂ خندق میں حضورؐ کے قریب تر

تھیں، صلح حدیبیہ میں بھی حضورؐ کے ہم رکاب رہیں - اور غزوہ خیبر میں بھی شریک تھیں
آپ بیان فرماتی ہیں کہ مشہور یہودی جنگجو مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی - تو
اس کی آواز میں سن رہی تھی[1]

آنحضرتؐ کی علالت نے جب طول کھینچا اور آپ نے حضرت عائشہؓ کے
حجرے میں قیام فرمایا - تو حضرت ام سلمہؓ آپؐ کو دیکھنے کے لئے اکثر آیا کرتی تھیں
ایک دن آپ نے حضور کی طبیعت زیادہ مضمحل دیکھی تو ضبط نہ کر سکیں اور
اور بے ساختہ آپ کی چیخ نکل گئی - آنحضرتؐ نے منع فرمایا کہ مسلمان کا یہ شیوہ
نہیں حضورؐ کو خوش اور مسرور دیکھ کر آپ بہت خوش ہوتی تھیں - اور کہا
کرتی تھیں .... اللہ تعالیٰ آپ کو ہنستا رکھے - لیکن اگر کبھی
حضور کی طبع مبارک پر تکدر اور کسی قسم کا فکر و اضطراب ہوتا - تو آپ
بھی جھٹ غمزدہ ہو جاتیں - اور حضورؐ کے غم کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ہر ممکن
کوشش کرتیں -

کربلا کے سانحہ الیمہ اور حضرت امام حسینؓ کی پر درد شہادت کے واقعہ سے
آنحضرتؐ نے ام سلمہؓ کو ہی آگاہ فرمایا تھا[2] چنانچہ حضرت امام حسینؓ یزیدی فوج
کے نرغہ میں دلیرانہ پامردی اور استقامت سے اپنے اعزا و اقارب کی اور اپنی
قربانیاں پیش کر رہے تھے - اور ظالم بڑھ بڑھ کر آپ پر ظلم کر رہے تھے -
عین اس وقت حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں آنحضرتؐ کو بہت پریشان حالی
دیکھا - یعنی حضورؐ کا سر اقدس اور ریش مبارک غبار آلود تھی عرض کیا، یا رسول اللہ

---
[1] استیعاب جلد ۲ - [2] مسند احمد ابن حنبل جلد ۶ ص ۹

یہ کیا حال ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، میں حسینؓ کے مقتل سے واپس آرہا ہوں!"

حضرت ام سلمہؓ کی آنکھ کھلی تو آنسو جاری ہو گئے۔ اور اسی عالم میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا، آہ! اہل عراق نے جگر گوشہ آنحضرتؐ کو شہید کر دیا۔ خدا ان کو قتل کرے۔ حسینؓ کو ذلیل کیا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے۔

اولاد:۔

حضرت ام سلمہؓ کے ہاں آنحضرتؐ سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ابو سلمہؓ سے ان کے چار بچے ہوئے جو یہ ہیں:۔

۱۔ سلمہ:۔ یہ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ ہجرت مدینہ کے وقت یہی ان کی گود میں تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنے چچا سیدنا حمزہؓ کی لڑکی امامہ کا نکاح ان سے کیا۔

۲۔ عمر:۔ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔ اور آنحضرتؐ کا نکاح حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ انہی کے اہتمام سے ہوا۔

۳۔ درہ:۔ یہ آپ کی بیٹی تھی۔

۴۔ برہ یا زینب:۔ یہ آپ کی دوسری بیٹی تھی۔

عادات و خصائل:۔

حضرت ام سلمہؓ کی زندگی زہد و پرہیزگاری کی تصویر تھی۔ نوافل اور روزہ داری کا آپ کو بہت شوق تھا۔ اور عام طور پر روزہ رکھا کرتی تھیں۔ دنیوی تکلفات اور سامان عیش و نشاط سے سخت متنفر تھیں۔ سخاوت

انسان کی خدمت کرنے اور ان کو فائدہ پہنچانے کا بہت خیال رکھتیں اور حتی الوسع کسی ایسے کام کو کرنے سے نہ چوکتیں جس سے کسی کو فائدہ پہنچتا ہو۔ نیک باتوں کا حکم اور برائیوں سے روکنے کا آپ خاص اہتمام کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت ام سلمہؓ کا کیا درجہ تھا اس کا اندازہ کرنے کیلئے یہ واقعہ کافی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے حضورؐ سے سوال کیا کہ قرآن شریف میں ہمارا ذکر کیوں نہیں ہے؟ اس وقت ذیل کی آیات اتریں۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الخ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا	ترجمہ:- بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم مہیا فرما رکھا ہے۔[1]

حضورؐ نے منبر پر چڑھ کر اس ارشاد باری کا اعلان فرمایا۔

آنحضرتؐ سے حضرت ام سلمہؓ کو اس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ ایک چاندی کی ڈبیا میں آپ نے حضورؐ کے موئے مبارک رکھے ہوئے تھے جب کسی شخص کو کوئی تکلیف ہوتی تو آپ تھوڑے سے پانی میں وہ موئے مبارک ڈبو کر مریض کو پانی پلا دیتیں جس سے فوراً اسے شفا ہو جاتی۔ آنحضرتؐ کے آرام و آسائش کا اتنا خیال رکھتی تھیں کہ آپ نے اپنی ایک لونڈی کو صرف اس شرط پر آزاد کر دیا تھا کہ وہ ہمیشہ حضورؐ کی خدمت میں رہے۔

وفات: حضرت ام سلمہؓ نے حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔ اس وقت آپکی عمر ۸۴ سال کی تھی حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی عام قاعدہ تو یہ تھا کہ حاکم وقت نماز جنازہ پڑھاتا تھا۔ اور ان دنوں ولید بن عتبہ مدینے کا حاکم تھا لیکن ام سلمہؓ نے وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ کے لئے وہ نہ آئے چنانچہ ان کی بجائے حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی جو اس وقت صحابہ کرام میں فضل و کمال اور قدر و عزت کے اعتبار سے سب سے زیادہ عظیم المرتبت تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

---

[1] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۹۶

(۷)

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اس امر پر فخر کیا کرتی تھیں کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پہ کیا۔ اسی وجہ سے ان کے باعث مسلمانوں کو پردہ کا حکم دیا گیا۔ جو پاکیزگی اخلاق کے لئے ایک بہت موثر ذریعہ ہے۔ نیز ان کے لئے بعض رسوم جاہلیت کی بیخ کنی کی گئی۔ یعنی غلام اور آزاد کا امتیاز اٹھا دیا گیا۔ اور متبنیت کی فضول رسم کی جڑ کاٹ دی گئی۔

۲۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا۔ میں نے کسی عورت کو زینبؓ سے زیادہ دیندار، خدا ترس، پرہیزگار، راست گفتار اور فیاض نہیں دیکھا۔"
(مسلم شریف ص ۳۳۵)

نام و نسب:۔ آپ کا نام زینب اور کنیت ام الحکم تھی۔ آپ کا تعلق قریش کے قبیلہ اسد ابن خزیمہ سے تھا۔ آپ کے والد کا نام جحش اور ماں کا نام اُمیمہ تھا۔ اُمیمہ چونکہ آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب کی بیٹی اور حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بزرگوار کی سگی ہمشیرہ تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت زینبؓ جناب رسالتمآب کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں

عبدالمطلب

عبداللہ — امیمہ

محمدؐ — زینبؓ
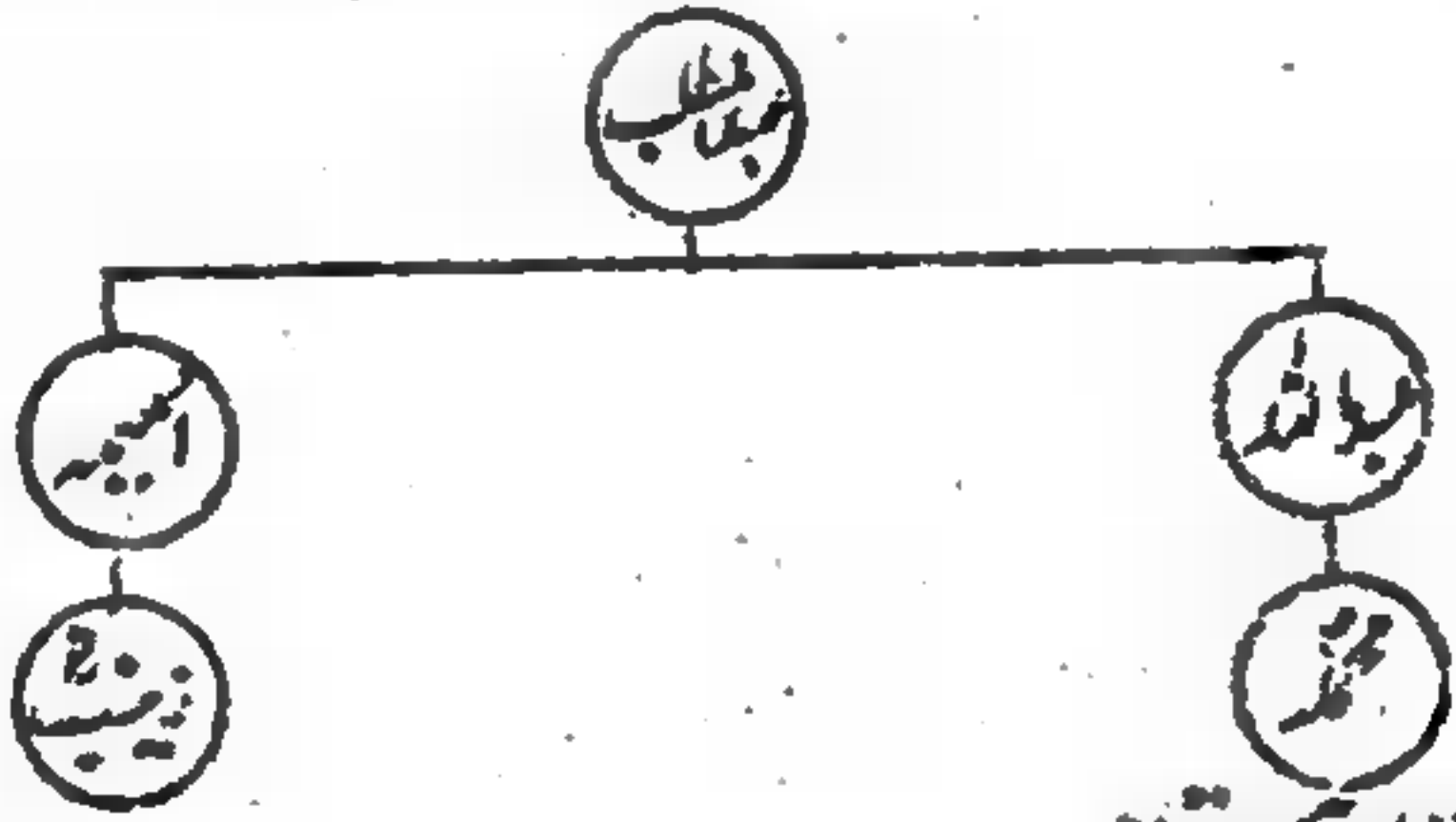
اسلام اور ہجرت:۔

حضرت زینبؓ پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ اور آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے ہجرت میں آنحضرتؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ:۔

كَانَتْ قَدِيمَةَ الْإِسْلَامِ | ترجمہ:۔ وہ قدیم سے اسلام میں تھیں۔

پہلا نکاح :-

آپ کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوا تھا۔ یہ زید نجیب الطرفین تھے۔ مگر لڑکپن میں ایک گروہ نے انہیں اُٹھا لیا۔ اور مکہ کے قریب سوق حباشہ میں جہاں سالانہ منڈی لگا کرتی تھی۔ آپ کو فروخت کرنے کے لئے لائے حکیم ابن حزام ان کو حضرت خدیجہؓ کے لئے خرید لائے۔ حضرت خدیجہؓ نے جب آنحضرتؐ سے نکاح کیا۔ تو انہوں نے زید کو حضورؐ کی خدمت کے لئے آزاد کر دیا۔ زید کے والدین ان کی تلاش میں تھے۔ وہ پتہ لگاتے لگاتے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اور آنحضرتؐ سے درخواست کی۔ کہ وہ زید کو ان کے سپرد کر دیں۔ آنحضرتؐ نے تو منظور فرما لیا۔ لیکن زید حضورؐ کی محبت و شفقت سے اس قدر متاثر تھے۔ کہ انہوں نے آنحضرتؐ کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اور والدین کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ حارثہ نے جب یہ دیکھا کہ زید کاشانۂ اقدس میں غلامی کی حالت میں نہیں بلکہ فرزندانہ حیثیت سے پرورش پا رہے ہیں۔ تو انہوں نے بھی زیادہ اصرار نہ کیا اور زید کو حضورؐ کے پاس ہی چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

زید سے آنحضرتؐ کی محبت و الفت اس قدر زیادہ تھی۔ کہ مکہ میں ان کو زید بن محمدؐ کا خطاب مل گیا جس کی اصل وجہ یہ بھی تھی۔ کہ آنحضرتؐ نے ان کو اپنا متبنیٰ بھی بنا لیا تھا۔ پھر جب آنحضرتؐ کو اعلانِ نبوت کی اجازت ملی تو آپؐ نے جن امور کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی۔ ان میں غلاموں کی حالت کی درستی بھی تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس مقصد کے لئے خود ایک مثال قائم کرنے کا ارادہ کیا اور یہ تجویز فرمائی کہ زید کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب

نیت جحش سے کر دیں۔ تاکہ غلامی کے نام کی حقارت کا تصور لوگوں کے دلوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ جائے۔ اور کوئی شخص کسی دوسرے کو محض اس لئے حقیر و ذلیل نہ خیال کرے اگر وہ کبھی خریدا اور بیچا گیا تھا۔ چونکہ حضرت زینبؓ قریش کے معزز ترین اور باعظمت خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ اور اُن کا خاندان کعبہ کا متولی ہونے کی وجہ سے پورے عرب میں شایانہ وقار کا حامل تھا۔ لیکن دوسری طرف زیدؓ کے دامن پر غلامی کا دھبہ تھا جسے خاندانی غرور اور عصبیت کے دلدادہ قریشی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے حضورؐ کی تجویز کے ساتھ آسانی سے اتفاق کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ چنانچہ سب نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا اور حضورؐ کے اس پاکیزہ ارادے کی مخالفت کی۔ لیکن آخر کار خدا تعالیٰ کی طرف سے فرمان نازل ہوا کہ حبیب خدا اور اس کا رسولؐ کسی امر کا فیصلہ فرما دیں تو پھر کسی مومن مرد یا عورت کے لئے اس کام میں اپنا کوئی اختیار نہیں رہ جاتا۔"

اس آیہ کریمہ کے نزول پر حضرت زینبؓ کے اقربا نے اپنے ذاتی خیالات چھوڑ دیئے۔ اور حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زیدؓ سے ہو گیا۔ یہ نکاح انسانیت پر ایک احسان عظیم تھا جس نے غلامی و آقائی اور چھوٹے بڑے کا امتیاز حرف غلط کی طرح محو کر دیا۔ تاریخ اسلام میں اس شادی کو جو بے پناہ اہمیت حاصل ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ یہ شادی نسلی فخر و غرور اور خاندانی تکبر کے بتوں کو پاش پاش کرنے کا باعث بنی، اور اس نے اسلام کے نظریۂ مساوات کو لوگوں کے قلوب کی گہرائیوں میں جاگزیں کر دیا۔ حضرت زینبؓ نے یہ سنہری مثال قائم کر کے آئندہ نسلوں کے لئے ایک چراغ ہدایت روشن کر دیا جس کی روشنی میں ان کے

بعد کئی شہزادیاں معمولی غلاموں کے نکاح میں آئیں۔ اور وہ غلام ان شادیوں کی وجہ سے تاج و تخت کے وارث ہوئے۔

آنحضرتؐ سے نکاح

حضرت زینبؓ حضرت زیدؓ کے نکاح میں تو آگئیں۔ لیکن مشیت ایزدی کو ابھی ایک اور مقصد عظمٰی کی تکمیل منظور تھی۔ اور حضرت زینبؓ ہی کے ذریعہ سے ایک اور فضول و لایعنی رسم کی اصلاح کرنا بھی پیش نظر تھا۔

وہ رسم یہ تھی کہ مختلف قبائل میں عام طور پر یہ رواج چلا آتا تھا کہ جب کسی شخص کے ہاں اولاد نہ ہوتی تو وہ کسی دوسرے شخص کے بیٹے کو لے کر اپنا بیٹا بنا لیتا۔ جسے متبنیٰ کہتے تھے۔ اس قسم کا لڑکا اس طرح متبنیٰ بننے کے بعد اپنے آپ کو اصلی والدین کی طرف منسوب نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ اس شخص کا بیٹا کہلواتا جس نے اسے فرزندی میں لے لیا ہو۔ اس رسم سے معاشرہ میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ اور بعض اوقات ایسے تند جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ جو بالآخر بڑی بڑی لڑائیوں اور کشت و خون پر منتج ہوتے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تبنیت کی اس رسم قبیح کی اصلاح بھی اپنے رسولؐ سے اس طرح کرائی کہ حضورؐ نے اپنی مقدس شخصیت اور نورانی وجود سے اس فضول رسم کے بطلان پر ایک زبردست دلیل قائم ہوئی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ وحی الٰہی کی تعمیل میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کا نکاح تو ہو گیا۔ لیکن ابھی اس کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ کہ میاں بیوی میں شکر رنجی پیدا ہو گئی۔ بات یہ تھی کہ حضرت زینبؓ طبیعت کے لحاظ سے بہت زود رنج

اور درویش صفت تھے۔ مگر حضرت زینبؓ کی طبیعت میں قدرے تیزی تھی۔ یہی اختلاف ان دونوں کے مابین تلخی پیدا کرنے کا باعث ہوا۔ اور وہ تلخی روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ ایک دن حضرت زیدؓ نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ کہ زینبؓ ان سے زبان درازی کرتی ہے اس لئے وہ انہیں طلاق دینا چاہتے ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ ان کو بار بار سمجھاتے اور کوشش فرماتے رہے کہ میاں بیوی میں ناچاقی ختم ہو جائے۔ کچھ عرصہ تو اس طرح گزر گیا۔ مگر مصالحت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آخر کار حضرت زیدؓ نے آپ کو طلاق دے دی۔

جب حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہو گئی۔ تو آنحضرتؐ آپ کے نکاح ثانی کے متعلق غور فرمانے لگے۔ چونکہ یہ بلند مرتبہ خاتون حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن ہونے کے علاوہ آپؐ ہی کے زیر تربیت سن شعور کو پہنچی تھیں۔ اور آپؐ ہی کے حکم سے حضرت زینبؓ کا حضرت زیدؓ سے نکاح ہوا تھا۔ اس لئے اشارہ کی ذمہ داری بھی حضورؐ ہی پر عائد ہوتی تھی۔ اور اسی ذمہ داری کو محسوس فرما کر آپؐ سوچ رہے تھے۔ کہ اسی وقت خدا تعالیٰ کا حکم نازل ہو گیا۔ کہ ہم نے زینبؓ کو آپ کی زوجیت میں دے دیا ہے۔ اب ارشاد خداوندی کی تعمیل ضروری تھی۔ اس لئے حضورؐ نے عقد فرما لیا۔ اور حضرت زینبؓ ازواج مطہرات کے مقدس حلقہ میں آ گئیں۔ اس وقت آپؓ کی عمر ۳۶ سال کی تھی۔

آیۂ حجاب کا نزول:۔

نکاح کے بعد آنحضرتؐ نے ولیمہ کا انتظام فرمایا۔ جو مسلمانوں

نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ بعض لوگ کھانا کھانے کے بعد حضورؐ کے دولت کدہ ہی پر باتوں میں مشغول ہو گئے۔ آنحضرتؐ انہیں اخلاقاً کچھ نہیں کہہ سکتے تھے اس لئے آپ بار بار باہر تشریف لاتے اور پھر اندر چلے جاتے۔ آپؐ کے اس اضطراب کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی طرف سے آیت حجاب نازل ہوئی جس میں ارشاد فرمایا گیا تھا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام غیر ناظرین اناہُ ولٰکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذالکم کان یؤذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق واذا سالتموھن متاعاً فسئلو ھن من وراء حجاب،

ترجمہ: "اے ایمان والو! نبی کے گھر نہ آؤ مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کا اذن دیا جائے۔ اس کے برتنوں پر نظر ڈالے بغیر (آ سکتے ہو) لیکن جب تم کو دعوت دی جائے تو آجاؤ اور جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ کیونکہ تمہارا یہ فعل نبی کو تکلیف دیتا ہے۔ اور وہ تم سے شرم کے سبب کچھ نہیں کہتا۔ مگر اللہ کو حق بات کہنے سے کوئی شرم نہیں اور جب تم ان سے (نبی کی بیویاں) سے کچھ مانگو تو ان سے پردہ کی اوٹ سے مانگو۔"

ان مقدس احکام کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے امہات المومنین کے حجروں کے دروازوں پر پردے لگوا دیئے اور لوگوں کو اندر آنے جانے کی ممانعت ہو گئی۔ یہ واقعہ ماہ ذیقعد ۵ھ کا ہے۔

خصائل:۔

حضرت زینبؓ اس بات پر فخر کیا کرتی تھیں کہ آپ کا نکاح اللہ تعالیٰ

نے آسمان پر کیا اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کو پردے کا حکم دیا گیا۔ جو پاکیزگیٔ اخلاق کے لئے ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔ نیز آپ کے ذریعہ سے بعض رسوم جاہلیت کی بیخ کنی کی گئی۔ یعنی غلام اور آزاد اور اسود و احمر کا امتیاز اٹھا دیا گیا۔ اور تبنیت کی فضول رسم کا قلع قمع کیا گیا۔ حضرت زینبؓ زہد و عبادت اور تقویٰ و پرہیزگاری کا ایک نمونہ تھیں۔ صبر و قناعت اور فیاضی میں بہت بلند مقام رکھتی تھیں۔ حدیث کی راوی اور علوم نبوت کی راز دار تھیں۔ آپ نہایت فراخ دست، متوکل، قانع، یتامیٰ و مساکین کی سرپرست اور فقرا کی پشت پناہ تھیں۔ سخاوت اور دریا دلی میں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھیں۔ ابن سعد کی روایت ہے۔ کہ حضرت زینبؓ جو کچھ پاتی تھیں۔ صدقہ کر دیتی تھیں۔ اور مساکین کا ملجا و ماویٰ تھیں[1]۔ حضرت عائشہؓ نے آپ کی اکثر تعریف کی ہے۔ فرماتی ہیں:۔

لم یکن احداً من نساء النبی صلعم تناھینی فی حسن المنزلۃ عندہ الا زینب بنت جحش۔	ترجمہ:۔ آنحضرت صلعم کی ازواج میں سوائے زینب بنت جحش کے آپ کے نزدیک حسن منزلت میں کوئی میرا مقابل نہ تھا۔

اخلاق و عادات:۔ حضرت زینبؓ میں اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی اس حد تک تھی۔ کہ بہت ہی کم عورتیں آپ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔ آپ کو اپنے جذبات پر اتنا قابو تھا۔ کہ کوئی لفظ زبان سے خدا اور رسولؐ کے احکام کے خلاف نکلنے نہ پاتا تھا۔ آپ ہاتھ کی صناع تھیں۔ چمڑا پکاتی تھیں۔ اور اس کی آمدنی راہ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں[2]۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے جب مقررہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۰۸ [2] اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۶۳ [3] [illegible] جلد ۲ صفحہ ۲۰۱

وظیفہ بارہ ہزار درہم آپ کے پاس آتا تو آپ قبول نہ فرماتیں۔ صرف ایک مرتبہ قبول فرماتے اور وہ حاجت مندوں اور اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دیئے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت کا شوق ہر وقت آپ پر غالب رہتا تھا۔ خدا سے بہت ڈرتی تھیں۔ اور اٹھتے بیٹھتے آپ کے لبوں پر تسبیح و تہلیل کے الفاظ جاری رہتے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے معاملاتِ دین، زہد و تقویٰ، صداقت و دیانت، صلۂ رحمی اور سخاوت و ایثار میں زینبؓ سے بڑھ کر کوئی عورت نہیں دیکھی۔ حضرت ام سلمہؓ ارشاد فرماتی ہیں،

کانت زینب صالحۃ صوامۃ قوامۃ	ترجمہ:۔ زینب نہایت نیک، روزہ دار اور شب بیدار تھیں۔ (زرقانی)

وفات:۔

آپ ۵۳ سال کی عمر پا کر حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت ۲۰ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ نے وفات سے پہلے اپنا سب کچھ خیرات کر دیا۔ صرف ایک مکان باقی تھا جو خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اپنے دور حکومت میں آپ کے اعزہ سے پچاس ہزار درہم کا خرید کر مسجد نبوی میں شامل کیا۔ آپ کے جنازہ کی نماز حضرت عمرؓ نے پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن!

نکتہ:۔ حضرت زینبؓ سے نکاح کرنے میں آنحضرتؐ کی یہ مصلحت تھی کہ اسلام میں منہ بولا کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔ اور اسلامی نسلی امتیاز کوئی چیز نہیں جس وجہ سے زیدؓ نے طلاق دی تھی اس کے پیش نظر غالباً کوئی قریشی زینبؓ سے نکاح نہ کرتا۔ اس لئے حضورؐ نے اپنی بنت عمہ کی دلجوئی کے لئے آپؐ نے نکاح کر لیا۔

(۸)

ام المومنین حضرت جویریہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- کانت جویریۃ علیھا حلاوۃ وملاحۃ لا یکاد یراھا احدٌ الا وقعت فی نفسہ (حضرت عائشہؓ)

ترجمہ: جویریہ میں حلاوت و ملاحت دونوں وصف تھے جو شخص ان کو دیکھتا اپنے دل میں جگہ دیتا۔"

۲- حضرت جویریہؓ جب اسیری میں مسلمانوں کے پاس تھیں تو آپ کے باپ لینے کے لئے آئے۔ مگر بادۂ توحید سے سرشار بیٹی نے صاف انکار کر دیا اور راہِ ہدایت کی بے سروسامان زندگی کے لئے رئیسانہ ٹھاٹھ و زندگی کو ٹھوکر مار دی۔

۳- آپ کو ہر وقت یہ خیال رہتا تھا۔ کہ آنحضرتؐ کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

نام و نسب :-

آپ کا نام جویریہؓ تھا۔ اور آپ بنی خزاعہ کے قبیلہ مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے :-
جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ ابن مصطلق

ابی ضرار
حارث — صفوان
جویریہؓ — مسافع
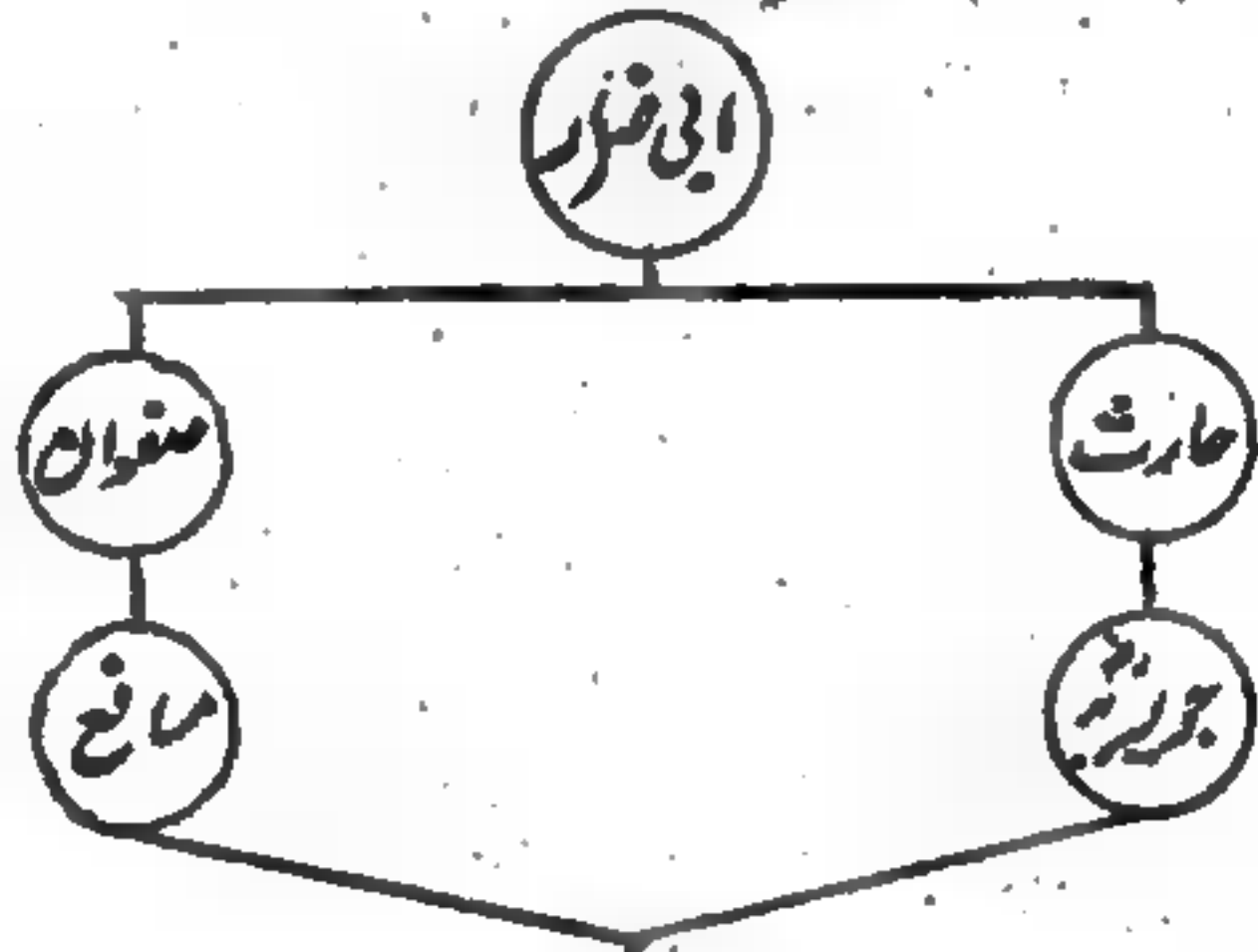
پہلا نکاح :-

حضرت جویریہؓ کا پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی مسافع ابن صفوان مصطلقی سے ہوا۔ جو ابن ذی الشفر کے نام سے زیادہ مشہور تھا۔

آنحضرتؐ سے نکاح :-

غزوہ مریسیع جس کا دوسرا نام بنی مصطلق کی جنگ ہے ۵ ھ

میں ہوا۔ اور اس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ حضرت جویریہؓ اس جنگ کی غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ اور جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی۔ تو آپ ثابتؓ بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ چونکہ آپ سردار قبیلہ کی بیٹی اور نہایت نازک مزاج اور خوردہ تھیں اس لئے آپ نے کونڈی بن کر رہنا گوارا نہ کیا۔ اور ثابتؓ بن قیس سے مکاتبت کی درخواست کی جب وہ رضامند ہو گئے۔ تو آنحضرتؐ کے پاس زر کتابت کے لئے حاضر ہوئیں۔ قبیلہ بنو مصطلق کے سو سے زیادہ خاندان قید میں تھے۔ آنحضرتؐ کے قلب نازک پر بنی نوع انسان کے اتنے خاندانوں کی اسیری کا ایک بڑا بھاری بوجھ تھا۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی رہائی کے لئے یہ تدبیر کی۔ کہ حضرت جویریہؓ کا زر کتابت اپنی طرف سے ادا کر کے آپ کو نکاح کا پیغام دے دیا۔ حضرت جویریہؓ نے بخوشی قبول کیا۔ اور نکاح ہو گیا۔

اب بنی مصطلق کے لوگ اس نکاح کے بعد حضورؐ کے تعلق دار بن چکے تھے اس لئے مسلمانوں نے ان سب کا قید رکھنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان سب کو رہا کر دیا۔ اس طرح ایک سو سے زائد خاندان آزادی کی دولت سے بہرہ مند ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ حضرت جویریہؓ کو اس بات پر مستحق تحسین قرار دیتی ہیں۔ کہ ان کی وجہ سے ان کے خاندان کو قید و بند کی مصائب سے آزادی ملی۔

آنحضرتؐ کے نکاح میں آنے کے کچھ دن بعد ان کے والد حارث بن ابی ضرار جن کو اس بات کا علم نہ تھا۔ کہ وہ آنحضرتؐ کے حبالہ نکاح میں آ چکی ہیں۔ اموال و اسباب اونٹوں پر لاد کر اپنی بیٹی کی رہائی کے لئے مدینہ روانہ ہو گئے۔ رستے میں

عقیق کے مقام پر قیام کیا اور اونٹوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ ان میں سے دو اونٹ ان کو بہت اچھے معلوم ہوئے۔ اس لیے ان کو کسی گھاٹی میں چھپا دیا۔ اور باقی اونٹوں اور مال اسباب کو لے کر مدینہ پہنچے۔ اور آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچکر عرض کرنے لگا۔ اے پیغمبر اسلامؐ! آپ میری بیٹی کو گرفتار کر کے یہاں لے آئے ہیں یہ تمام اونٹ اور مال اسباب جو میں ہمراہ لایا ہوں قبول فرمائیے۔ اور میری بیٹی کو رہا کر دیجئے۔ آپ نے اس کی درخواست سنکر فرمایا "وہ دو اونٹ بھی لاؤ جو تم عقیق کی گھاٹی میں چھپا آئے ہو"

حارث پر آنحضرتؐ کی اس بات کا گہرا اثر ہوا کہ وہ فی الفور مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی بیٹی جس کی رہائی کے لیے اس نے اس قدر محنت و مشقت برداشت کی ہے۔ مسلمان ہو کر آنحضرتؐ سے شرف زوجیت حاصل کر چکی ہے۔ تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور بڑی مسرت کے ساتھ اپنے قبیلے میں واپس چلا گیا۔ اور تبلیغ اسلام کرنے لگا۔

فضائل:۔

حضرت جویریہؓ کے علم و فضل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مجاہدؒ جیسے بزرگ ترین صحابہ اور تابعین آپ کے شاگردوں کی جماعت میں داخل تھے۔ اور آپ سے دفتر احادیث میں کئی حدیثیں منقول ہیں۔ جس سے آپ کا فضل و کمال ثابت ہوتا ہے۔

بعض سیرت نگاروں نے کہا ہے۔ کہ حضرت جویریہؓ کا پہلا نام برہ تھا۔ آنحضرت

بدل کر جویریہؓ رکھا۔ حضرت جویریہؓ کی عمر آنحضرتؐ سے شرف نکاح حاصل کرتے وقت بیس سال کی تھی۔

اخلاق و عادات :۔

آپ بہت خود دار تھیں۔ عزت نفس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی آزادی کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ آپ کو زہد و عبادت کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک شب آنحضرتؐ بیدار ہوئے۔ تو آپؐ نے حضرت جویریہؓ کو مصلے پر بیٹھے دیکھا۔ حضورؐ نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ اور چاشت کے وقت واپس آئے تو اُن کو اسی طرح بیٹھے اللہ کرتے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا، جویریہؓ میں تم سے پیچھے مسجد میں گیا۔ اور جلدی واپس آ گیا۔ لیکن میں نے ایسے کلمات کہے ہیں جن کی قدر و منزلت تمہارے ان طویل اوراد سے زائد ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت جویریہؓ کو یہ کلمات سکھائے :۔

سبحان اللہ عدد خلقہ سبحان اللہ رضاء نفسہ سبحان اللہ زنۃ عرشہ سبحان اللہ مداد کلماتہٖ	ترجمہ :۔ اللہ پاک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے تعداد اس کی مخلوقات کے اور تعداد اسکی مرضیات کے اور بقدر وزن اسکے عرش کے اور بقدر اسکے کلمات کے۔

حضرت جویریہؓ کو روزے رکھنے کا بہت شوق تھا۔ ہر ہفتہ میں جمعرات اور جمعہ کو روزے رکھا کرتی تھیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے روزے رمضان المبارک کے علاوہ سال کے دوران میں رکھا کرتی تھیں۔ ابن سعدؒ کی روایت ہے کہ ایک بار جمعہ کے دن آنحضرتؐ حضرت جویریہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اس دن وہ روزہ سے تھیں۔ حضورؐ چونکہ ایک

لہ ترمذی شریف و اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۲

روزہ رکھنا مکروہ خیال فرماتے تھے۔ اس لئے دریافت کیا: تم نے کل روزہ رکھا تھا، بولیں، نہیں۔ حضورؐ نے پھر فرمایا، کل ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا، نہیں، ارشاد ہوا تو تم افطار کر لو۔

اس کے بعد حضرت جویریہؓ صرف جمعہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا کرتیں۔ اور فرمایا کرتیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا اکیلا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ پہلے یا پیچھے ایک اور دن کا روزہ ملا لینا چاہیئے۔

وفات :-

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بعمرہ ۶۵ سال ربیع الاول سنہ ۵۰ھ میں وفات پائی۔ اس وقت حضرت امیر معاویہؓ کا عہد حکومت تھا۔ مدینہ کے حاکم مروان بن حکم نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

(انا للّٰہ و انا الیہ راجعون)

(۹)

ام المومنین حضرت اُم حبیبہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- ہجرت کر کے حبشہ جانے کے بعد حضرت ام حبیبہؓ کے خاوند نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ اور آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی۔ لیکن حضرت ام حبیبہؓ نے غریب الوطنی کے باوجود مرتد ہونے سے انکار کر دیا۔ اور سختی کے ساتھ راہِ ہدایت پر گامزن رہیں۔

۲- مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت ام حبیبہؓ کو دوسروں سے زیادہ تکالیف کا شکار ہونا پڑا۔ باپ اور دیگر رشتہ دار خون کے پیاسے ہو گئے۔ فاقہ و افلاس اور مصیبت و بے چارگی نے گھیر لیا۔ مگر ایمان و استقامت کی اس پیکر نے خندہ پیشانی سے تمام مظالم برداشت کیے۔ مگر حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

نام و نسب :- آپ کا نام رملہ اور کنیت ام حبیبہؓ تھی۔ والد کا نام ابو سفیان بن حرب تھا۔ اور والدہ صفیہ بنت ابو العاص حضرت عثمانؓ کی سگی پھوپھی تھیں۔ آپ مکہ کے مشہور سردار ابو سفیانؓ بن حرب کی بیٹی اور جلیل القدر صحابی رسول اللہ صلعم حضرت امیر معاویہؓ کی بہن تھیں۔ اور آپ کا نسب قصی بن کلاب پر آنحضرت کے نسب مبارک سے مل جاتا ہے۔

عبد مناف

ہاشم — عبد شمس

عبد المطلب — ابو العاص — حرب

عبد اللہ — صفیہ — ابو سفیان

حضرت محمدؐ

ام حبیبہ — امیر معاویہ[1]
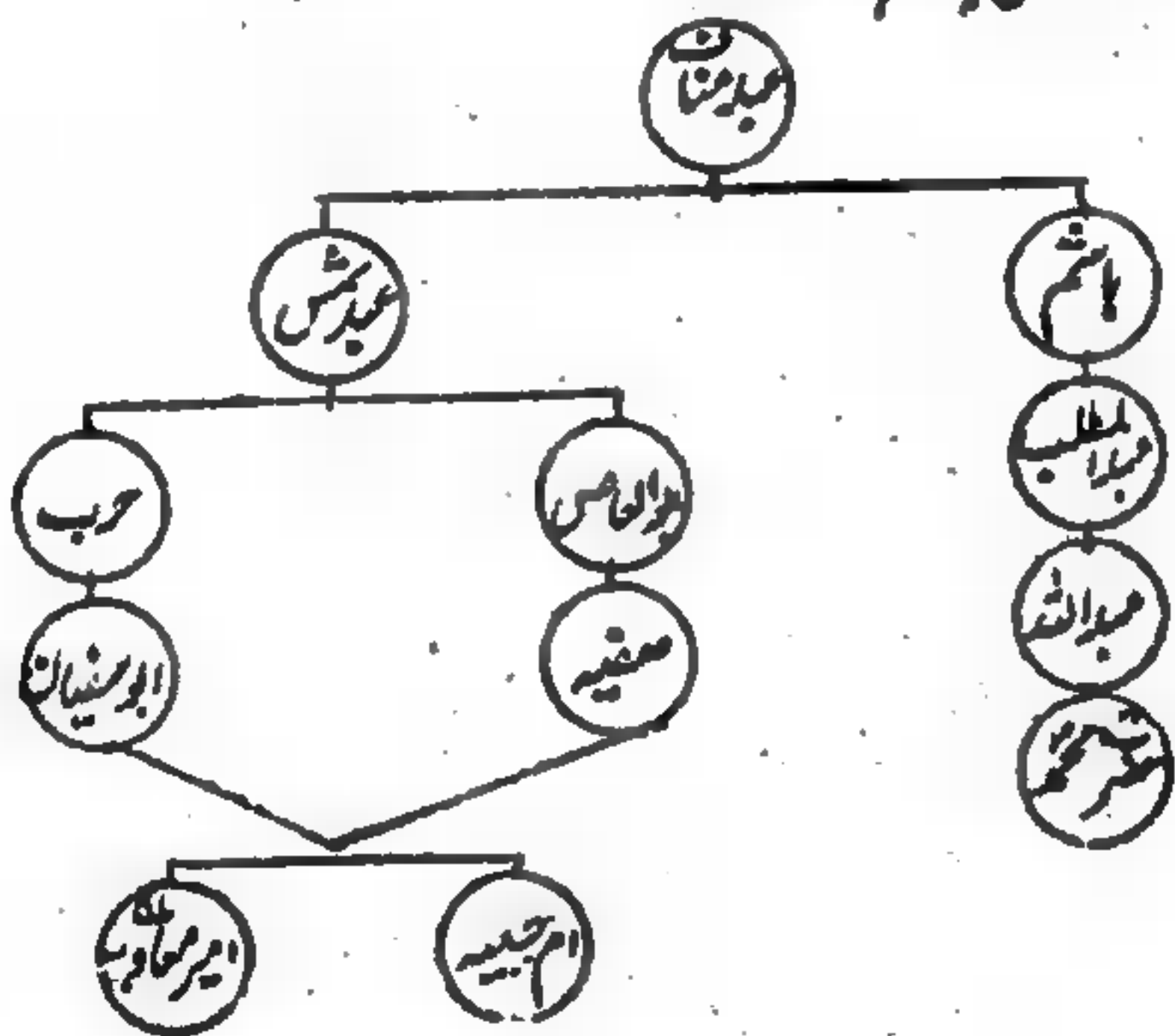
ولادت :-

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے سترہ سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ اور خاندان کے رسم و رواج کے مطابق تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی شجاعت اور بہادری عرب کا خاصہ ہے اور اس معاملہ میں آپ کے خاندان کو جو امتیاز

[1] حضرت معاویہ کی والدہ کا نام ہندؓ تھا

اور فوقیت حاصل تھی۔ وہ اوروں کو نصیب نہ تھی۔ حضرت ام حبیبہؓ چونکہ اسی خاندان میں پروان چڑھی تھیں۔ اس لئے آپ کے اندر بھی شجاعت کا وصف نمایاں طور پر موجود تھا۔

پہلا نکاح :-

آپؓ کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا۔ جو بنو اسد بن خزیمہ کے خاندان سے تھے۔ اور حرب بن امیہ کے حلیف تھے۔ بڑے نیک سیرت اور پاک طینت بزرگ تھے۔ یوں تو آپ بہت سی صفات کے حامل تھے۔ مگر سب سے زیادہ جو وصف آپ کے اندر غالب تھا۔ وہ قبول حق اور استقامت علی حق تھا یعنی حق کی بات کو ایک دفعہ قبول کرنے کے بعد اس سے روگردانی نہیں کرتے تھے۔ خواہ انہیں کتنی بھی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے۔ ان کی تمام زندگی اسی قسم کے واقعات سے لبریز تھی۔

اسلام اور ہجرت :-

آپ قدیم الاسلام تھیں۔ آپ کے خاوند بھی مسلمان ہو گئے۔ تو دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ لیکن آپ کے خاوند کو شراب کی لت تھی۔ وہ حبشہ میں عیسائیوں کے پاس بیٹھ بیٹھ کر پھر عیسائیت کی طرف راغب ہو گئے۔

خدا کی شان! ایک رات حضرت ام حبیبہؓ نے خواب میں اپنے خاوند کو بہت بدنما صورت میں دیکھا تو بہت گھبرائیں اور دل میں کہنے لگیں کہ یقیناً ان کا انجام خراب ہوگا۔ صبح ہوئی تو عبیداللہ کہنے لگا "ام حبیبہؓ! میں نے مذہب کے معاملہ میں غور کیا۔ تو مجھے نصرانیت سے بہتر کوئی مذہب نہیں معلوم ہوا اگر میں

پہلے مسلمان ہو چکا ہوں۔ لیکن اب پھر عیسائی ہوتا ہوں۔"
حضرت ام حبیبہؓ نے بہت ملامت کی۔ اور اپنے خواب کا ماجرا بیان کر کے ان کو ڈرانا چاہا۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا۔ اس کے بعد آخری دم تک عیسائی رہا۔ اور رندانہ زندگی بسر کرتا ہوا۔ حبشہ ہی میں شراب کی مستی کے عالم میں مر گیا۔

آنحضرتؐ سے نکاح:

حضرت ام حبیبہؓ نے اس سے پہلے ہی علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اور پردیس میں عزلت نشینی کے دن گزارنے لگی تھیں۔ عدت کے دن پورے ہونے کو آئے تھے کہ خواب میں انہیں کسی نے ام المومنین کے لقب سے پکارا۔ اس خواب سے ان کے دل سے غم و اندوہ کا بوجھ کسی قدر ہلکا ہو گیا۔ اور اس کے ظہور کا انتظار کرنے لگیں۔

ادھر جب آنحضرت ام حبیبہؓ کی استقامت دین کا حال معلوم ہوا تو آپ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے دربار میں ان کے لئے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا۔ نجاشی نے اسی وقت اپنی ایک لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے حضرت ام حبیبہؓ کے پاس آنحضرتؐ کا پیغام پہنچایا۔ جس سے وہ اس قدر خوش ہوئیں۔ کہ آپؓ نے اس کو چاندی کے دو کنگن، پاؤں کے چھلے، اور ہاتھوں کی انگوٹھیاں عنایت کیں۔ اور اس تقریب کے لئے خالد بن سعید کو اپنا وکیل مقرر کیا۔

خالد بن سعید نے نجاشی کے دربار میں پہنچکر ام حبیبہؓ کی رضامندی سے اس کو مطلع کیا جس پر نجاشی نے اسی وقت حضرت جعفرؓ طیار اور چند اور مسلمانوں

کو بلا کر چار سو دینار حق مہر پر نکاح پڑھوا دیا۔ اور حق مہر کی رقم اپنی طرف سے حضرت خالد بن سعیدؓ کو ادا کر دی۔ جب لوگ اٹھ کر جانے لگے۔ تو اس نے ان کو روک لیا۔ اور کہا کہ انبیاء کی سنت ہے۔ نکاح کے بعد کھانا کھلاتے ہیں۔ چنانچہ نجاشی نے سب حاضرین کی پر تکلف دعوت کی۔ اور پھر جلدی سے حضرت ام حبیبہؓ کو چند تحائف سمیت آنحضرتؐ کے پاس مکہ مکرمہ میں بھیج دیا۔

حضرت ام حبیبہؓ کا یہ نکاح سنہ ۶ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۶ سال کی تھی۔ جب آپؓ مدینہ کی بندرگاہ پر اتریں۔ ان دنوں آنحضرتؐ غزوہ خیبر کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

آنحضرتؐ سے محبت :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ کہ "کوئی مسلمان اس وقت تک صحیح معنوں میں مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کے دل میں میری محبت اس کے والدین اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہو" حضرت ام حبیبہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان کی منہ بولتی تصویر تھیں۔

ایک دفعہ آپؓ کے والد ابو سفیان کو حالت کفر میں کسی سیاسی کام کے لئے مدینہ جانا پڑا۔ جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوئے تو اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کو دیکھنے کو بھی جی چاہا۔ چنانچہ وہ بڑے اشتیاق سے ان کے گھر گئے اور جب مکان کے اندر داخل ہوتے تو انہوں نے ایک بستر بچھا ہوا دیکھا۔ ابوسفیان اس بستر پر بیٹھنے کے لئے آگے بڑھے۔ حضرت ام حبیبہؓ یہ دیکھ کر قریب آئیں۔ اور

باپ کی دل شکنی یا ناراضگی سے بالکل بے پرواہ ہو کر آپ نے۔ بچھونا اُلٹ دیا۔ یعنی بستر کو تہہ کر دیا۔ ابوسفیان سخت شرمندہ ہوئے۔ اور ناراض بھی تھے۔ چنانچہ کھسیانے سے ہو کر کہنے لگے کہ :۔

”بیٹی ! میں یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ تم مجھے بستر سے دور رکھنا چاہتی ہے یا بستر کو مجھ سے ؟“ حضرت ام حبیبہؓ نے بے دھڑک ہو کر جواب دیا کہ :۔

”یہ میرے آقا اور محبوب خداؐ کا پاک بستر ہے۔ اور تم ابھی کفر و شرک کی نجاست سے آلودہ ہو۔ اس لئے میں نے یہ گوارا نہیں کیا۔ کہ تم اس بستر پر بیٹھ کر اسے ناپاک کر دو۔“

ابوسفیان شرمندہ سے ہو گئے اور کہنے لگے ”تو میرے بعد بہت سی خرابیوں میں مبتلا ہو گئی ہے“۔ وہ صرف اسی قدر کہہ سکے۔ اور حجرے سے باہر نکل گئے۔

اخلاق :۔

حضرت ام حبیبہؓ بہت عابدہ و زاہدہ تھیں۔ فرضی نمازوں کے علاوہ نوافل کی بھی بہت دلدادہ تھیں۔ ایک بار آپ نے آنحضرتؐ سے سنا کہ جو شخص بارہ رکعت نفل روزانہ پڑھے اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ آپ نے اس کے بعد زندگی بھر یہ نفل نہ چھوڑے۔ اور سفر و حضر دکھ سکھ میں ان کو پابندی سے ادا کرتی رہیں۔ اس کے علاوہ آپ بڑی فاضل اور کامل الاوصاف تھیں۔

وفات :۔

آپ نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں ۷۳ برس کی عمر پا

سـ۲۲ـھ یاسـ۲۴ـھ میں انتقال کیا۔ اور مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ وفات کے وقت دوسری ازواج مطہرات کو جو اس وقت موجود تھیں آپ نے بلایا اور کہنے لگیں،

"ہمارے درمیان سوکنوں کے تعلقات تھے۔ اگر مجھ سے کوئی ایسی بات ہو گئی ہو۔ جو آپ میں سے کسی کی طبیعت کو ناگوار گزری ہو۔ تو معاف کر دیں۔ اور میرے لئے دعا کریں"!

سب ازواج نے کہا "ہمیں آپ سے کوئی شکایت نہیں" اس کے بعد انہوں نے آپؓ کے لئے دعائے مغفرت کی۔ جس سے حضرت ام حبیبہؓ اس قدر خوش ہوئیں کہ فرمایا۔

"آپ نے مجھے خوش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش کرے۔"

انا للہ و انا الیہ راجعون)

(۱۰)

اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ بنت حُیَی

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت صفیہ بنت حیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبوب رکھتی تھیں۔ چنانچہ آپؐ علیل ہوئے۔ اور تمام ازواج عیادت کے لئے آئیں۔ تو حضرت صفیہؓ بحسرت کہنے لگیں، یا نبی اللہؐ! کاش آپ کی تمام تکلیفیں مجھے مل جائیں۔" یہ سن کر اور بیویاں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا، واللہ وہ سچی ہے۔

۲- آپ بے انتہا سیر چشم اور فیاض تھیں۔ اور دیگر ازواج کی طرح علمی خصوصیات کا بھی مخزن تھیں۔ اکثر لوگ آپ سے مسائل پوچھتے۔ اور اطمینان حاصل کرتے تھے۔

۳- آپ میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا فطری جذبہ تھا۔

۴- غزوہ خیبر میں حضرت صفیہ کے عزیز و اقارب قتل ہو چکے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے انہیں کسی کی لونڈی کہلانے کی ذلت سے بچا لیا۔ اور ام المومنین کا درجہ عطا کیا۔

نام و نسب :-

آپ کا نام صفیہ تھا - اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برادر اکبر حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں - اس لئے آپ کو صفیہ بنت حیی اسرائیلیہ کہتے تھے - آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے :-

صفیہ بنت حیی بن اخطب بن سعید بن عامر بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن النضیر بن نحام بن ینحوم

آپ کی والدہ کا نام برہ بنت سموال تھا - اور ان کا سلسلہ نسب مدینہ کے مشہور یہودی قبیلہ بنو قریظہ سے ملتا تھا - گویا حضرت صفیہؓ کا ددھیال بنو نضیر اور ننھیال بنو قریظہ سے تھا -

آپ کے باپ اور دادا دونوں اپنی قوم کے معزز اور باوقار سردار تھے اور بنی اسرائیل کے عربی قبائل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے - قوم کے تمام افراد ان کی عزت و وجاہت کی وجہ سے ان کے آگے سر جھکاتے تھے - آپ کی والدہ

برہ کے باپ سموال سارے جزیرہ نمائے عرب میں اپنی بہادری اور دلیری کے لحاظ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ غرضیکہ حضرت صفیہؓ کا حسب و نسب خاص امتیاز کا حامل تھا۔

پہلا نکاح :۔

آپ کا پہلا نکاح بنو قریظہ کے ایک رئیس سلام بن مشکم سے ہوا جو ایک مشہور شاعر اور سردار تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد کسی وجہ سے طلاق ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے کنانہ بن ابی الحقیق سے نکاح کیا۔ جو خیبر کے مشہور سنگین و مستحکم قلعہ قموص کا بہت معزز اور ذی وجاہت سردار تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی اور حیدر کرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خارا شگاف ذوالفقار نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ تو اس معرکہ میں کنانہ مارا گیا۔ اور اس کا تمام خاندان جس میں حضرت صفیہؓ بھی شامل تھیں۔ قید ہو کر آ گیا۔ حضرت صفیہؓ کے والد اور بھائی بھی میدان جنگ میں کام آ گئے تھے۔ اس لئے آپ کی حالت بہت قابل رحم ہو گئی تھی۔

آنحضرتؐ سے نکاح :۔

جنگ ختم ہونے کے بعد جب تمام قیدی اور مال و اسباب ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔ اور اس مال غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی۔ تو حضرت دحیہؓ نے آنحضرتؐ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ دحیہؓ! ان میں سے منتخب کر لو۔ اور جسے تمہارا دل چاہے اسے لے جاؤ۔ دحیہؓ نے حضرت صفیہؓ کو پسند کیا۔ لیکن حضرت صفیہؓ چونکہ ذاتی

وجاہت اور خاندانی وقار و عظمت کی وجہ سے ایک بلند مرتبہ خاتون تھیں اس لیئے صحابہ کرامؓ نے حضرت صفیہؓ کی تالیف قلب کے لیئے عرض کیا کہ حضورؐ! دحیہؓ کو کوئی اور لونڈی عطا فرما دیں، اور صفیہؓ کو آپ ام المومنین بنانے کی عزت بخشیں۔"

آنحضرتؐ نے مصلحت وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے صحابہؓ کا یہ مشورہ قبول فرما لیا۔ اور حضرت صفیہؓ کو اپنے نکاح میں لینے کا شرف عطا فرمایا۔ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا۔ مدینہ میں پہنچکر آنحضرتؐ نے حضرت صفیہؓ کو اپنے مخلص، جانثار اور خدا کار صحابی حضرت حارثؓ بن لقمان کے گھر میں ٹھہرایا۔ حضرت حارثؓ کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ چنانچہ اس موقع پر انہوں نے آنحضرتؐ اور ام المومنین حضرت صفیہؓ کی خدمت کر کے اپنے دل کی حسرت خوب نکالی ؟

اخلاق و عادات:۔

حضرت صفیہؓ نہایت حلیم الطبع اور نرم مزاج تھیں۔ آپ کو اپنے جذبات و احساسات پر پورا پورا قابو حاصل تھا۔ اور بڑے بڑے حوصلہ شکن اور صبر آزما مواقع پر بھی ضبط و اختیار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتی تھیں۔ چنانچہ جنگ خیبر کے بعد آنحضرتؐ نے جب حضرت بلالؓ کو فرمایا کہ انہیں ازواج مطہراتؓ کی قیام گاہ پر چھوڑ آئیں۔ تو حضرت بلالؓ غلطی سے آپ کو اس طرف سے لے گئے۔ جہاں میدان میں مقتول یہودیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ انہی لاشوں میں حضرت صفیہؓ کے خاندان

باپ اور بھائی کی بھی لاشیں پڑی تھیں - جو رستہ چلتے ہوئے حضرت صفیہ رض کو نظر بھی آ گئیں - یہ موقع جس قدر صبر آزما اور رقت انگیز ہو سکتا ہے - اس کا اندازہ لگانا امر محال ہے لیکن حضرت صفیہ رض نے ایسے ضبط و صبر کا ثبوت دیا کہ حضرت بلال رض کو اس بات کا احساس ہی نہ ہونے دیا جس سے ظاہر ہو کہ حضرت بلال رض آپ کو ایسے منظر میں لے جا رہے ہیں جو آپ کے لیے انتہائی حزن و وحشت انگیز اور دردناک ہے۔

آنحضرت سے محبت :-

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت نے شدت اختیار کی اور ازواج مطہرات بیمار پرسی کے لیے آئیں تو حضرت صفیہ رض نے بڑی حسرت و بیتابی سے کہا :

"میرے سرتاج! کاش آپ کی تمام تکالیف مجھے مل جاتیں اور آپ بالکل صحت یاب ہو جاتے"

یہ سنکر اور بیویاں ایک دوسری کو دیکھنے لگیں - اور بعض نے اسے مبالغہ سمجھا تو حضور نے فرمایا، "خدا کی قسم صفیہ سچ کہتی ہے" (زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۹۶)

اوصاف و فضائل :-

حضرت صفیہ رض بے انتہا سیر چشم اور دریا دل تھیں - آپ میں فیاضی کا جوہر اس قدر تھا - کہ آپ کے پاس جو کچھ بھی آتا وہ بے تامل اور بڑی خوشی سے لوگوں کو تقسیم فرما دیتیں - دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا جذبہ آپ میں فطرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا - تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں - کہ حضرت صفیہ رض

بہت عاقل، فاضل اور دانشور خاتون تھیں نادر علوم دینیہ کی بھی بڑی عالمہ تھیں۔ اسلام کا تقدس حاصل ہونے کے بعد آپ کے لئے یہودیت کا طعن سخت ناگوار اور دل خراش ہوتا تھا۔ بعض اوقات جب ان پر اس قسم کا طنز کیا جاتا تو بہت رنجیدہ ہوتیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں۔ حضورؐ نے رونے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا:۔

"عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ وہ تمام ازواج میں افضل ہیں۔ کیونکہ وہ بیوی ہوتے کے علاوہ آپؐ کی چچا زاد بہن بھی ہیں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل جوئی کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:۔

"تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ ہارون علیہ السلام، میرے چچا موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر محمدؐ ہیں اس لئے تم لوگ مجھ سے افضل کیونکر ہو سکتی ہو؟"[1]

اس حدیث میں روایتاً تو کوئی کلام نہیں اور ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہو۔ تمام اہل سیر مثلاً ابن سعد، حافظ ابن حجر وغیرہم اپنی تصانیف میں اسے نقل کرتے ہیں۔ لیکن روایتاً البتہ اس کے متعلق امام ترمذی کی رائے ہے کہ

"یہ حدیث غریب ہے۔ ہاشم کوفی کے سوا اور کسی سے نہیں سنی گئی اور اس کی سند کچھ ایسی نہیں ہے"[2]

---

[1] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۶۳ [2] ترمذی شریف۔

تمام ارباب سیر حضرت صفیہؓ کے محاسن اخلاق کے ثنا خواں ہیں۔ علامہ ابن عبد اللہ لکھتے ہیں:-

كانت صفية حليمة عاقلة فاضلة | ترجمہ:- "صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں" (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۶۳)

ابن اثیر کی رائے ہے کہ:-

كانت عاقلة من عقلاء النساء | ترجمہ:- "وہ نہایت عقلمند عورت تھیں" (اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۴۹)

حضرت صفیہؓ دیگر ازواج کی طرح علمی خصوصیات کا بھی مخزن تھیں۔ اکثر لوگ آپ سے مسائل پوچھتے اور اطمینان حاصل کر کے جاتے تھے۔ صہیرہ بنت حیفر جب حج سے فارغ ہو کر حضرت صفیہؓ سے ملنے کے مدینہ آئیں تو دیکھا کہ کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کیلئے ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور آپ سب کے سوالات کا جواب نہایت حسن کے ساتھ دے رہی تھیں (مسند ابن حنبل ج ۳ صفحہ ۲۳۷) آپ کے در اقدس پر مسائل پوچھنے والی عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ امام زرقانی آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

كانت صفية عاقلة - ترجمہ:- "حضرت صفیہ عقلمند تھیں"

وفات: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے سنہ ۵۰ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات سے قبل آپ نے وصیت کی تھی کہ میری متروکہ املاک کا ثلث میرے بھانجے کو دے دیا جائے۔ چونکہ آپ کا بھانجا یہودی تھا اس لئے لوگوں نے وصیت پوری کرنے میں تامل کیا۔ لیکن جب حضرت عائشہؓ نے کہلا بھیجا کہ لوگو! اللہ سے ڈرو اور صفیہ کی وصیت پوری کرو۔ تو پھر آپ کی وصیت کی تعمیل ہوئی۔[۱]

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۲۔

(۱۱)

ام المومنین حضرت ریحانہ بنت شمعون

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

۱۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سرِ مجلس تشریف فرما تھے۔ کہ یکایک کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ ثعلبہ بن شعبہ ہے مجھے ریحانہ کے اسلام کی بشارت دینے آتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اور رسول اللہ صلعم نے ریحانہ کو بطور ملک اپنے پاس رکھا نکاح نہیں کیا۔

۲۔ حضرت ریحانہؓ بڑی ذہین، عقلمند اور نکتہ شناس تھیں۔ سرورِ کونینؐ کی خدمت کو ہر بات سے عزیز رکھتی تھیں۔ اور اس پر بڑا فخر محسوس کرتی تھیں۔

نام و نسب :-

آپ کا نام ریحانہ تھا - اور یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنی نضیر سے تعلق رکھتی تھیں - آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے :-

ریحانہ بنت شمعون بن زید - لیکن بعض ارباب تحقیق نے یوں بیان کیا ہے :-

ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ بن شمعون بن زید[۱]

نکاح :-

آپ کا نکاح پہلے بنی قریظہ کے ایک شخص حکم سے ہوا - جب مسلمان بنو قریظہ پر غالب آئے اور ان کے اموال و املاک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا - تو مال غنیمت کے ساتھ حضرت ریحانہؓ بھی اسیران جنگ کے زمرے میں آئیں چند روز تک ام المنذر بنت قیس کے گھر میں آپ کو ٹھہرایا گیا - اور اس کے بعد جب مال غنیمت کی تقسیم اور قیدیوں کا فیصلہ ہو گیا - تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور آپ سے فرمایا :-

ریحانہ ! اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کو اختیار کرو تو میں تم کو اپنے

لئے مناسب سمجھتا ہوں۔"

ریحانہؓ نے منظور کیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے آپؓ کو آزاد کر کے بارہ اوقیہ ایک نش مہر دے کر نکاح کر لیا۔ جو دیگر ازواج کا مہر تھا اور اس کے بعد ام المنذر کے گھر سے رخصت کرا لائے۔[1]

اس نکاح میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ صرف ابن سعد نے متعدد طریقوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ریحانہ کو آزاد کر کے حبالۂ نکاح میں لیا۔ ان پر پردہ عائد کیا۔ اور بیویوں کی طرح رکھا حافظ ابن حجر کا بھی اسی طرف رجحان ہے۔ ان دو مؤرخوں کے سوا دیگر ارباب سیر بالاتفاق حضرت ریحانہؓ کا وہی رتبہ سمجھتے تھے جو ماریہ قبطیہ کا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ آنحضرتؐ کی خادمہ تھیں۔ بیوی نہ تھیں۔

ابن سعد کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ریحانہؓ آنحضرت کے حصہ میں آ گئیں تو آپؐ نے ان کو اختیار دیا کہ خواہ مسلمان ہو جائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ ریحانہؓ نے کہا کہ میں اپنے مذہب پر قائم رہوں گی۔ اس پر رسول اللہؐ کو قلق ہوا۔ اور دوبارہ آپ نے فرمایا کہ اگر تو مسلمان ہو گئی تو میں تجھ کو اپنے پاس رکھونگا مگر وہ اب بھی راضی نہ ہوئیں۔ یہ بات آپؐ کو گراں گزری۔ ایک دن حضورؐ سر مجلس تشریف فرما تھے کہ یکا یک کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ آپؐ نے فرمایا یہ ثعلبہ بن شعبہ ہے مجھے ریحانہ کے اسلام کی بشارت دینے آتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اور آپؐ نے ریحانہ کو بطور ملک اپنے پاس رکھا نکاح نہیں کیا۔

آپؐ ریحانہؓ سے محبت کی وجہ سے ان کا بڑا خیال رکھتے۔ ریحانہؓ بڑی ذہین، عقلمند، نکتہ شناس تھیں۔ حضورؐ کی خدمت گزار تھیں اور آپ پر بڑا فخر کرتیں۔

وفات:۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت ریحانہ محرم ۶ھ میں حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ اور ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق حضورؐ کی وفات سے دس سال پہلے انتقال کر گئیں (انا للہ وانا الیہ راجعون)

۱۲

ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت میمونہ رض نہایت صحیح العقیدہ اور راسخ الخیال خاتون تھیں۔ اور امورِ زاہی کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اور اس بارے میں بہت سخت تھیں۔

۲- حضرت عائشہ رض کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: میمونہ ہم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والی اور صلہ رحم کا خیال رکھنے والی تھیں۔	انہا کانت من اتقانا للہ واوصلنا للرحم

نام و نسب :- پہلے آپ کا نام برہ تھا۔ مگر آنحضرتؐ کے نکاح میں آنے کے بعد میمونہ رکھا گیا۔ آپ کے والد کا نام حارث اور والدہ کا نام ہند تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے :-

ہندہ بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ بن جرش۔

حضرت میمونہؓ کی چار حقیقی بہنیں تھیں اور وہ حسب ذیل ہیں :-

۱- ام الفضل لبابتہ الکبریٰ جو عم رسول اللہ صلعم حضرت عباسؓ کی زوجہ تھیں۔

۲- لبابتہ الصغریٰ - یہ حضرت خالد سیف اللہ بن ولیدؓ کی والدہ تھیں۔

۳- عصماء - یہ ابی بن خلف کے گھر میں تھیں۔

۴- عزہ - یہ زیاد بن عبداللہ بن مالک کے نکاح میں تھیں۔

پہلا نکاح

حضرت میمونہؓ آنحضرتؐ کی زوجیت میں آنے سے پہلے ابورہم کے نکاح میں تھیں۔ اور اس سے پیشتر بھی آپؓ ایک نکاح کر چکی تھیں۔ لیکن اس

خاوند کے نام کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مسعود بن عمرو ثقفی تھا۔ لیکن بعض سیرت نگار اس کا نام حویطب بن عبدالعزیٰ بتاتے ہیں۔ بہرحال سنہ میں جب ابورہم نے وفات پائی اس وقت آنحضرتؐ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ ابورہم کے ہم زلف حضرت عباسؓ عم رسول اللہؐ نے حضورؐ کو میمونہؓ سے نکاح کر لینے کی درخواست کی جسے آنحضرتؐ نے قبول فرمایا، اور حضرت میمونہؓ کو ام المومنین کا درجہ عطا ہوا۔ آنحضرتؐ نے حضرت جعفر طیارؓ بن ابی طالب کے ذریعہ سے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ اور اسی حالت احرام میں جو عمرہ کے لئے حضورؐ نے باندھ رکھا تھا۔ شوال سنہ میں سات سو درہم حق مہر کے عوض نکاح ہوا۔

اخلاق و عادات

آپ نہایت صحیح العقیدہ اور راسخ الخیال خاتون تھیں۔ بہت نرم دل اور حلیم الطبع ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی فیاض اور سخی تھیں اور سنت کی سختی سے پابندی کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ

انھا کانت من اتقانا للہ و اوصلنا للرحم	(ترجمہ) میمونہ ہم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والی اور صلہ رحم کا خیال رکھنے والی تھیں[1]

ایک عورت نے بیماری کی حالت میں یہ منت مانی تھی کہ اگر شفایاب ہو جاؤں گی تو بیت المقدس کی مسجد میں شکرانے کے نوافل ادا کروں گی۔ خدا تعالیٰ نے اس کو شفا دی، تو اس نے اپنی منت پوری کرنے کے لئے سفر کا ارادہ کیا، اور حضرت میمونہؓ سے ملنے آئی۔ آپؓ نے اسے فرمایا، مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ تم مسجد نبوی ہی میں نماز پڑھ لو۔

---

1. طبقات ج ۸ ص ۹۹

تمہاری منت پوری ہو جائے گی۔

آپ خدا تعالیٰ کی راہ میں مال و زر لٹانے کی غرض سے کبھی کبھی قرض بھی لیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ نے بہت زیادہ قرض لے لیا۔ کسی نے پوچھا، اتنا زیادہ قرض کیسے ادا ہو گا؟ آپ نے فرمایا، "جو شخص قرضہ ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا تعالیٰ اس کی ادائیگی کے لئے خود بخود کوئی سبیل پیدا فرما دیتے ہیں۔

حضرت میمونہؓ اوامر و نواہی کی بڑی سختی کے ساتھ پابندی کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی تلقین فرماتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ کا ایک رشتہ دار آپ کے پاس آیا۔ اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ آپ اس پر سخت ناراض ہوئیں، اسے بہت جھڑکا اور آئندہ اس کو اپنے گھر آنے سے روک دیا۔

اوصاف و فضائل

حضرت میمونہؓ سے ۴۶۔ احادیث مروی ہیں اور بعض اصحاب سیر کے قول کے مطابق آپ نے ۷۶ حدیثیں روایت کیں۔ ان احادیث سے آپ کے تفقہ فی الدین کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت ابن عباس، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبدالرحمٰن بن السائب اور یزید بن اصم یہ سب حضرت میمونہؓ کے بھانجے تھے، عبیداللہ الخولانی (ربیب)، ندبہ (کنیز)، عطاء بن یسار، سلمان بن عبداللہ بن عتبہ، عالیہ بنت سبیع نے آپؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ بڑے بڑے صحابہ آپ کے شاگرد تھے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی تمام زندگی فیاضی و سخاوت کے علاوہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نیک اور باکمال صفات کی

کی نشر و اشاعت میں بسر ہوئی۔ اور ان میں جو سب سے اہم اور عظیم الشان جزو تھا۔ وہ سنت نبوی پر عمل اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ایک بات کو پوری سعی و جہد اور مضبوطی سے پھیلانا تھا۔

آپ کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ آپ نے ایک لونڈی کو آزاد کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمائی کہ:۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ تمکو اس کا بہتر اجر عطا فرمائے۔ (مسند احمد جلد ۶ صہ ۳۳۲)	جَزَاکِ اللّٰہُ خَیْرًا

عام حالات

حضرت میمونہؓ کی زندگی سادگی، تقویٰ اور قناعت سے معمور تھی۔ آپ انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھیں۔ اور بے حد رحم دل تھیں۔ ہر لحظہ خدا سے ڈرتے رہنا آپ کا وصف تھا۔ آپ کو ہر قدم پر احکام الٰہی اور ارشادات نبوی کا بہت خیال رہتا تھا۔ اگر کسی کو سنت نبوی کے خلاف کوئی کام کرتے دیکھتیں تو فوراً ٹوک دیتیں، اور پھر بڑے مشفقانہ لہجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھا دیتی تھیں۔

فقہ کے متعلق آپ کو کافی معلومات حاصل تھیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ اکثر اہل علم بزرگ آپ سے فیض حاصل کرتے تھے۔ حضرت میمونہؓ میں انسان دوستی اور رحم و کرم کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اور اسی

جذبہ کا نتیجہ تھا۔ کہ آپ غلاموں کو آزاد کرنے میں دلی خوشی محسوس کرتی تھیں۔
آپ کو علم دین میں جو شعور حاصل تھا، اس کا اندازہ لگانے کے لئے یہ واقعہ
درج کرنا کافی ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ پریشان بالوں سے آپ
کی خدمت میں آگئے۔ آپؓ نے فرمایا کہ بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے
جواب دیا، ام عمار (ابن عباسؓ کی بیوی)، نسوانی امراض میں مبتلا ہے۔ وہی
میرے بالوں میں کنگھی کرتی تھی۔ آپ نے فرمایا، کہ کیا خوب! آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے اور قرآن پڑھتے تھے۔ اور ہم اسی
حالت میں چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے۔ بیٹا! کہیں ہاتھ میں بھی مرض ہوتا
ہے؟

وفات:۔

حضرت میمونہؓ کی وفات سرف کے مقام پر ہوئی۔ خدا کی
شان! یہ وہی جگہ تھی جہاں اس واقعہ سے چوالیس سال پہلے مکہ سے واپسی
پر آپ کی رسم عروسی ادا کی گئی تھی۔ اب ۵۱ھ میں اسی مقام پر آپ کی
وفات ہوئی۔ اور وہی جگہ آپ کا مدفن بن گئی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابن
عباس نے پڑھائی۔

جب آپ کی نعش اٹھائی گئی۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے لوگوں کو مخاطب
کر کے فرمایا:۔

"لوگو! یہ زوجۂ رسول اللہؐ ہیں۔ جن کی حضورؐ کے دل میں بہت زیادہ
قدر و منزلت اور محبت تھی۔ اس لئے جنازہ کو زیادہ حرکت

نہ دو۔ بلکہ ادب کے ساتھ اور آہستہ آہستہ چلو!

حضرت میمونہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری بیوی ہیں یعنی آپ سب ازواج سے آخر حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ لیکن جس طرح آپ کا نکاح سب سے آخر میں ہوا۔ بعض لوگوں کے خیال کے مطابق اسی طرح آنحضرتؐ کی ازواج میں آپ کی وفات بھی سب سے بعد ہوئی۔ لیکن اکثر مورخین کا بیان ہے کہ ام المومنین حضرت جویریہؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ آپ سے بھی بعد میں فوت ہوئیں۔ آپ کا انتقال ۵۱ھ یا ۶۱ھ میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ان مقدس خواتین کو اسلام کی بے مثل تعلیم اور رحمت عالم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ صحبت نے جن اعلیٰ اوصاف سے متصف کیا وہی اوصاف بالآخر پوری انسانی زندگی پر ابر رحمت بن کر چھا گئے۔ اور انہی کی وجہ سے اسلام دنیا کی ناقابل تسخیر طاقت بن گیا۔ آج ہماری خواتین بھی اپنی زندگیوں کو اگر انہی سانچے میں ڈھال لیں۔ اور اپنے اندر وہی پاکیزہ اوصاف پیدا کریں۔ تو امت مسلمہ پھر اپنی تاریخ کو دوہرانے کے قابل ہو سکتی ہے۔ کاش! دور حاضر کی بنات اسلام ان مقدسات کے نقش قدم پر گامزن ہونے کا شوق پیدا کریں۔ جن کی آغوش نے اسلام کو پروان چڑھایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین ۔

نوٹ: تمام ازواج النبیؐ کے حالات سے کیا ثابت ہوا یہی کہ رسول کریم صلعم نے بیوگان سے شادی کا سفر شانے اور ان کی دلدہی اور مختلف قبائل سے تعلق پیدا کر کے اسلام کی ترقی کے لئے یہ رشتے کئے۔ ناشر۔

(۳)

باب سوم

بنات المقدسات

۱۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۔ حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۲۔ حضرت اُمِ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۴۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۲۔ حضرت اُم رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۳۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۴۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱

حضرت زینب

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- آنحضرتؐ نے فرمایا، وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔

۲- سنہ ۶ھ میں جب ابوالعاص دوبارہ گرفتار ہو کر مدینہ آئے تو حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش پر ابوالعاص کو ان کا مال بھی واپس کر دیا گیا۔ ابوالعاص حضرت زینبؓ کے حسن سلوک، مروّت اور نیک دلی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً مکے آکر لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں اور صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔

۳- حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص نے ایک دفعہ شام کے سفر میں دو شعر پڑھے جن کے معنی یہ ہیں:-

"جب میں موضع ارم سے گزرا تو زینبؓ کو یاد کیا اور یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو حرم میں سکونت پذیر ہے یعنی (محمدؐ) کی لڑکی کو خدا تعالیٰ جزائے نیک دے اور ہر شوہر اسی بات کی تعریف کرتا ہے جس کو وہ دیکھتا ہے۔"

ولادت :-

حضرت زینبؓ سرور کونین خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں - یہ بعثت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں - اس وقت حضورؐ کی عمر مبارک تیس سال کی تھی - اس امر میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلعم کی اولاد میں پہلے حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں - یا حضرت قاسمؓ ؟ علمائے نسب کے ایک گروہ کا قول ہے کہ پہلے حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے اور ان کے بعد حضرت زینبؓ ، ابن کلبی کہتے ہیں - کہ پہلے حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں - پھر حضرت قاسمؓ بہرحال حضرت زینبؓ آنحضرتؐ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی صاحبزادی تھیں[1] -

نکاح :-

حضرت زینبؓ کا نکاح ابو العاص بن ربیع سے ہوا - جو آپ کے خالہ زاد بھائی تھے -

---

[1] شجرہ آگے ملاحظہ فرمائیں :-

- قصی
  - عبدالعزیٰ
    - اسد
      - نوفل
        - اسود
          - ہبار
      - خویلد
        - ہالہ
          - ابوالعاص
        - خدیجہؓ
          - زینبؓ
            - علیؓ
            - امامہؓ
      - ام حبیب
        - برہ
          - سیدہ آمنہ
            - محمدؐ
      - مطلب
        - اسود
          - زمعہ
            - یزید
  - عبدمناف
    - ہاشم
      - عبدالمطلب
        - عبداللہ
          - محمدؐ
            - زینبؓ
              - علیؓ
              - امامہؓ
    - عبدشمس
      - عبدالعزیٰ
        - ربیع
          - ابوالعاص

نبوت کے تیرہویں سال جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپؐ کے اہل و عیال مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے تھے۔ جن میں حضرت زینب بھی تھیں۔

مدینہ کو روانگی:-

غزوہ بدر میں آپؓ کے شوہر ابوالعاص کفار کی طرف سے شریک جنگ تھے۔ اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ پھر اس شرط پر رہا کئے گئے کہ مکہ معظمہ میں جا کر حضرت زینبؓ کو مدینہ منورہ روانہ کر دیں۔ وہ مکہ معظمہ

گئے۔ اور اپنے بھائی کنانہ کے ہمراہ حضرت زینبؓ کو مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کفار بھی ایفائے عہد پر کاربند تھے۔

راہ کی مشکلات :-

حضرت زینبؓ اونٹ پر سوار ہو کر اپنے دیور کنانہ بن ربیع کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ ہوئیں۔ چونکہ اس وقت کفار کا غلبہ تھا۔ اور یہ خطرہ بھی تھا۔ کہ راستہ میں تعرض نہ کریں۔ اس لئے کنانہ نے اپنے ساتھ ترکش اور کمان بھی رکھ لی۔ جب یہ لوگ روانہ ہوئے۔ تو قریش میں کھلبلی مچ گئی۔ اور وہ گرفتاری کی فکر کرنے لگے۔ قریش کی ایک جماعت ان کی جستجو میں نکل کھڑی ہوتی اور ذی طویٰ کے مقام پر کنانہ اور حضرت زینبؓ دونوں کو گھیر لیا۔ اس جماعت میں ہبار بن اسود بھی شامل تھے۔ جو حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی کے لڑکے تھے۔ اور اس رشتہ سے حضرت زینبؓ کے بھائی تھے۔ ان کی اس بے جا حرکت پر فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی تقصیر کی معافی چاہی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔ اور ان دونوں میں سے کسی ایک نے نیزہ سے حضرت زینبؓ پر حملہ کیا۔ اور آپ اونٹ سے زمین پر گر پڑیں۔ آپ حاملہ تھیں۔ اور اس صدمہ سے آپ کا حمل ساقط ہو گیا۔ آپ بصد مشکل کسی نہ کسی طرح مدینہ منورہ پہنچیں۔ اور بڑی سخت چوٹ آئی۔ یہ دیکھ کر کنانہ نے ترکش سے تیر نکالا اور کہا کہ اب جو شخص میرے قریب آئے گا۔ وہ ان تیروں کا نشانہ بنے گا۔ اس بات سے لوگ منتشر ہو گئے۔

سرداران قریش کے ساتھ ابو سفیان آگے بڑھا اور کہا کہ :-
"تم اپنے تیروں کو تھوڑی دیر روکے رکھو کہ ہم تم سے کچھ باتیں کر لیں۔"
کنانہ نے اپنے تیر ترکش میں رکھ لئے اور ان سے پوچھا کہ کیا کہتے ہو جو کہنا چاہتے ہو کہو!
ابو سفیان نے کہا کہ :-
"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں جو مصیبتیں اور تکلیفیں، شکست، رسوائی اور ذلت کی صورت میں ہم لوگوں کو پہنچی ہیں اس سے تم بے خبر نہیں ہو۔ اب اگر تم محمد (صلعم) کی بیٹی کو علانیہ ہمارے سامنے سے لے جاؤ گے، تو لوگ اسے ہماری کمزوری اور بزدلی پر محمول کریں گے۔ اور ہمارے ضعف و ادبار کا پیش خیمہ خیال کریں گے۔ یہ تو تم خیال کر سکتے ہو کہ ہمیں محمد (صلعم) کی بیٹی کو روکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مقصد یہ ہے کہ اس وقت تم لوٹ چلو۔ جب ہنگامہ فرو ہو جائے اور اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ محمد (صلعم) کی بیٹی کو واپس کر لائے تو تم چوری چھپے دوسرے وقت ان کو لے جانا۔"
کنانہ نے اس بات کو منظور کیا اور واپس ہو گئے۔ جب یہ واقعہ عام طور سے مشہور ہو گیا۔ تو ایک روز مخفی طور پر اُن کو لے کر روانہ ہو گئے۔ اور بطن یا حج میں حضرت زید بن حارثہ کے سپرد کر کے واپس چلے گئے۔ جو حضرت

زینبؓ کو لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے[1]۔ الغرض حضرت زینبؓ ان مصائب و حوادث سے گزرنے کے بعد بصد مشکل کسی نہ کسی طرح مدینہ منورہ پہنچیں۔

تجدید نکاح :-

سنہ ۶ھ میں آپ کے شوہر دوبارہ گرفتار ہو کر آ گئے۔ وہ ابھی تک مشرک ہی تھے۔ اس کے باوجود حضرت زینبؓ نے اُن کو آزاد کرا کے پناہ دی۔ اس خلق و مروت کو دیکھ کر ابو العاص کے دل پر اس قدر گہرا اثر ہوا کہ وہ مکہ معظمہ میں جا کر لوگوں کی امانتیں واپس دے آئے۔ اور صدق دل سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو بعقد اول ان کی طرف رجوع کر دیا۔ (یعنی تجدید نکاح نہ کی۔ بلکہ وہی پہلا نکاح قائم رکھا)

وفات :-

سنہ ۸ھ میں حضرت زینبؓ نے انتقال فرمایا۔ حضرت ام ایمنؓ حضرت ام سلمہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت ام عطیہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر غسل دیا۔ آنحضرت صلعم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اپنے مقدس ترین ہاتھوں سے اپنی لخت جگر کو سپرد خاک کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کی تدفین کے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پہ گہرے رنج و ملال کے آثار ہویدا تھے۔ اور حضورؐ نے فرمایا :-

"میری بیٹی! تو نے میری وجہ سے کتنی تکلیفیں اٹھائیں"[2]

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۲۳ [2] مسلم شریف صفحہ ۲۲۶

حضرت زینبؓ رضی اللہ عنہا نے اپنے پیچھے دو اولادیں چھوڑیں جن میں سے ایک بیٹا تھا - اور ایک بیٹی - فرزند کا نام علیؓ تھا - اور دختر کا نام امامہؓ تھا - علیؓ ہجرت سے قبل پیدا ہوئے تھے - آنحضرتؐ نے ان کو اپنی کفالت میں لے لیا - اور وہ آپؐ کے سایہ عاطفت میں تربیت کی سعادت حاصل کرتے رہے - فتح مکہ کے روز جب آنحضرت صلعم مکہ میں داخل ہوئے تو علی آپ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے - ابن عساکر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علی جنگ یرموک تک زندہ رہے، اور اسی جنگ میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا - حضرت زینبؓ کی صاحبزادی امامہ اس کے بعد تک زندہ رہیں - اور حضرت علیؓ کی بیوی حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کا عقد ثانی حضرت امامہؓ کے ساتھ حضرت سیدہ فاطمہؓ کی وصیت کے مطابق ہوا[1] - رضی اللہ تعالیٰ عنہم !

---

[1] اصابہ ص ۲ حالات امامہ

(۲)

حضرت رقیہؓ

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

۱- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میری خالہ سعدہ نے خوشخبری سناتے ہوئے کہا :-

"(اے عثمان!) تمہیں مژدہ ہو اور تم پہ تین مرتبہ سلام پہنچے۔ پھر تین مرتبہ اور پھر تین مرتبہ سلام پہنچے پھر ایک سلام پہنچے تاکہ دس سلام پورے ہو جائیں (خدا کرے) تم بھلائی سے ملو اور برائی سے بچائے جاؤ۔ خدا کی قسم! تم نے ایک عفیفہ اور حسینہ وجمیلہ خاتون سے نکاح کیا۔ تم بھی ناکتخدا ہو اور ناکتخدا ہی تم کو مل گئی۔ ایک بڑے عظیم القدر جلیل المرتبت شخص کی بیٹی تم نے پائی۔"

ولادت:۔

حضرت رقیہؓ نبوت سے سات سال قبل سرورِکائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پیدا ہوئیں۔ اس وقت حضورؐ کی عمر مبارک تینتیس ۳۳ سال کی تھی۔ آپ حضرت زینبؓ سے تین سال چھوٹی اور سرکارِ دوعالمؐ کی منجھلی صاحبزادی تھیں۔ نہایت حسین وجمیل اور خوبصورت تھیں۔ زرقانی میں آپ کے متعلق لکھا ہے:۔

كَانَتْ بَادِعَةَ الْجَمَالِ — یعنی نہایت حسین تھیں

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۶)۔

نکاح:۔

آپ سن بلوغ کو پہنچیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے آپ کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد جب اسلام کا نور مقدس ضیا بار ہوا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا کہ اگر تم

نے محمد صلعم کی لڑکی کو طلاق نہ دے دی تو تمہارے ساتھ میرا اُٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا حرام ہوگا۔ باپ کی اس دھمکی پر عتبہ نے حضرت رقیہؓ کو طلاق دے دی۔ اس موقعہ پر یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ عتبہ کے ساتھ حضرت رقیہؓ کا صرف عقد ہوا تھا۔ اور ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اس لئے آپ ابھی میکے ہی میں تھیں کہ یہ طلاق وقوع میں آئی۔ اس کے کچھ مدت بعد نبی اکرمؐ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ کر دیا۔

ہجرت:۔

جب حضرت عثمان غنیؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تو حضرت رقیہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ ایک مدت کے بعد جب حضرت عثمان غنیؓ مکہ معظمہ واپس تشریف لائے تو یہاں آپ کو پہلے سے بھی زیادہ تکالیف اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ اس لئے آپ نے دوسری مرتبہ پھر ہجرت فرمائی اور حبشہ کو تشریف لے گئے۔ آپ کے ہجرت کرنے کے بعد نبی اکرمؐ کو کافی مدت تک آپ کی کوئی خبر نہ معلوم ہوئی۔ تو حضورؐ کو بے حد تشویش ہوئی۔ ایک عرصہ کے بعد حبشہ کی عورت نے آکر خبر دی کہ:۔

"میں نے ان دونوں کو خیریت سے پایا ہے"۔

تو نبی اکرمؐ نے تسکین و مسرت کا اظہار فرمایا اور دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد عثمان غنیؓ پہلے مسلمان ہیں

جنہوں نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ ہجرت کی (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۵۷)

وفات :-

پھر جب حضرت عثمان غنیؓ مدینہ منورہ ہجرت کر آئے تو حضرت رقیہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ سنہ ۲ ہجری میں بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا تو اس وقت حضرت رقیہؓ سخت علیل تھیں۔ اور تیمارداری کے لئے کوئی نہ تھا۔ اس لئے نبی اکرمؐ نے حکماً حضرت عثمان غنیؓ کو جنگ میں شرکت کرنے سے منع فرمایا، اور حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کو ضروری اور مقدم سمجھا، اسی کے ساتھ نبی اکرمؐ نے معرکۂ بدر میں حضرت عثمان غنیؓ کا حصہ لگایا۔ اور شرکائے بدر میں آپ کا شمار فرمایا۔ اسی اثنا میں حضرت رقیہؓ انتقال فرما گئیں اور نبی اکرمؐ جب واپس تشریف لائے تو بیٹی کی وفات کا حال سن کر آپؐ کو سخت رنج و ملال ہوا۔ آپؐ تربت پاک پر تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا :-

"عثمان ابن مظعون پہلے جا چکے ہیں۔ اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ۔"

یہ سنتے ہی عورتوں میں کہرام مچ گیا۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ جو قبر کے پاس تشریف فرما تھیں۔ روتی جاتی تھیں۔ اور حضور نبی اکرمؐ آنسو خشک فرماتے جاتے۔

اخلاق و فضائل :-

حضرت رقیہؓ کے اخلاق و فضائل کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہے کہ :-

"جن کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جیسی تقدس مآب خاتون اور جن کی بہن حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ جیسی خاتونِ جنّت ہوں جن کے شوہر حضرت عثمان غنیؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور جن کے والد معظم فخر رُسل، سرورِ کون و مکان حضرت رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور ایسی برگزیدہ و مقدس ہستیوں کے آغوشِ عاطفت میں جن کی زندگی گزری ہو۔ اُن کے مکارم اخلاق، ملکوتی اوصاف اور فضائل اطہر کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ اور اُن کے سیرت و کردار کا خزانہ جن بے بہا جواہر سے لبریز ہوگا ان کی چمک دمک کے سامنے کس کی آنکھ کھل سکتی ہے؟"

مبارک اور سعادت مند ہیں وہ لوگ جو ان مقدس ترین ہستیوں کے اُسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔ اور اس کی روشنی میں قدم اُٹھا کر دنیا و عقبیٰ کی عزت و آبرومندی اور نجات و سرخروئی حاصل کریں۔

(۳)
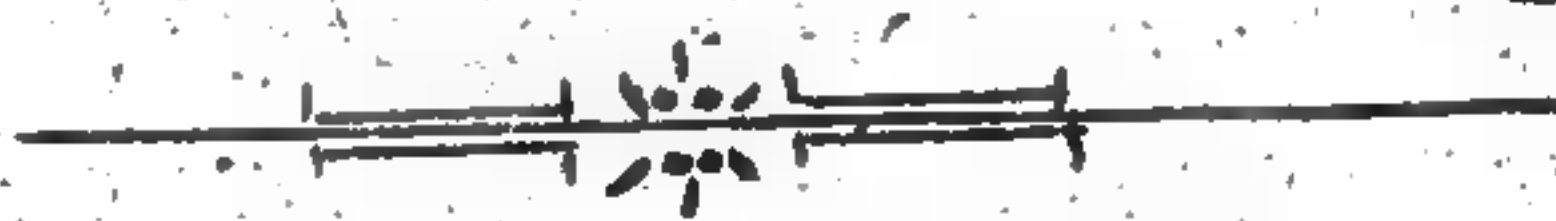
حضرت اُمِّ کلثوم

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

۱۔ ایک دن حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ تشریف فرما تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ارشاد فرمایا:۔

"میں نے ایسا خوبصورت جوڑا کبھی نہیں دیکھا"

ولادت :-

حضرت ام کلثومؓ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ آپ کی ولادت کا سال تاریخ وسیر کی کتابوں میں کہیں نہیں ملتا۔ لیکن قیاس کے تقاضے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت بعثت سے چھ سال قبل ہوئی ہو گی۔ اس لئے کہ حضرت رقیہؓ کی ولادت بعثت سے سات سال پہلے ہوئی۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ولادت پانچ سال قبل از بعثت ہے یہ متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت رقیہؓ سے حضرت ام کلثومؓ چھوٹی اور حضرت فاطمہؓ سے بڑی تھیں تو لازمی طور پر ان دونوں کی ولادت کے درمیان کا زمانہ حضرت ام کلثومؓ کی ولادت کے لئے تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور اس لحاظ سے آپ چھ سال قبل نبوت پیدا ہوئیں۔

نکاح :-

سنہ ۳ھ میں جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اور

حضرت عثمانؓ اس وفات کے بعد بہت زیادہ مغموم و محزون رہنے لگے۔ تو آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ:۔

"اے عثمان! میں تم کو غم و الم میں مبتلا پاتا ہوں۔ اس کا کیا سبب ہے؟"

حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ:۔

یا رسول اللہؐ! غمگین و پریشان نہ ہوں تو کیا کروں؟ مجھ پر وہ مصیبت پڑی ہے جو کبھی کسی پر نہ پڑی ہو گی۔ حضورؐ کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی وفات سے میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ حضورؐ سے جو رشتہ قرابت وابستہ تھا منقطع ہو گیا۔ اب کیا چارہ ہے؟

ابھی اُن کی یہ گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، "مجھے جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں اپنی بیٹی ام کلثومؓ کو اسی مہر پر جو رقیہؓ کا تھا۔ تمہارے عقد میں دے دوں[1]۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول ۳ھ میں حضرت ام کلثومؓ کا عقد حضرت عثمانؓ سے کر دیا[1]۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کا لقب "ذوالنورین" یعنی دو نور والے پڑ گیا۔

نکاح کے دو مہینے بعد جمادی الآخر ۳ھ میں آپ کی رخصتی[2] عمل میں

---

[1] اسد الغابہ صفحہ ۶۱۲ [2] طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۵

آئی - اور آپ کی اولاد کوئی نہیں[1]

اوصاف و فضائل:۔

حضرت ام کلثومؓ بھی اپنی بہن حضرت ام رقیہؓ کی طرح نہایت خوبرو اور حسین تھیں۔ ایک دن آپؓ اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ تشریف فرما تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ارشاد فرمایا:۔

"میں نے ایسا خوبصورت جوڑا کبھی نہیں دیکھا"

وفات:۔

حضرت ام کلثومؓ نے شعبان ۹ھ میں وفات پائی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ابوطلحہؓ، حضرت علیؓ، حضرت فضل ابن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ نے کنج لحد میں اتارا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور چہرہ اقدس فرط غم و اندوہ سے افسردہ تھا۔ آپؐ کو حضرت ام کلثومؓ[2] کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا[3]۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ○

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۵ [2] طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۵

(۴)

سیدۂ عالم حضرت فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنّت

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

۱۔ "سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا عصمت و عفت اور شرم و حیا کا پیکر تھیں۔" (بخاری شریف)

۲۔ "فاطمہ رض کے ہاتھ میں چکی پستے پستے نشان پڑ گئے تھے۔ اور پانی کی مشک ڈھوتے ڈھوتے ان کی گردن داغدار ہو گئی تھی۔ اور گھر میں جھاڑو دینے سے ان کے کپڑے غبار آلود ہو جاتے تھے۔"

(حضرت علی رض)

۳۔ "حضرت بتول منتہائے تسلیم و رضا ہیں۔ ماؤں کے لئے ان کی سیرت اسوۂ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس گہوارۂ تسلیم و رضا میں پرورش پانے والی مقدس ہستی نے زندگی اس طرح بسر کی ہے کہ ہاتھ چکی کو گردش دینے میں مصروف اور ہونٹ وقف تلاوت رہتے تھے۔ حضرت جبرئیل ان کے آنسوؤں کو زمین سے چن کر عرش بریں پر شبنم بنا کر گراتے تھے۔"

۴۔ مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

(اقبال)

ولادت :-

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس سال خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے ختم نبوت کا منصب ملنے والا تھا۔ اسی سال سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا مکہ معظمہ میں جمعۃ المبارک کے دن ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئیں۔ آپ کا نام فاطمہ، کنیت ام محمد اور القاب زہرا، طاہرہ، مطہرہ، زاکیہ، راضیہ، مرضیہ اور بتول ہیں۔

بچپن :-

آپ ابتداء ہی سے نہایت نیک دل، باعصمت، ذہین، ماں باپ کی فرمانبردار، اور خدا کی عبادت گزار تھیں، لہو و لعب اور کھیل کود اور بری باتوں سے آپ کو دلی نفرت تھی۔ آپ کے چہرۂ پُر انوار سے بچپن ہی میں عفت و عصمت، عالی حوصلگی اور رفعت قدر کے آثار ہویدا تھے۔ صبر و شکر اور زہد و قناعت کے انمول جواہر رب العزت کی قدرت کاملہ نے آپ کے دامنِ فطرت میں بچپن ہی سے مزین فرما دیئے تھے۔ غرضیکہ آپ پر تمام مکارمِ اخلاق اور فضائلِ اوصاف ختم ہو گئے تھے۔ اور جن محامد و محاسن

اور خیرات و حسنات کی ایک تصویر مجسم تھیں۔ ان محاسن کا دیگر عورتوں میں ملنا محال ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا چونکہ سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی اور پیچھے رہنے والی اولاد تھیں۔ اس لئے حضورؐ کو آپ سے فطری اور حقیقی طور پر زیادہ محبت تھی۔ حضرت فاطمہؓ کے بچپن کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ کہ ایک روز آنحضرتؐ کسی معزز مجمع کے سامنے رشد و ہدایت اور پند و موعظت کے ارشادات فرما رہے تھے۔ اتفاق سے حضرت فاطمہ کا بھی ادھر سے گزر ہوا۔ حضورؐ انتہائی محبت و شفقت کی وجہ سے سلسلۂ کلام بند کر کے کھڑے ہو گئے۔ اور بڑے ہی پیار سے آپ کو اپنے پاس بلایا۔ جب حضرت فاطمہؓ قریب آگئیں تو حضورؐ نے اپنی چادر بچھا کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ (حدیث)

حضرت فاطمہؓ آنحضرتؐ کے پاس بیٹھ کر دین اسلام کی باتیں بڑے غور سے سنتی اور ان پر عمل کرتی تھیں۔ والدین، بھائی بہنوں اور دوسرے لوگوں سے بڑے خلوص اور ادب کے ساتھ پیش آتی تھیں۔ آپ کی ان نیک عادات کی وجہ سے حضورؐ کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ آپ جب کبھی باہر تشریف لے جاتے تو جانے کے وقت سب کے بعد حضرت فاطمہؓ سے ملتے اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے آپ سے ملتے تھے۔ یہ اس بات ہی کا ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سیدۃ النساءؓ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی۔

نکاح اور جہیز :-

حضرت فاطمہؓ سے نکاح کے لئے بڑے بڑے دولت مندوں نے پیغام بھیجے، بڑے بڑے ارباب ثروت و جاہ نے خواہش ظاہر کی مگر آنحضرتؐ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کو منتخب فرمایا۔ اگرچہ حضرت علیؓ دولت مند نہ تھے۔ لیکن بہت عبادت گزار، نیک باطن، دین دار اور شجاعت و مردانگی میں یکتا تھے۔ لڑکوں میں حضرت علیؓ ہی تھے۔ جو لڑکپن میں سب سے پہلے حضرت خاتم الانبیاءؐ پر ایمان لاکر مسلمان ہوئے

حضرت فاطمہؓ کا نکاح ۲ھ میں ہوا۔ اور حضورؐ نے بیٹی سے اجازت لے کر حضرت علیؓ کے ساتھ ان کا نکاح پڑھا دیا۔ نکاح سے پہلے آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا :-

"تمہارے پاس مہر کے لئے کیا ہے ؟

عرض کیا، وہی زرہ جو جنگ بدر میں مجھے ملی تھی جس کی قیمت سوا سو ۱۲۵ روپیہ ہو گی۔

حضورؐ نے فرمایا کہ یہی مہر کافی ہے۔ اور اگلے دن وہی زرہ حضرت علیؓ کے حوالے کر دی۔ انہوں نے فروخت کر کے دعوت ولیمہ کا انتظام کیا جس میں انگور اور کھجوریں حاضرین مجلس کو کھلائیں۔

آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ کو جہیز میں حسب ذیل اشیاء دیں :-

ایک چارپائی، ایک گدا، ایک چادر، دو مٹی کے گھڑے، ایک پیالہ، ایک مشک، دو چکیاں، اور دو چاندی کے بازو بند۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیٹی کا سارا جہیز یہ تھا۔

نکاح کے بعد حضرت فاطمہؓ اپنی ساس فاطمہ بنت اسد کے پاس رہنے لگیں۔ گھر کا تمام کام کاج اپنے ہاتھوں سے کیا کرتیں۔ شہنشاہ دو عالمؐ کی بیٹی کے پاس نہ کوئی نوکر تھا۔ نہ لونڈی۔ ساس کی بڑی خدمت کرتی تھیں۔ گھر میں غریبی بہت تھی۔ حتیٰ کہ بعض اوقات فاقے بھی آتے۔ مگر صبر و قناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتیں۔ ساس کے پاس رہنے میں آپؓ نگرانی کی بھی نظر ہوتی تھی۔ اور حقیقتاً زندگی کا یہی وہ زمانہ ہوتا ہے۔ جس میں زندگی کے دیگر لوازم اور دنیا کے کٹھن امور سے سابقہ پڑتا ہے۔ شوہر کی محبت بچوں کی تربیت، خانہ داری کا سلیقہ غربت کی زندگی اور فقیرانہ معیشت میں مشکل ہی سے آرام نصیب ہوتا ہے۔ لیکن حضرت فاطمہؓ نے اس حالت میں بھی ان تمام امور کو نہ صرف نباہا۔ بلکہ اتنا کچھ کر دکھایا کہ آج دنیا کی بڑی سے بڑی عورت بھی اس سے درسِ عبرت حاصل کر رہی ہے۔

حضرت فاطمہؓ تھیں تو اُن سرورِ دو جہاں کی صاحبزادی جن کے پاؤں تلے دنیا کے تمام خزانے تھے، اور اُن مشکل کشا کی زوجہ تھیں جو شیرِ خدا تھے۔ اور گھر کی دیکھ بھال انہی کے ہاتھوں میں تھی۔ مگر غربت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا۔ کہ پھٹے پرانے کپڑے پہننے کو ملتے۔ حضرت فاطمہؓ انہیں پیوند لگا کر پہن لیتی تھیں۔ مگر حرفِ شکایت کبھی زبان پر نہ لاتی تھیں۔ اور نہ اپنی تکلیف اپنے والد بزرگوار یا کسی اور سے بیان کرتیں۔ یہ جاننے کے باوجود کہ میں سرورِ دو عالمؐ کی بیٹی ہوں، اور اگر چاہوں تو ایک ذرا سے اشارے میں

میں دنیا بھر کی نعمتیں فراہم ہو سکتی ہیں۔ آپ نے خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کے لئے انتہائی صبر و توکل سے کام لیا۔ آپ کسی غیر سے اپنی حالت کا اظہار کبھی نہیں فرماتی تھیں بلکہ اپنے ننھے بچوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ہر وقت سمجھاتی رہتی تھیں کہ اپنے گھر کی غریبی اور تکالیف کی خبر نانا جانؐ کو بھی مت دینا۔

یونہی کٹتی ہے آلِ مطہر کی زندگی

یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا

آخر خدا تعالیٰ نے حضرت فاطمہؓ کے اس صبر و شکر کا بدلہ دیا۔ غریبی اور تنگ دستی دور ہوئی، اور اچھے دن آئے۔ اللہ جل شانہٗ نے دین اور دنیا دونوں کی نعمتوں سے نوازا تو پھر آپ غریبوں اور محتاجوں کی حاجت روائی میں پیش پیش رہیں اور ناداروں، مفلسوں اور بیکسوں کی ہر طرح سے امداد و اعانت فرمائی۔

باپ بیٹی کی محبت:۔

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بیحد محبت تھی، اسی طرح حضرت فاطمۃ الزہراؓ بھی سو جان سے حضورؐ پہ قربان تھیں۔ آپ ساری کائنات سے بڑھ کر رسول کریمؐ کو چاہتی تھیں۔ چنانچہ مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے میں کفار نے آنحضرتؐ کو خانہ کعبہ میں عبادت کرتے ہوئے دیکھ کر آپؐ پر غلاظت ڈال دی اور ان بدبختوں اور شقی القلب لوگوں نے آپؐ کے گلے کو چادر سے باندھ کر گھونٹنا چاہا تو اس وقت حضرت فاطمہؓ نے

نہایت کمزور ہونے کے باوجود ان سنگدل اور جفاکار ظالموں کے نرغہ میں جا کر حضورؐ کے گلے کو کھولا اور غلاظت سے آپؐ کے ملبوسات کو صاف کیا تھا۔

اسی طرح جب غزوۂ اُحد میں حضورؐ کو کفار سے کاری زخم پہنچا تھا اور چہرۂ مبارک لہولہان ہو گیا تھا۔ اور خود سر میں دھنس گیا تھا۔ تو خون اس طرح جاری تھا کہ کسی طرح بند نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت بھی حضرت فاطمہؓ نہایت دل سوزی اور بے جگری کے ساتھ مرہم پٹی میں مشغول رہتی تھیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیوی زندگی کی آخری گھڑیوں میں انتہائی بے چینی کی وجہ سے کروٹیں لے رہے تھے اس وقت بھی حضرت فاطمہؓ اپنی پرنم آنکھوں سے انتہائی محبت کا ثبوت پیش کر رہی تھیں۔ دوسری طرف عظیم القدر باپؐ کی شفقتِ پدری ملاحظہ ہو۔

جب حضرت علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی کے نکاح کے لئے پیغام بھیجا اور اسی کے ساتھ حضورؐ سے بھی نکاح کی اجازت طلب کی تو آنحضرتؐ نے منبر مبارک پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ:۔

آل ہشام علی ابن ابی طالبؓ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اور مجھ سے اجازت مانگتے ہیں لہٰذا ان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ میں اس نکاح کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ ہاں! ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ علیؓ میری لخت جگر فاطمہؓ کو پہلے طلاق دے دیں۔ پھر ان کو کلی اختیار ہے کہ جس سے چاہیں شادی کریں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ھی بضعۃ منی یریبنی ما رابھا ویؤذینی ما اذاھا[۱]	ترجمہ: "فاطمہؓ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی گویا اس نے مجھے اذیت دی جس سے اس کو دکھ پہنچے گا اس سے مجھے بھی تکلیف پہنچے گی۔

اس سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہؓ کے مقام رفیع کا اظہار ان الفاظ سے کیا کہ "فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے"[۲] پھر آپ نے ارشاد فرمایا:۔

وانی لست احرم حلالا ولا احل حراما ولکن واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ وبنت عدو اللہ[۳]	ترجمہ: "اور میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔[۴]

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ حضورؐ جب سفر کو جاتے یا سفر سے آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے گھر میں تشریف لے جاتے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ:۔

"رسول پاکؐ حضرت فاطمہؓ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرتے تھے۔"

ایک دفعہ آنحضرتؐ کے گرد بڑے بڑے صحابہ کرامؓ ازواج مطہرات اور

---

[۱] اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۷ [۲] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۲۷ واسد الغابہ صفحہ ۵۲۰ [۳] الاستیعاب صفحہ ۷۷۱

اعزا و اقربا سب موجود تھے ۔ مگر ان سب کے ہوتے ہوئے آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو بلوایا اور چپکے سے کان میں کچھ کہا جس سے وہ بے اختیار رونے لگیں اور پھر کچھ کہہ دیا ۔ جس سے وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں ۔ حضورؐ کی اس امتیازی محبت پر سب کو رشک پیدا ہوا ، اور تھوڑے وقفہ کے بعد سب نے ہر ممکن طریقہ سے حضرت فاطمہؓ سے یکبارگی رونے اور ہنسنے کا سبب دریافت کیا ۔ مگر آپ نے نہ بتلایا ۔ آخر کار حضورؐ کے وصال کے بعد لوگوں نے پھر پوچھا اور بار بار اصرار کیا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ :۔

"پہلے آنحضرتؐ نے یہ فرمایا تھا کہ میں اس بیماری میں وفات پا جاؤں گا ۔ تو اس پر میں رونے لگی تھی ۔ اور پھر آپؐ نے فوراً فرمایا کہ میرے اہل و عیال میں سب سے پہلے تم مجھ کو ملو گی ۔ تو میں ہنس پڑی تھی " (بخاری شریف)

اولاد :۔

حضرت فاطمہؓ کے دو صاحبزادے تھے ۔ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ ۔ حضورؐ دونوں نواسوں سے بہت محبت کرتے تھے ۔ ان کے علاوہ حضرت فاطمہؓ کی دو لڑکیاں ام کلثومؓ اور زینبؓ تھیں جو اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں بہت مشہور ہیں ۔ آنحضرتؐ کو ان سب سے بڑی محبت تھی ۔ اور حضورؐ کی صاحبزادیوں میں یہ شرف صرف حضرت فاطمہؓ کو حاصل ہوا کہ ان سے آپؐ کی نسل باقی رہی ۔

فضائل و مناقب :۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مراتب عالیہ کے متعلق

حضور سرور کائنات نے ارشاد فرمایا :-

كَفَاكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَ آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ ۔	(ترجمہ) "تم کو تقلید کے لئے تمام دنیا کی عورتوں میں مریمؑ بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ اور آسیہ زوجہ فرعون کافی ہیں" (ترمذی شریف)

اسی طرح ایک اور موقع پر نبی اکرمؐ نے اعلان فرمایا :-

إِنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ ۔	(ترجمہ) "بے شک فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہے" (طبرانی)

حضرت فاطمہؓ کے فضائل و مناقب اس قدر ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ آنحضرتؐ کے اہل بیت میں بہت سے بزرگ داخل ہیں۔ لیکن ان سب میں فرد کامل سیدۃ عالم حضرت فاطمہؓ کا وجود گرامی ہے۔ آیہ تطہیر إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔ سورہ احزاب " کا نازل ہونا حضرت فاطمہؓ اور بالخصوص ازواج النبی کے فضائل و مناقب کی خاص طور پر دلیل ہے۔

ترجمان حقیقت علامہ اقبالؒ نے حضرت فاطمۃؓ کی شان میں کیا خوب کہا ہے ؎

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نورِ چشم رحمۃ اللعالمینؐ — آں امام اولین و آخرین
بانوئے آں تاجدار ھل اتیٰ — مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق　　مادرِ آن کاروانِ سالارِ عشق
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

درسِ عبرت:۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا قرب فردوس بریں میں ہر اس خاتون کو حاصل ہوگا۔ جو شوہر کی خدمت و طاعت، شرم و حیا، زہد و تقویٰ، اللہ و رسولؐ کی محبت، اعلیٰ درجہ کے اخلاق، صبر و تحمل، رضا و توکل، ثبات و استقامت، رضائے حق کی تابعداری، ایثار و قربانی اور ضبط و قناعت میں آپؓ کی پیروی کرے گی۔

۲۔ جس سادگی کے ساتھ شہنشاہ دو عالمؐ کی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ کا نکاح ہوا۔ اگر آج مسلمان اسی مقدس نمونہ پر عمل پیرا ہوں اور اپنی لڑکیوں کے نکاح اسی سادگی سے کریں تو وہ قرض کے زیر بار ہو کر خود کو اپنے ہاتھوں سے بربادی کی راہ پر نہ ڈالیں۔ اور اپنی زندگی اطمینان و آسودگی سے بسر کر سکیں،

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْ لَنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

ازالۂ فریب:۔

یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔ قرآن مجید کی سورۂ احزاب کی آیت مبارکہ یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ ...... الخ سے ثابت ہے۔ اس میں ارشاد ہے

کہ اے نبی صلعم! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیں
کہ اپنے اوپر چادر لٹکایا کریں۔
ایک بیٹی کے لئے لفظ بنت ہے، دو کے لئے بنتین اور زیادہ کے لئے
بنات، لہذا ثابت ہوا کہ حضور صلعم کی صاحبزادیاں دو سے زیادہ تھیں۔
یہی حقیقت تمام حدیث کی اور تاریخ کی کتابوں سے ثابت ہے۔ مگر بعض
نادان و متعصب لوگ اب کہنے لگے ہیں کہ حضور صلعم کی سگی بیٹی صرف
حضرت فاطمہ رضہ ہی تھیں باقی تین حضرت خدیجہ رضہ کے سابقہ شوہر کی تھیں۔ یا ان
کی بہن ہالہ کی یا ام سلمہ رضہ کی، نعوذ باللہ من ذا۔
کتاب رحمتہ اللعالمین میں اس بارے میں لکھا ہے کہ ام سلمہ رضہ کا نکاح
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۴ھ میں ہوا اور ام المومنین ام حبیبہ کا ۶ھ
میں اس لئے ان کے پہلے شوہروں سے بیٹیوں کو ربائب النبی (پچھلگ بیٹیاں)
کا درجہ ۴ھ سے پیشتر حاصل نہ تھا۔ اور سیدہ زینب رضہ بنت النبی کا ذکر
جنگ بدر کے رجوع ۲ھ میں ہوئی، فدیۂ اسیران میں آتا ہے کہ انہوں نے
اپنی والدہ خدیجہ الکبریٰ کا ہار اپنے شوہر (ابو العاص بن ربیع اموی) کی
رہائی کے لئے بھیجا تھا۔ اور ام کلثوم رضہ اور رقیہ رضہ کا ذکر واقعات قبل از ہجرت
میں ابولہب کے خاسرانہ افعال میں آتا ہے۔ پھر ان ہر سہ بنات النبی صلعم
کا انتقال بحیات نبوی ہوا مگر مذکورہ بالا ربائب رضہ ارتحال نبوی سے بعد دیر تک
اپنے گھروں میں آباد تھیں۔ جن کی تفصیل ان کے حالات سے ملتی ہے۔ نیز قرآن
شریف کا صریحا حکم ہے کہ اولاد کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ سورۃ

ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ۲۸۶

احزاب، ادعوھم لاباءھم - رحمۃ اللعالمین جلد ۲

وفات:-

حضرت فاطمہؓ تکلیف و مصیبت اور عسرت و افلاس کی حالت میں زندگی کے اُنتیس ۲۹ سال گزارنے کے بعد حضورؐ کی وفات کے صدمہ سے اس قدر رنجور ہوئیں اور اس حادثہ عظمیٰ سے آپ کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ آپ برداشت نہ کر سکیں اور بیمار ہو گئیں - آخر متواتر چھ ماہ کی علالت کے بعد سیدۂ عالمؓ رمضان ۱۱ھ کو منگل کی شب میں مدینہ منورہ میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئیں - حضرت علیؓ نے آپ کو غسل دیا، حضرت عباسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی - اور جنت البقیع کے مشہور قبرستان میں مدفون ہوئیں - انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

لہ دُرہ - زینب - ام کلثوم بنات المومنین ام سلمہؓ از صلب حضرت ابو سلمہ مخزومی -

بابِ چہارم

صحابیاتُ المقدّسات

رضی اللہ تعالےٰ عنہن

صحابیات المقدسات

۱۔ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ
۲۔ حضرت خنساءؓ بنت عمرو بن الشرید
۳۔ حضرت ام رومانؓ بنت عامر
۴۔ حضرت فاطمہؓ بنت اسد ہاشمیہ
۵۔ حضرت خولہؓ بنت حکیم
۶۔ حضرت خولہؓ بنت ازور
۷۔ حضرت اسماءؓ بنت عمیس
۸۔ حضرت صفیہؓ ہاشمیہ
۹۔ حضرت ام الفضلؓ بنت حارث
۱۰۔ حضرت امامہؓ بنت ابی العاص
۱۱۔ حضرت فاطمہؓ بنت قیس
۱۲۔ حضرت ام ایمنؓ
۱۳۔ حضرت اسماءؓ بنت یزید
۱۴۔ حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب
۱۵۔ حضرت ام عمارہؓ انصاریہ
۱۶۔ حضرت ام حرامؓ بنت ملحان
۱۷۔ حضرت ام سلیمؓ بنت ملحان
۱۸۔ حضرت ربیعؓ بنت نضر
۱۹۔ حضرت سمیہؓ بنت خباط
۲۰۔ حضرت ام معبدؓ بنت خالد
۲۱۔ حضرت شیماء السعدیہؓ بنت حارث
۲۲۔ حضرت زینبؓ بنت ابو معاویہ
۲۳۔ حضرت ام ورقہؓ بنت عبداللہ
۲۴۔ حضرت ام عطیہؓ بنت حارث
۲۵۔ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ
۲۶۔ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب
۲۷۔ حضرت درہؓ بنت ابی لہب
۲۸۔ حضرت حواؓ بنت یزید
۲۹۔ حضرت خلیدہؓ بنت قیس
۳۰۔ حضرت ہندؓ بنت عتبہ
۳۱۔ حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ
۳۲۔ حضرت لیلیٰ بنت حشمہ
۳۳۔ حضرت ام خالدؓ بنت خالد بن سعید
۳۴۔ حضرت ام الخیرؓ بنت صخر
۳۵۔ حضرت معاذہؓ بنت عبداللہ
۳۶۔ حضرت ربیعؓ بنت معوذ بن عفراء
۳۷۔ حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ
۳۸۔ حضرت زینبؓ بنت ابی سلمہ
۳۹۔ حضرت ام الدرداءؓ
۴۰۔ حضرت حمنہؓ بنت جحش
۴۱۔ حضرت ام حکیمؓ بنت حارث
۴۲۔ حضرت ام ابی ہریرہؓ

(۱)

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضؓ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- "جب میری شادی حضرت زبیرؓ بن عوام سے ہوئی اس وقت اُن کے پاس نہ مال تھا- نہ کوئی غلام بے حد تنگ دست، فقیر اور مفلس تھے- ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تھا- اور میں ہی ان کی خبر رکھتی تھی- آنحضرت صلعم نے ایک قطعۂ نخلستان حضرت زبیرؓ کو عطا فرمایا تھا- جو مدینہ سے تین فرسخ کے فاصلہ پر تھا- وہاں سے روزانہ کھجور کی گٹھلیاں جمع کر کے اپنے سر پر اُٹھا کر گھر تک لاتی تھی- اور پھر خود ہی دلتی اور گھوڑے کو کھلاتی، پانی بھرتی، ڈول کھینچتی اور گھر کا جو کچھ کام ہوتا- وہ بھی میں ہی انجام دیتی تھی"

(حضرت اسماءؓ)

۲- حضرت اسماءؓ بعد کو جاہ و ثروت سے مالا مال ہو گئی تھیں- مگر انہوں نے اسلام کی سادگی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا- وہ ہمیشہ موٹا کپڑا پہنتی تھیں، خشک روٹی سے شکم پری کرتیں- اور فقیرانہ زندگی بسر کرتی تھیں-

حضرت اسمارؓ بنت ابی بکرؓ

نام ونسب :-

آپ کا اسم مبارک اسمار اور لقب ذات النطاقین تھا۔ عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اوّل کی لخت جگر تھیں۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ آپ کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی سوتیلی بہن تھیں۔ جو آپ سے چھوٹی تھیں۔ آپ کی والدہ کا نام قتیلہ تھا۔ جو قریش کے ایک مشہور و معزز سردار عبدالعزیٰ کی بیٹی تھیں۔ حضرت اسمارؓ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری حضرت زبیرؓ بن العوام کے عقد میں تھیں اور پہلے اسلام لانے والوں میں آپ کا شمار اٹھارہواں تھا۔

ولادت :

ہجرت سے ستائیس سال قبل آپ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ کی عمر بائیس سال سے کچھ زائد تھی۔

ہجرت :-

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ ہجرت

کو روانہ ہوئے تو حضرت اسماءؓ نے سارا مال و متاع حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی دو تین روز کا ناشتہ بھی تیار کر دیا۔ یہ ناشتہ اور پانی کا مشکیزہ باندھنے کے لئے آپ کو رسی کی ضرورت پڑی تو جلدی میں اپنے نطاق کے دو ٹکڑے کر کے ان سے ناشتہ وغیرہ باندھ دیا۔ اس پر نبی اکرمؐ کے دربار سے آپ کو "ذات النطاقین" کا لقب ملا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی روانگی کے بعد دوسری صبح کو آپ کے والد بزرگوار ابو قحافہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور اس قدر ضعیف ہو چکے تھے۔ کہ ان کی بینائی بھی رخصت ہو گئی تھی۔ آپ کے گھر میں تشریف لائے اور بڑے رنج کے ساتھ کہنے لگے کہ افسوس ہے ابوبکرؓ خود بھی چلے گئے۔ اور سارا مال بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت اسماءؓ نے ان کے قلب کو تسکین دینے کے لئے ایک تھیلی میں کچھ کنکریاں بھر کے اسی طاق میں رکھ دیں۔ جس میں حضرت ابو بکرؓ کے درہم رکھے تھے۔ اور ابو قحافہ سے کہا کہ دادا جان! ہم لوگوں کے لئے تو ابا نے بہت کچھ چھوڑ دیا ہے۔ اور ان کا ہاتھ اس طاق میں لے جا کر رکھ دیا۔ ابو قحافہ نے ٹٹولا تو سمجھے کہ حقیقت میں مال موجود ہے۔ اور پھر ان کے دل کو اطمینان ہو گیا (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۵۰)

عام حالات :۔

یہودیوں نے یہ بات مشہور کر دی تھی کہ ہم نے جادو کر دیا ہے اس لئے اب مسلمانوں میں اولاد نہ ہو گی۔ یہودیوں کے اس خیال کو باطل ثابت کرتے اور ان کے جادو کو جھوٹا قرار دینے کے لئے خلاق عالم نے حضرت اسماءؓ بنت

ؔ نطاق عرب میں اس رومال کو کہتے ہیں جسے عورتیں اپنے کرتے کے اوپر لپیٹ لیتی ہیں ۔ صحیح بخاری شریف جلد اول

ابی بکرؓ کے اں لڑکا عطا فرمایا۔ جس کا نام انہوں نے عبداللہ رکھا اور مسلمانوں نے ان کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی۔ اسلام میں عبداللہ سب سے پہلے لڑکے تھے۔

حضرت عبداللہؓ جب سن بلوغ کو پہنچے تو اپنے جوہر قابلیت سے بنو امیہ کے زمانے میں خلیفہ کے منصب جلیلہ سے سرفراز ہوئے۔ اور یزید کی حکومت کو ان کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خطرہ لاحق ہو گیا۔ اموی سلطنت کا فرمانروا یزید اس وقت اسلامی سلطنت پر تسلط حاصل کر چکا تھا اور تمام ملوکیت کیلئے کسی کی مخالفت برداشت نہیں کرتا تھا۔ صدہا لوگ اس جدید حکمران کی بیعت قبول کر رہے تھے۔ لیکن حضرت عبداللہ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ اور مکہ کو اپنا ملجا و ماوا بنا کر وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی۔ چونکہ لوگ آپ کی عظمت و جلالت، حق گوئی اور سلامت روی کے معترف تھے۔ اس لئے سب نے آپ کی دعوت خلافت پر لبیک کہی اور جوق در جوق حلقہ بگوشِ ارادت ہونے لگے۔ اس کے بعد جب عبدالملک بن مروان نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو عبدالملک بن مروان کے سالار حجاج نے حضرت عبداللہ سے مقابلے کا ارادہ کیا۔ اور یکم ذی الحجہ ۷۲ھ کو مکہ کا محاصرہ کر کے رسد بند کر دی۔ چھ مہینے تک برابر لڑائی جاری رہی۔ آخر جب شامی لشکر غالب آیا اور حضرت عبداللہؓ کے زیادہ تر ساتھی محاصرہ کی تنگیوں سے بھاگ نکلے۔ تو آپ اپنی والدہ ماجدہ حضرت اسماءؓ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے حضرت اسماءؓ اس وقت نابینا تھیں۔ حضرت عبداللہ نے پوچھا، کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا، بیمار ہوں۔ انسان کو موت کے بعد ہی آرام جاودانی ملتا ہے۔ میں

چاہتی ہوں کہ تم لڑکر شہید ہو جاؤ۔ اس سے مجھے صبر و سکون حاصل ہو سکتا ہے اور میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچ سکتی ہے۔"

حضرت عبداللہؓ والدہ محترمہ کی یہ نصیحت سنکر مسکراتے ہوئے واپس چلے گئے۔ اور معرکۂ کارزار میں سر دھڑ کی بازی لگا کر شہید ہو گئے۔ اور اپنی والدہ کی آرزو پوری کی۔ ظالم اور سنگ دل حجاج نے آپ کی نعش کو سولی پر لٹکا دیا تین روز کے بعد حضرت اسماءؓ اپنی کنیز کی معیت میں لاش پہ آئیں۔ تو آپ کے بیٹے عبداللہؓ کی نعش الٹی لٹکی ہوئی تھی۔ اس دل ہلا دینے والے منظر سے آپ کا دل بیٹھ گیا۔ مگر صبر و استقامت کی تصویر بن کر آپ نے فرمایا:۔

"ابھی تک یہ سوار گھوڑے سے نہیں اترا، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ شہسوار اسلام اور یہ فدائے ملت گھوڑے پہ سے اترے۔"

اوصاف و فضائل:۔

حضرت اسماءؓ سے ۵۶۔ احادیث مروی ہیں۔ اور جلیل القدر صحابہ و تابعین آپ کے شاگرد تھے۔ آپ خلق اسلامی کی پیکر تھیں۔ بڑی ذی فہم، راسخ الاعتقاد، قلب کی مضبوط، نہایت نکوکار اور صابرہ تھیں جس کا سب سے بڑا ثبوت آپ کے جواں سال اور جواں ہمت بیٹے کی شہادت کا اندوہناک واقعہ ہے۔ آپ نہایت عابدہ و زاہدہ اور حد درجہ خود دار و حق گو خاتون تھیں۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ آپ حجاج جیسے سفاک، سنگدل اور ستم گر کے سامنے بھی کلمۂ حق زبان پر لانے سے باز نہ رہیں۔ گھر کے کام کاج

خود اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ نہایت متواضع اور مہمان نواز تھیں حضرت زبیرؓ نے ایک گھوڑا پال رکھا تھا جس کی خوراک کے لئے تین میل کے فاصلہ سے ہر روز جاکر چارہ لاتیں۔ اور اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے اسے کھلاتی تھیں۔ آخر حضرت صدیق اکبرؓ نے اس تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے ایک غلام دیا۔ جس سے آپ کی یہ مصیبت رفع ہوئی (بخاری شریف)

شروع میں آپ تنگ دستی کی وجہ ناپ تول کر بڑی کفایت شعاری سے خرچ کرتی تھیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"تو ناپ تول کر خرچ نہ کیا کر ورنہ پروردگار بھی ایسا ہی کریگا"

اس ارشاد نبوی سے آپ کی عادت بدل گئی۔ اور پھر اس حد تک فیاض ہو گئیں۔ کہ ایک دفعہ ایک لاکھ درہم آپ نے یکبارگی خیرات کر دیئے تھے (بخاری شریف)

آپ نہایت بہادر اور شجاع تھیں۔ ایک نازک موقعہ پر آپ خنجر لے کر باہر نکلیں۔ اور فرمایا کہ اگر کوئی چور ادھر آئے گا۔ تو میں اس خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی (طبری جلد ۱۳)

ابتداء میں جب آنحضرتؐ کو کفار مکہ نے بہت پریشان کیا اور ہر قسم کی ایذائیں دینے لگے حتیٰ کہ حضورؐ کے قتل پر آمادہ ہو گئے تو آپؐ نے مکہ کو خیرباد کہہ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا قصد فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی آپؐ کے ہم خیال تھے چنانچہ ایک رات رسول اللہؐ حضرت ابوبکرؓ کی ہمراہ مکہ سے باہر جاکر تھوڑے فاصلہ پر جبل ثور کے ایک غار میں مقیم ہو گئے (حضرت صدیق اکبرؓ کو اسی وجہ سے یار غار کہا جاتا ہے) کفار مکہ نے ہر چند بہت جستجو کی اور اسی تلاش کے سلسلہ میں بارہا اس غار کے منہ تک بھی پہنچ گئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کو چونکہ مشکوٰۃ نبوی کے

نور سے دنیا کو روشن کرنا مقصود تھا۔ اس لیے دشمنوں کا گزر آپ تک نہ ہو سکا۔ ان رفقاء میں سے جو اس وقت آنحضرت صلعم کی پوشیدہ امداد کرتے تھے حضرت اسماءؓ بھی تھیں۔ جو روزانہ رات کو آنحضرت صلعم کے پاس کھانا لے جاتیں اور کھانا کھلا کر واپس آجاتی تھیں۔

جب کفار کو اپنی کوشش و جستجو میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے سو اونٹ کا انعام اس شخص کے لئے مقرر کیا۔ جو آنحضرت صلعم کا سراغ لگا دے۔ اس کے تیسرے روز جب حضرت اسماءؓ رات کو کھانا لے کر گئیں۔ تو حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے بھائی سے جا کر کہہ دینا کہ کل رات کو تین اونٹ اور ایک واقف راہ شخص تلاش کر کے اسی غار پر پہنچا دیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ تعمیل ارشاد میں تین اونٹ اور ایک رہبر لے کر غار پر پہنچ گئے۔ اور حضرت اسماءؓ بھی دو تین روز کا ناشتہ تیار کر کے لے گئیں۔ جس کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی معیت میں مدینہ کو ہجرت فرمائی۔

حضرت اسماءؓ نہایت عابدہ و زاہدہ تھیں۔ اور آپ کا تقویٰ و طہارت اس حد تک پہنچا ہوا تھا۔ کہ آس پاس کی عورتیں ہی نہیں۔ بلکہ دور دراز سے بھی لوگ کافی تعداد میں حاضر ہوتے اور دعائیں کراتے کے علاوہ پانی دم کرا کر لے جاتے۔ وہ پانی جس مریض پر چھڑکا جاتا وہ فوری شفا پاتا۔ (مسند احمد ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۴۸)

وفات:۔

اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کی شہادت کے وقت آپ سخت بیمار تھیں۔ مگر آپ نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی تھی۔ کہ اے باری تعالیٰ جب تک میں اپنے بیٹے کی نعش نہ دیکھ لوں

تائید اور باطل کی مخالفت میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ مجھے موت نہ آئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہی ہوا کہ آپ نے شہادت اور نعش دیکھنے کے تین روز بعد اس جہان فانی سے جمادی الاولیٰ ۷۳ھ کو رحلت فرمائی۔ اس وقت آپ کا سن مبارک ایک سو سال کا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلوٰۃ اللہ علیہا کثیراً کثیراً۔

سبق:-

کاش پاکستانی خواتین حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ اور ان کے نمونۂ عمل کو اپنے لئے چراغ راہ بنائیں۔ تو وہ بھی اپنا دینی اور دنیوی مرتبہ بلند کر سکتی ہیں۔

حضرت اسماءؓ کے شوہر حضرت زبیرؓ جب ۳۶ھ میں حضرت علیؓ سے مصالحت کر کے واپس آ کر ایک جگہ مشغول نماز تھے۔ تو ایک شقی ابن جرموز نے آپ کو شہید کر دیا۔ اور جب حضرت علیؓ نے اس سفاک کو جہنمی ہونے کی بشارت دی تھی۔ تو وہ خودکشی کر کے واقعی داخل جہنم ہو گیا۔ حضرت اسماءؓ نے یہ واقعہ سنکر فرمایا:-

ابن جرموز نے ایک عالی ہمت نہتے شاہسوار سے دغا کی۔ اگر وہ اسے چیلنج کرتا تو اسے معلوم ہوتا کہ وہ بے خوف اور دلیر شخص ہے۔ تیری ماں تجھ پر روئے اور تجھے خدا سمجھے۔ تو نے ایک مسلمان کو قتل کیا۔ تجھ پہ ضرور عذاب نازل ہوگا۔

(۲)

حضرت خنساء بنت عمرو بن الشرید

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت خنساءؓ اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ جب مدینہ منورہ میں حضور سرورِ عالمؐ کی بارگاہ میں شرفِ اسلام سے بہرہ اندوز ہوئیں تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اُن کے شعر سنتے رہے ۔ اور اُن کی فصاحت و بلاغت پر تعجب فرماتے رہے۔

۲۔ جنگ قادسیہ میں آپ اپنے چاروں بیٹوں سمیت موجود تھیں۔ اور ایک ولولہ انگیز تقریر کر کے آپ نے بیٹوں کو میدان جنگ میں بھیجا۔ پھر ان چاروں کی شہادت کی آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا :۔

"خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی شہادت کا مجھے شرف بخشا ، خدا سے امید ہے کہ میں ان بچوں سے اللہ تعالےٰ کے سایۂ رحمت میں ملوں گی"

حضرت خنساءؓ

(مجسمۂ فصاحت و شجاعت)

نام و نسب:- آپ کا اسم مبارک تماضر اور لقب خنساء[1] تھا۔ آپ قبیلہ قیس کے عمرو بن الشرید کی صاحبزادی تھیں۔

نکاح:- آپ کا پہلا نکاح رواحہ بن عبدالعزیز اسلمی سے ہوا جو قبیلہ بنو سلیم کے فرد تھے۔ اور ان کے انتقال کے بعد آپ مرواس بن ابی عامر کے نکاح میں آئیں۔ آپ نجد کی رہنے والی تھیں۔

اولاد:- پہلے شوہر سے آپ کے ہاں لڑکا عبداللہ پیدا ہوا۔ اور دوسرے شوہر سے دو لڑکے یزید و معاویہ اور ایک لڑکی عمرۃ پیدا ہوئے۔

اوصاف و فضائل:- آپ شعر و شاعری میں عرب بھر میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ اور اسی کے ساتھ شجاعت و شہامت میں بھی بے مثل تھیں۔

اسد الغابہ میں مذکور ہے: کہ

اَجْمَعَ اَهْلُ الْعِلْمِ بِالشِّعْرِ لَمْ تَكُنِ امْرَأَةٌ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا اَشْعَرَ مِنْهَا۔

(ترجمہ) "تمام اہل علم شعرا نے اتفاق کیا ہے کہ خنساء کے برابر کوئی عورت شاعرہ نہیں ہوئی۔"

جب آپ کو خبر ہوئی کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں تو آپ نے مکہ معظمہ میں حاضر خدمت ہونا چاہا۔ مگر قبیلہ کے چند ذی اثر لوگوں نے مخالفت کی اس لئے آپ حاضری دینے سے قاصر رہیں۔ اس کے بعد جب حضورؐ ہجرت کرکے مدینہ تشریف

---

[1] حسین اور تیز رفتار ہونے کی وجہ سے عرب کے باشندے آپ کو خنساء کہہ کر پکارتے تھے۔ خنساء کے معنی ہرنی کے ہیں۔ کثرت استعمال سے نام اور لقب خنساء ہی ہو گیا۔ (در المنثور صفحہ ۱۱)

لائے۔ تو آپ اپنے قبیلہ کے چند لوگوں کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئیں اور حضور کے دست اقدس پر ۶۲۳ء میں شرف اسلام سے مشرف ہو کر با کمال ہوئیں۔ اس موقع پر آنحضرت صلعم کافی دیر تک آپ کے اشعار سنتے رہے اور آپ کے ادب و شعر اور فصاحت و بلاغت پر تعجب فرماتے رہے[1]

شاعری کا آغاز:-

حضرت خنسار کی شاعری کا آغاز حسب ذیل واقعہ سے ہوا:
عرب قبائل کی آپس کی خانہ جنگی مشہور ہے۔ ایک دفعہ کسی معمولی سی بات پر حضرت خنسا رضؓ کے قبیلہ قیس اور قبیلہ بنی اسد کے مابین باہمی جنگ کا آغاز ہوا۔ اس لڑائی میں حضرت خنسا رضؓ کے دو بھائی معاویہ اور صخر بھی شامل تھے۔ معاویہ تو میدان جنگ میں مارے گئے۔ اور صخر زخمی ہو کر آئے۔ ایک برس کے بعد وہ انہی زخموں کی تاب نہ لا کر اس جہان ناپائدار سے دار البقا کو سدھارے۔

حضرت خنسا رضؓ کو اپنے بھائیوں سے بے حد محبت تھی اور خاص طور سے صخر تو آپ کو بہت ہی عزیز تھا۔ اس لئے اس کی موت سے آپ کو سخت رنج و قلق ہوا اور یہ صدمہ اشعار کی صورت اختیار کر کے عالم ظہور میں آیا۔ یہی حادثہ جانکاہ تھا۔ جو حضرت خنسا رضؓ کو "ارثی العرب" یعنی عرب کی بہترین مرثیہ گو ثابت کرنے کا باعث ہوا۔ آپ کا کلام فی الحقیقت رنج و غم اور یاس و حسرت کا مرقع ہے۔ جو ایک ضخیم دیوان کی صورت میں یورپ کی کئی زبانوں میں ترجمہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ قدرت کاملہ کا یہ عجیب عطیہ ہے کہ شعر و شاعری کے ساتھ ساتھ آپ کو بہادری کا بھی وہ جوہر عطا ہوا تھا۔ جس کی مثال تاریخ اسلام کے سوا کہیں

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۴۱ و اصابہ صفحہ ۵۵ و استیعاب صفحہ ۷۴۵

ونڈے سے نہیں ملتی۔

ذیل میں حضرت خنساؓ کے چند اشعار مع ترجمہ ملاحظہ کیجئے جن سے ان کے رنج و الم، سوز و گداز اور یاس و قنوط کا اندازہ ہو سکتا ہے:۔

خواتین عرب کی عادت کے موافق حضرت خنساؓ اپنے مقتول بھائی صخر کی قبر پر صبح و شام جا کر بیٹھتیں اور اس کی یاد کر کے روتیں اور یہ مرثیہ پڑھا کرتی تھیں[1]:

یذکرنی طلوع الشمس صخراً — واذکرہ بکل غروب شمس

طلوع آفتاب کے وقت صخر کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور میں ہر روز سورج غروب ہونے تک صخر کو یاد کرتی ہوں۔

ولولا کثرۃ الباکین حولی — علی موتاھم لقتلت نفسی

اگر رونے والوں کی کثرت اپنے مردوں پر میرے ارد گرد نہ ہوتی تو میں اپنی جان کو ہلاک کر دیتی۔

مرثیہ کے چند شعر یہ ہیں اور ان سے ان کی فصاحت و بلاغت اور جودت طبع کا حال معلوم ہو سکتا ہے:

اعینی جوداً ولا تجمدا — الا تبکیان لصخر الندیٰ

اے میری دونوں آنکھو! سخاوت کرو اور بخیل مت ہو کیا تم دونوں صخر جیسے سخی پر نہیں روتی ہو

الا تبکیان الجری الجمیل — الا تبکیان الفتی السیدیٰ

کیا تم دونوں ایسے شخص پر نہیں روتی جو نہایت دلیر اور خوبصورت تھا کیا تم دونوں ایسے شخص پر نہیں روتی جو جوان سردار تھا۔

---

[1] در المنثور صفحہ ۱۱۰

طویل النجاد عظیم الرماد   وساد عشیرتہ امردا

جس کا پرتلہ نہایت دراز تھا اور جو خود بھی بلند بالا تھا۔ وہ اپنے قبیلہ کا سردار ایسی حالت میں ہو گیا جبکہ وہ بہت کمسن تھا۔

اذا القوم مدوا بایدیھم   الی المجد مد الیہ یدا

جب قوم نے علو مرتبت کی طرف اپنے ہاتھ دراز کیے تو اس نے بھی اپنے ہاتھ دراز کر دیے

فنال الذی فوق ایدیھم   الی المجد ثم مضی مصعدا

پس وہ اس عزت کو پہنچ گیا جو ان لوگوں کے ہاتھوں سے بھی اونچی تھی اور اسی سعادت مندی کی حالت میں وہ گزر گیا۔

تری المجد یھدی الی بیتہ   یری افضل المجد ان یحمدا

بزرگی اس کے گھر کا رستہ بتاتی ہے اپنے تعریف کیے جانے کو سب شرافتوں سے افضل سمجھتا ہے۔

وان ذکر المجد الفیتہ   تأزر بالمجد ثم ارتدی

اگر شرافت اور عزت کا ذکر کیا جائے تو تو اس کو پائے گا کہ اس نے عزت کی چادر اوڑھ لی ہے۔

ایک جگہ صخر کی عزت و احترام کا حال بیان کرتی ہیں کہ ؎

وان صخرا لتاتم الھداۃ بہ   کانہ علم فی راسہ نار

صخر کا بڑے بڑے لوگ اقتداء کرتے ہیں گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے

انہی مرثیوں کی بدولت وہ تمام عرب میں مشہور ہو گئی تھیں۔ ان اشعار سے ان کی اپنے بھائی صخر کے ساتھ محبت کا ثبوت بالکل عیاں ہے۔

آپ کی شاعرانہ فضیلت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ شعر کے تمام اقسام

اور خصوصیت کے ساتھ مرثیہ گوئی میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔

اسلام سے والہانہ محبت:- حضرت خنساءؓ کو اسلام سے بیحد محبت اور عقیدت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی ساری دولت خدمت اسلام میں لٹا دی۔ اسلام کے ساتھ آپ کو جو حقیقی اور والہانہ عشق تھا وہ ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہے:-

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں جب ایرانیوں کے ساتھ ۱۶ھ میں مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ جو جنگ قادسیہ کے نام سے مشہور ہے۔ تو آپ سخت بیتاب ہوئیں اور اپنے چاروں بیٹے (عبداللہ، زید، معاویہ، اور عمرو) ساتھ لے کر جنگ میں شریک ہو گئیں۔ جب میدان کارزار گرم ہوا اور جنگ کا بگل بجا تو آپ نے اپنے چاروں بیٹوں کی پیشانیاں چومیں اور ان ولولہ انگیز الفاظ میں ان کے سامنے تقریر کی:-

"میرے پیارے بیٹو! تم اپنی خوشی سے اسلام لائے اور اپنی رضامندی سے تم نے ہجرت کی۔ قسم ہے اس خدائے لایزال کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے! جس طرح تم اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اسی طرح تم اپنے باپ کے سچے فرزند ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے خیانت نہیں کی۔ اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل و رسوا کیا۔ تمہارا نسب بےداغ ہے۔ اور تمہارے حسب میں کوئی نقص نہیں ہے۔ تم جانتے ہو مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کفار سے جہاد کرنے میں ایک ثواب عظیم ہے۔ تم اس بات کو خوب جان لو اور غور سے

سمجھ لو کہ عالم جاودانی کے مقابلہ میں دنیائے فانی ہیچ ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آل عمران پارہ ۴ تمام)

ترجمہ: اے مومنو! صبر کرو اور صبر کی تلقین اور جہاد کرنے کے لئے مضبوط رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو پس تم تیاری کر دو اور آخر تک لڑتے رہو۔

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۴۲)

اس کے بعد آپ کے چاروں بیٹے عرصۂ کارزار میں نہایت دلیری اور شجاعت سے لڑے اور بہت سے دشمنوں کو ڈھیر کیا۔ آخر جام شہادت پی کر جنت کو روانہ ہوئے۔ بوڑھی اور پردیسی ماں کو جب ان کی شہادت کی خبر ہوئی تو آہ و بکا کرنے کی بجائے سجدۂ شکر بجا لائیں (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۴۲) حضرت عمرؓ آپ کے بیٹوں کو دو سو درہم سالانہ فی کس دیتے تھے۔ جو ان چاروں کی شہادت کے بعد حضرت خنساءؓ کے نام برابر جاری رہے۔

وفات :۔ حضرت خنساءؓ نے جنگ قادسیہ کے سات سال بعد ۲۴ھ میں وفات پائی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہؓ بن سفیانؓ کے عہد خلافت میں آپ نے کسی بیابان میں انتقال کیا (درالمنثور صفحہ ۱۱۴)

(۳)
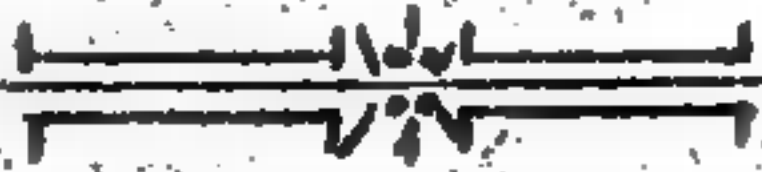
حضرت اُم رُومان بنت عامر

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام رومان کی نعش کو دیکھ کر جب کہ وہ قبر میں رکھی جا رہی تھی ارشاد فرمایا:-

من سرہ ان ینظر الی امرأۃ من الحور العین فلینظر الی ام رومان۔

ترجمہ:- "جو شخص عورتوں میں حور عین کو دیکھنا چاہے وہ ام رومان کو دیکھے"

۲- ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے:-

کانت ام رومان امرأۃً صالحۃً

(ترجمہ) ام رومان بہت نیک بیوی تھیں۔

حضرت اُم رومان رضی اللہ عنہا

نام و نسب: آپ کی کنیت ام رومان ہے اور قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس کی چشم و چراغ تھیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ (طبقات ج ۸ ص ۲۰۲)

حارث — عامر — ابو قحافہ

عبداللہ — ام رومان — ابوبکر صدیق

طفیل — عائشہ — عبدالرحمٰن
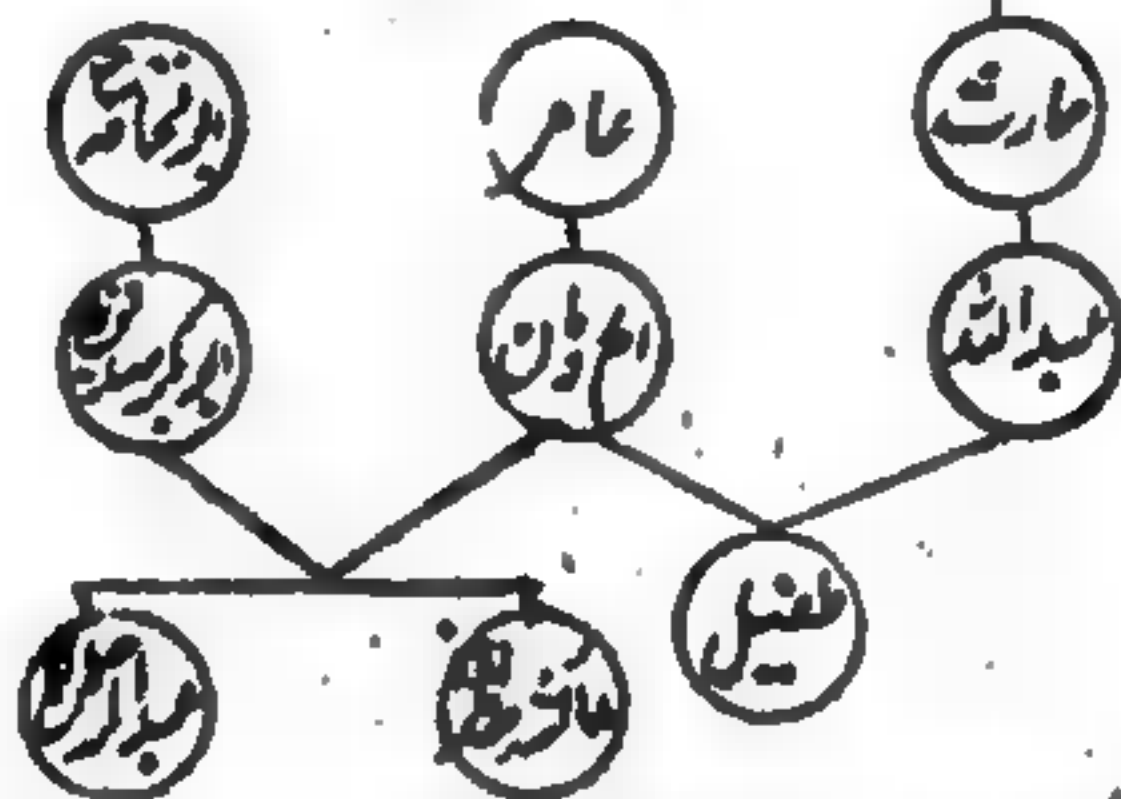
ولادت: آپ آغاز ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ والدین نے آپ کا نام کچھ اور رکھا تھا مگر آپ دنیا میں ام رومان کے نام سے مشہور ہوئیں۔

بچپن: قدرت کاملہ نے آپ میں بچپن ہی سے حسن و جمال کے ساتھ ساتھ اوصاف حمیدہ و خصائل سعیدہ کے آثار بھی نمایاں طور سے ودیعت کر رکھے تھے۔ اور اسی کے ساتھ بزرگوں کی خدمت کا جذبہ بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ لوہے کو پگھلا دینے والی شدت کی گرمی ہو یا خون کو منجمد کر دینے والی سردیوں کی برفانی سردی ہر حال اور ہر وقت میں اپنے والدین کی خدمت و اطاعت کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتی تھیں۔

مہمان نوازی کا وصف آپ میں اس قدر موجود تھا۔ کہ ماں باپ اور اعزاء داقربار اس پر بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ آپ ضرورت سے زیادہ رقیق القلب اور نرم دل بھی واقع ہوئی تھیں۔ کسی کو بھی رنج والم اور تکلیف ومصیبت میں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ محلہ میں اگر کوئی عورت بیمار پڑجاتی تو آپ نہایت ہمدردی وغمگساری سے اس کی تیمارداری کرتیں۔ اور جب تک وہ مکمل طور پر صحت یاب نہ ہوجاتی اس وقت تک اس کی دیکھ بھال میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتیں۔

فیاضی اور سخاوت میں آپ بڑا اونچا درجہ رکھتی تھیں۔ جو کچھ گھر سے خرچ ملتا اُسے چھپا کر محلہ کے مفلس ونادار بچوں اور بچیوں میں تقسیم کر دیتیں۔ اگر کوئی سائل گھر پہ آکر سوال کرتا تو اسے کچھ نہ کچھ دے کر واپس کرتیں اور ناکام ہرگز نہ لوٹاتیں۔

نکاح:- جب آپ سن بلوغ کو پہنچیں تو آپ کے والدین نے مکہ معظمہ کے ایک رئیس عبداللہ بن حارث بن سنجرہ کے ساتھ شادی کردی۔ آپ نے شادی کے فوراً ہی بعد اپنے شوہر کے گھر کا تمام کام کاج سنبھال لیا۔ اور شوہر کی خدمت واطاعت میں زندگی بسر کرنے لگیں۔ یہاں عبداللہ کے صلب سے آپ کے ہاں ایک لڑکا ہوا جس کا نام طفیل رکھا گیا۔ یہ لڑکا نہایت ذہین اور ہوشیار تھا۔ اور یہی حضرت ام رومانؓ کی محبت کا مرکز اور دل بستگی کا سرمایہ تھا۔ کیونکہ عبداللہ بن حارث نکاح کے تھوڑا ہی عرصہ بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے تھے۔ اور ان کے پیچھے بیوہ ام رومانؓ اور یتیم

طفیل بن عبداللہ کے سوا گھر میں کوئی نہ تھا۔

چونکہ عبداللہ بن حارث کا قبیلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قبیلہ کا حلیف تھا۔ اور عبداللہ بھی حضرت ابوبکرؓ کے حلیف بن چکے تھے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے خود پیغام دے کر حضرت ام رومانؓ سے شادی کرلی۔ حضرت امؓ رومان اپنی قابلیت و فرمانبرداری کی وجہ سے چند ہی روز میں حضرت صدیق اکبرؓ کی روحانی محبت کا مرکز بن گئیں۔

شرف اسلام:- یہ وہی زمانہ تھا جب نبوت کا خورشید عالمتاب کفر و باطل اور شرک و جہالت کی تاریکیوں کے پردے چاک کرتا ہوا فاران کی چوٹی سے طلوع ہوا اور اس کی اولین شعاع حضرت ام رومانؓ کے محبوب شوہر صدیق اکبرؓ کے قلب مصفا پر ضیا بار ہوئی۔ اسی کے ساتھ چند ہی روز کے بعد حضرت ام رومانؓ کا سینہ بھی نور ایمان سے منور ہو گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت:- جب اسلام کے نور مقدس کی ضیا پاشیاں شروع ہوئیں، تو کفار و مشرکین نے اسلام، شعائر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظلم و تعدی کے ہتھیار پکڑ لئے اور فرزندان توحید پر جبر و تشدد اور جور و جفا کے زہریلے تیر چلانے لگے۔ آخر ان کا ظلم و ستم جب حد برداشت سے تجاوز کر گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اور عین دوپہر کے وقت اپنے وفادار و غمگسار دوست حضرت صدیق اکبرؓ کے مکان پہ تشریف لائے اور فرمایا:-

---

لہ طفیل عبداللہ بن حارث کے بیٹے تھے اور حضرت عائشہؓ صدیقہ اور حضرت عبدالرحمٰن کے اخیافی بھائی تھے یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صلب سے تھے اور ان سب کی ایک تھی (استیعاب جلد ۲ ص۷۹۲)

"اے دوست! مجھے میرے پروردگار نے ہجرت کرنے کا حکم کر دیا ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے۔ کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فوراً کہا:-

"اور مجھے یا رسول اللہ"

آقائے نامدار نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:-

"تم کو بھی"

اس پر حضرت صدیق اکبرؓ نے رب العزت کا شکر ادا کیا۔ اور ہجرت کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ پھر ایک خاص وقت پر آنحضرتؐ اور صدیق اکبرؓ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

مسلمانوں کی ہجرت:- اسلام کا نور مقدس جب مدینہ منورہ میں حق و صداقت اور توحید و رسالت کی روشنی پھیلانے لگا اور لوگ جوق در جوق اس روشنی سے اپنے سینوں کو منیر کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ جس سے اسلام کو خاصی تقویت پہنچ گئی۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے ابو رافع اور عبداللہ بن اریقط کو مکہ معظمہ بھیج کر اپنے اہل و عیال کو مدینہ منورہ منگا لیا۔

عام حالات:- مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت ام رومانؓ آنحضرتؐ اور آپؐ کے آل و اصحاب کی خدمت میں اپنا تمام وقت صرف کرتیں، گھر کا کام، بچوں کی تعلیم و تربیت، شوہر کی خدمت و اطاعت اور اس پر صحابہ کرام کے رنج و راحت میں شرکت کرنا یہ صرف آپ ہی کا کام تھا۔

آپ اپنے شوہر کی طرح بے حد فیاض اور مہمان نواز تھیں۔ اور جہاں تک آپ سے ممکن ہوتا غریب دنادار مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ چنانچہ ۹ھ کے اواخر میں ایک روز حضرت صدیق اکبرؓ اصحاب صفہ میں سے تین بزرگوں کو اپنے گھر لائے۔ اسی دوران میں حضرت صدیق اکبرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں گئے تو واپسی میں دیر ہو گئی۔ گھر آئے تو حضرت ام رومانؓ نے کہا۔ کہ مہمانوں کو چھوڑ کر آپ کہاں بیٹھے رہے؟

حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا؟ حضرت ام رومانؓ نے عرض کیا کہ کھانا بھیجا تھا۔ مگر مہمانوں نے کھایا نہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ سنکر افسوس ہوا اور مہمانوں کو پھر کھانا کھلایا گیا جس سے اس قدر برکت ہوئی کہ بہت سا کھانا بچ رہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ام رومانؓ سے دریافت کیا کہ اب کتنا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ تین گنا سے زیادہ۔ چنانچہ یہ سب کا سب کھانا آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۴-۸۵)

وفات:۔ حضرت ام رومانؓ نے ۹ھ کے بعد اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف کوچ فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اوصاف وفضائل:۔ آپ نہایت پارسا، نیک دل اور مہمان نواز تھیں۔ جب مشرف بہ اسلام ہوئیں تو اس وقت سے ساری عمر اسلام ہی کی خدمت واطاعت میں گزار دی۔ آپ چونکہ نبی اکرمؐ کی خوشدامن تھیں اس لئے آپؐ اُن کی تعظیم فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کو بھی شہنشاہ

لہ حضرت ام رومان کی تاریخ وفات میں بہت اختلاف ہے۔ بعض ۴ھ یا ۵ھ بتلاتے ہیں اور بعض ۶ھ لیکن یہ صحیح نہیں ہے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی وفات ۹ھ سے پہلے نہیں ہوئی۔

کون ومکان ساری کائنات سے زیادہ محبوب تھے۔

آپ کی شان وعظمت میں ابن سعد نے لکھا ہے:۔

کانت ام رومان امراۃ صالحۃ (ترجمہ) ام رومانؓ بہت نیک بیوی تھیں۔

آنحضرتؐ نے بہ نفس نفیس حضرت ام رومانؓ کو قبر میں اتارا[1]۔ اور جب نعش مبارک قبر میں رکھی گئی۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔

من سرہ ان ینظر الی امرۃ من الحور العین فلینظر الی ام رومان۔ (ترجمہ) جو شخص عورتوں میں حورعین کو دیکھنا چاہے وہ ام رومان کو دیکھے"!

---

[1] ۔ حضرت عفان کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خود حضرت ام رومان کو قبر میں اتارا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ صـ۲۰۲)

(۴)

حضرت فاطمہؓ بنت اسد ہاشمیہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت فاطمہ بنت اسد ہاشمیہؓ نہایت نیک مزاج اور شریف طبع خاتون تھیں۔ رسول اللہ صلعم آپ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد حضورؐ نے فرمایا۔ "لم یکن احدٌ بعد ابی طالب ابربی منہا"۔ یعنی ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ مجھ پر کوئی مہربان نہ تھا۔

۲۔ آپ نہایت نیک، پاکباز اور صالح بی بی تھیں۔ اور آنحضرتؐ آپ کو دیکھنے جایا کرتے تھے۔ جب تک آپ زندہ رہیں سرورِ کونینؐ اپنی ماں سمجھ کر انتہائی عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور آپ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔

حضرت فاطمہؓ بنت اسدؓ

نام و نسب:- آپ کا اسم گرامی فاطمہؓ تھا اور آپ کے والد کا نام اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ آپ نسب کے لحاظ ہاشمیہ تھیں۔
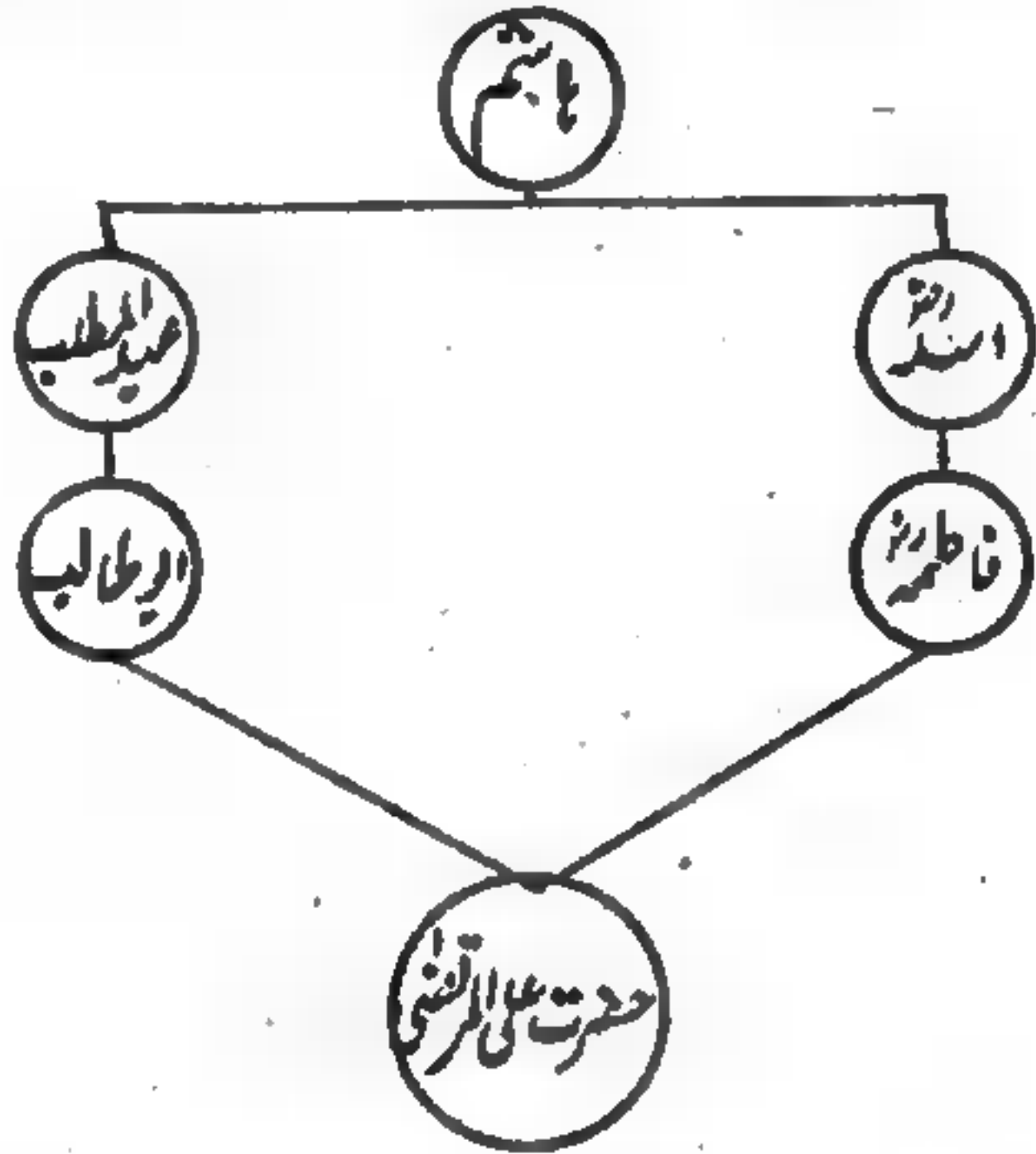
ولادت:- حضرت فاطمہؓ مکہ میں پیدا ہوئیں۔ اور آخری دم تک اسی جگہ زندگی گزاری۔

نکاح:- جب آپ سن بلوغ کو پہنچیں تو ہاشمی قبیلہ کے معزز اور نوجوان سردار ابو طالب بن عبد المطلب کے ساتھ آپ کا نکاح کیا گیا۔ اور انہی کے صلب سے آپ کے ہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پیدا ہوئے۔ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:-

هِيَ اَوَّلُ هَاشِمِيَّةٍ وُلِدَتْ لَهَا شِيًّا۔ (ترجمہ) یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جن سے ہاشمی اولاد ہوئی۔

اس لحاظ سے آپ ہاشمیوں میں پہلی خاتون تھیں۔ جن سے ہاشمی لڑکا پیدا ہو

قبول اسلام جب رسول اللہ صلعم نے اہل عرب کو دعوت اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ تو اس وقت تمام قبائل عرب میں بنی ہاشم پیش پیش رہے اور ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے۔ حضرت فاطمہؓ بھی انہی میں تھیں۔ جو خود بھی نور ایمان سے مشرف ہوئیں۔ اور شوہرؔ کے سوا آپ کی اولاد میں سے اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

خدا تعالیٰ نے آپ کو اسلام کے ساتھ ساتھ ہجرت کا شرف بھی عطا فرمایا اور

ہجرت جب آپ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائیں۔ تو آپ کے بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی چوتھی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شادی ہوئی۔

چونکہ اہل بیت اطہار کی زندگی زخارف دنیوی سے معرا اور بالکل سادہ تھی اس لئے گھر کا سارا کام خود ہی کرتے تھے۔ لونڈی یا ملازمہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت علی شیر خداؓ نے اپنی والدہ محترمہ سے عرض کیا:۔

کفی فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ سقالیۃ الماء والذھاب فی الحاجۃ ویکفک الداخل الطحن والعجن۔ (ترجمہ) "میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور فاطمہ بنت رسول اللہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کا ہاتھ بٹائے گی"

لہ ابوطالب

خدمات حسنہ: حضور نبی اکرم حبیب اپنے دادا عبد المطلب کی وفات کے بعد اپنے حقیقی چچا ابو طالب کے سایہ عاطفت میں آئے تو حضرت فاطمہؓ بنت اسد آپ کے ساتھ نہایت مشفقانہ سلوک کرتیں۔ لطف و کرم سے پیش آتیں اور آپ کی راحت و آسائش کے لئے جو کچھ بھی ممکن ہوتا اس میں کسر نہ اٹھا رکھتیں۔ اسی لئے حضورؐ آپ کی محبت اور سلوک کے مداح تھے۔

اوصاف و فضائل:- آپ نہایت نیک مزاج اور شریف خصلت خاتون تھیں حضورؐ آپ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ اور آپ کو دیکھنے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات آپ آرام بھی انہی کے ہاں فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضورؐ اپنے صحابہ کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ بیٹھے گفتگو فرما رہے تھے۔ کہ درمیان میں آپ کا ذکر آگیا حضورؐ نے فرمایا:-

لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ بَعْدَ اَبِیْ طَالِبٍ اَبَرَّ بِیْ مِنْھَا۔ یعنی ابو طالب کے بعد حضرت فاطمہ بنت اسد سے زیادہ اور کوئی مجھ پر مشفق و مہربان نہ تھا"

آپ کے فضائل بے شمار ہیں۔ درمنثور میں لکھا ہے، فَاطِمَۃُ ھٰذِہٖ لَھَا فَضَائِلُ مَشْھُوْرَۃٌ وَّ مَاثِرُ مَشْکُوْرَۃٌ مَذْکُوْرَۃٌ فِیْ کُتُبِ التَّارِیْخِ۔

ترجمہ: یہی فاطمہ ہیں جن کے فضائل و مناقب کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔

وفات:- آپ ہجرت کے بعد بوڑھی ہو گئی تھیں۔ اسی اثنار میں سخت بیمار پڑ گئیں۔ اور چند روز بیمار رہ کر اس دار فانی سے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! حضورؐ نے آپ کے کفن کے لئے اپنی قمیض مبارک عنایت فرمائی اور قبر تیار ہونے کے بعد آپؐ اس میں لیٹ گئے۔ لوگوں نے تعجب

نہ بعض مورخین کا خیال ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے وفات پا گئی تھیں۔ لیکن یہ محض خیال ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ کی وفات ہجرت کے بعد ہوئی۔

سے پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ کسی نے میرے ساتھ مہربانی نہیں کی۔ اس لئے میں نے انہیں اپنی قمیض پہنا دی تاکہ اللہ انہیں بہشتی لباس عطا کرے اور قبر میں اسلئے لیٹ گیا کہ یہ بزرگ خاتون ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہے (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۱۷)"

آپ کے ہاں متعدد اولادیں ہوئیں۔ مگر ان میں حضرت جعفرؓ، حضرت علیؓ

اولاد:- حضرت عقیلؓ، حضرت طالبؓ چاروں بیٹے اور بیٹی حضرت ام ہانیؓ خاص طور پہ قابل ذکر ہیں کہ ان سے اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔

ؔ طالبؓ، عقیلؓ، جعفرؓ اور علیؓ آپ کی اولاد نرینہ اور ام ہانیؓ، جمانہؓ اور ربطہ اولاد اناث (طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۶۱)

(۵)

حضرت خولہ بنت حکیم

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت خولہؓ بنت حکیم کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کے متعلق قرآن کریم میں ایک آیہ شریفہ نازل ہوئی جس سے آپ کا مرتبہ صحابیات میں بہت بلند ہو گیا۔

۲۔ آپ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتی تھیں۔ اور اللہ ورسولؐ کے سوا ہر شخص کے منہ پر سچی بات کہنے میں کبھی تامل نہ کرتی تھیں۔ خواہ اس کی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ خلافت فاروقیہ کے عہد میں آپ نے ایک دفعہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ سے کہا۔

"اے عمرؓ! میں نے تمہارا وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب تم کو لوگ عکاظ کے بازار میں عمر کہتے تھے۔ اب تو تمہارا لقب امیرالمومنین ہے۔ پس رعایا کے معاملہ میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب الٰہی سے ڈرے گا۔ اس پر بعید قریب ہو جاتے گا۔ اور جو موت سے ڈرے گا اس کو مر جانے کا خوف ہر وقت ستاتا رہے گا۔

حضرت خولہؓ بنت حکیم

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک خولہؓ اور کنیت ام شریک تھی۔
آپ قبیلہ سلیم کی چشم وچراغ تھیں اور رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:-
خولہؓ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن اوقص بن مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم۔[۱]

نکاح:- جب آپ سن بلوغ کو پہنچیں تو آپ کا نکاح حضرت عثمان بن مظعونؓ سے ہوا جو نہایت بلند مرتبہ صحابی تھے۔

ہجرت:- نکاح کے بعد ہی آپ نے مسلمان ہو کر ہجرت کی۔ ۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمان بن مظعونؓ وفات پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت خولہؓ نے اس کے بعد دوسرا نکاح نہیں کیا۔ آپ اکثر پریشان ومغموم رہتی تھیں۔[۲]

اوصاف وفضائل:- استیعاب میں لکھا ہے کہ:- کانت امرأۃ صالحۃ فاضلۃ (ترجمہ) "وہ ایک نیک اور قابل عزت بیوی تھیں"۔
آپ شجاعت وبہادری، غیرت وحمیت اور عقل وذہانت میں بے مثل تھیں۔ نہایت عابدہ وزاہدہ تھیں۔ اور انہی خصائل کی وجہ سے سب میں ہردلعزیز تھیں۔ مسند میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ بعض صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے کو آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

۱؎ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۴۱ ۲؎ استیعاب ج ۲ ص ۷۴۲ و دیگر کتب

تصوم النهار و تقوم اللیل (ترجمہ) دن کو روزہ رکھتیں اور رات کو عبادت کرتی تھیں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۰۹)

آپ کو زیور سے بڑی رغبت تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے حضورؐ سے عرض کی:۔

"یا رسول اللہؐ! اگر طائف فتح ہو تو مجھ کو بادیہ بنت غیلان یا فارعہ بنت عقیل کا زیور دے دیجئے گا"

حضورؐ نے فرمایا:۔

"اگر خدا اس کی اجازت نہ دے تو میں کیا کروں" (استیعاب جلد ۲ ص ۴۲)۔

آپ سے جو احادیث مروی ہیں ان کی تعداد ۱۵ بتائی جاتی ہے اور آپ سے روایت کرنے والوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت سعید بن المسیب، حضرت بشرؓ بن سعید وغیرہ۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۵۵)

حق گوئی و بیباکی:۔ حق گوئی و بیباکی حضرت خولہؓ بنت حکیم کا بہت بڑا وصف تھا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت آپ کو سچی بات کہنے سے روک نہ سکتی تھی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتی تھیں۔ اور نہ کسی سے مرعوب ہونا جانتی تھیں۔ خواہ مقابلہ میں کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہوتی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ مسجد سے واپس آ رہے تھے۔ اس وقت آپ مسند خلافت پر متمکن تھے۔ اور آپ کی عظمت و جاہت کے سامنے ہر شخص دم بخود تھا۔ اتفاق سے راستے میں حضرت عمرؓ کی ملاقات حضرت خولہؓ بنت حکیم سے ہو گئی۔ حضرت عمرؓ

سے نے بڑے ادب سے آپ کو سلام کہا۔ حضرت خولہؓ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا:۔

"اے عمرؓ! میں نے تمہارا وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب تم کو لوگ عکاظ کے بازار میں عمر کہتے تھے۔ اور اب تمہارا لقب امیر المومنین ہے۔ پس رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب الٰہی سے ڈرے گا۔ اس پر بعید قریب ہو جائے گا۔ اور جو موت سے ڈرے گا اس کو مر جانے کا خوف ہر وقت ستاتا رہے گا۔"

حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر خلیفۂ اسلام کو سر راہ روک کر ڈانٹ دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اور نہ ہر شخص کو یہ جرأت ہو سکتی تھی۔ مگر حضرت خولہؓ کے جذبۂ حق گوئی کا کرشمہ تھا۔ کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے ڈرتی نہ تھیں۔ اور اللہ و رسولؐ کے علاوہ ہر شخص کے منہ پر سچی بات کہنے میں تامل نہ کرتی تھیں۔ اور حضرت عمرؓ کی صفت تھی کہ حق گوئی کی قدر کرتے تھے۔

(۶)

حضرت خولہ بنت ازور

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

۱۔ حضرت خولہؓ بنت ازور کا نام اوراق تاریخ میں شمع تاباں کی طرح چمک رہا ہے۔ اور اس کی روشنی مسلمان خاتون کی غیرت وحمیت اور شجاعت و بلند کرداری کے غیر فانی نقوش کو نمایاں کرتی ہے۔

۲۔ نقاب پوش سوار کی تلوار بجلی کی طرح کوندتی ہوئی جس کے سر پہ گرتی اس کے دو ٹکڑے کر دیتی اور وہ انتہائی جوش وخروش سے چاروں طرف تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں رومی ذلت آمیز شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ تو حضرت خالدؓ نے پوچھا، اے بھائی! ہم سب حیران ہیں اور تجھے پہچان نہیں سکے۔ اس نے جواب دیا۔ اے سردار! میں اس لئے علیحدہ رہی ہوں کہ پردہ نشین ہوں۔ حضرت خالدؓ اور بھی متحیر ہوئے اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں خولہؓ ہوں، ازور کی بیٹی اور ضرارؓ کی بہن۔

حضرت خولہؓ بنت ازور

نام ونسب:- آپ کا نام خولہؓ تھا۔ آپ مشہور صحابی حضرت ضرارؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ اور آپ کے والد کا نام ازور بن سنان تھا۔ آپ نہایت حسین و خوش جمال تھیں۔ اور اسی کے ساتھ حد درجہ مستقل مزاج، جرأت مند، دلیر اور بہادر تھیں۔ فنون جنگ میں آپ ایسی حیرت انگیز مہارت رکھتی تھیں کہ بڑے بڑے بہادر آپ کے مقابلہ کی تاب نہ لاتے تھے۔

آپ کو شروع ہی سے خدمت اسلام کا حد سے بڑھ کر شوق تھا۔ جہاد کے زمانے میں آپ مشکیزہ اٹھا کر مجاہدین کو پانی پلانے کی خدمت انجام دیتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔ آپ کو اپنے بھائی ضرارؓ سے بے انتہا محبت تھی۔

حضرت خولہؓ اگرچہ بالکل نو عمر لڑکی تھیں، مگر جرأت و ہمت، شجاعت و بہادری اور عزم و استقامت میں کوئی عورت آپ کی برابری نہیں کر سکتی تھی۔ آپ نے جنگ کے اکثر میدانوں میں اپنی دلیری و شجاعت کے ایسے ایسے جوہر دکھائے تھے۔ کہ ان پر مردوں کی بہادری بھی رشک کھاتی تھی۔ اور دشمن انہیں دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔

جرأت و شجاعت حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں اسلامی فوج نے شام کے دارالسلطنت دمشق پر چڑھائی کی اور اس تاریخی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ان دنوں حضرت خالدؓ بن ولید لشکر اسلامی کے سپہ سالار اعظم

تھے۔ عیسائی شہنشاہ ہرقل اعظم نے حاکم حمص وردان کی قیادت میں بارہ ہزار مسلح سواروں کی جمعیت اہل دمشق کی امداد کے لئے بھیجی۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اس فوج کی پیش قدمی روکنے کی غرض سے حضرت ضرارؓ کی قیادت میں پانچ سو مجاہدین کا ایک دستہ روانہ کیا۔ ان دونوں دستوں کے مابین جنگ ہوئی لیکن دشمن کی تعداد چونکہ مسلمان فوج سے چوبیس گنا زائد تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اس کے نتیجہ میں حضرت ضرارؓ گرفتار کر لئے گئے۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید کو خبر ہوئی تو وہ ایک ہزار سوار لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت خالدؓ سب سے آگے تھے۔ مگر یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی کہ کمیت گھوڑے پر ایک سوار ہاتھ میں نیزہ لئے ان سے بھی آگے برق رفتاری سے جا رہا ہے۔ حضرت خالد پہچان نہ سکے۔ کیونکہ اس نے چادر کا فرغل بنا کر سر پر اس طرح رومال لپیٹ رکھا تھا۔ کہ وہ نقاب معلوم ہوتا تھا۔ اور اس میں سے آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ حضرت خالدؓ نے بہت کوشش کی مگر پہچاننے میں کامیابی نہ ہوئی۔ پھر اس کو جاسوسی کے شبہ سے پکڑنے کی بھی کوشش کی۔ مگر اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ وہ سوار ہوا سے باتیں کرتا ہوا بڑھتا چلا گیا۔ اور جاتے ہی عیسائی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس نے اپنی حیرت انگیز دلیری اور مستعدی سے کئی دشمن مار گرائے۔ اور اتنے میں مسلمان فوج بھی پہنچ گئی۔ مگر وہ سوار نہایت جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ اس پُر اسرار سوار کی تلوار بجلی کی طرح کوندتی ہوئی جس کے سر پہ گرتی اس کے دو

ٹکڑے کر دیتی۔ وہ انتہائی جذبہ و جوش سے تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد رومی فوج ذلت آمیز شکست کھا کر بھاگ نکلی۔ تو حضرت خالدؓ نے اس سوار سے پوچھا کہ اے بھائی! ہم سب حیران ہیں اور تجھے پہچان نہیں سکے۔ اس نے جواب دیا، اے سردار! میں نافرمانی کے باعث نہیں۔ بلکہ اس لئے علیحدہ رہی ہوں کہ میں پردہ نشین ہوں۔ حضرت خالدؓ اور بھی زیادہ متحیر ہوئے اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا، میں خولہؓ ہوں ازور کی بیٹی اور ضرارؓ کی بہن! یہ معلوم کر کے حضرت خالدؓ کو بے حد خوشی ہوئی۔ اور آپ نے ایک سو سواروں کا دستہ حضرت ضرارؓ کو آزاد کرانے کے لئے بھیجا جس کے ساتھ حضرت خولہؓ بھی گئیں۔ اور بھائی کو آزاد کرا کے لائیں۔

اسلامی خدمات: تاریخ اسلام کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کی بہادری اور اولوالعزمی بھی اپنے بے شمار جوہر دکھاتی رہی ہیں۔ اور جب بھی ضرورت پیش آئی۔ عورتوں نے نہایت عزم و جانفشانی اور ہمت و مستعدی سے مردوں کا ہاتھ بٹایا۔ خصوصاً کفار کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ و جدل کے جو معرکے ہوئے ان میں عورتوں نے بھی شریک ہو کر بہادری و شجاعت کے جوہر دکھائے۔ حضرت خولہؓ ایسے موقعوں پر اپنے بھائی ضرارؓ کے ساتھ سب سے پیش پیش دکھائی دیتی تھیں۔ شام اور مصر کی فتوحات میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ان سے اسلامی لشکر کے سردار آپ کی جرأت و شجاعت کے قائل ہو گئے۔ اور خصوصاً حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت ابو عبیدہؓ جیسے عظیم القدر

سپہ سالار آپ کے بے حد مداح اور قدر دان تھے۔
جنگ یرموک میں حضرت خولہؓ کچھ مسلمان عورتوں کے ہمراہ ایک جگہ کھڑی تھیں کہ دفعتہً کفار نے ان پر حملہ کر دیا۔ تمام مسلمان خواتین لڑنے لگیں۔ مگر چند بزدل عورتیں بھاگنے پر آمادہ ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر حضرت خولہؓ غصہ سے بیتاب ہو گئیں اور پرجوش لہجہ میں انہیں للکارا کہ :-

"تم ہماری جماعت سے فوراً علیحدہ ہو جاؤ! تم ہرگز اس قابل نہیں ہو کہ ہمارے ساتھ رہو۔ کیا تم اس آڑے وقت پر ہمیں بزدل بناتی ہو؟ کیا تم ہمارے حوصلے پست کرتی ہو۔ اور اس طرح ہمارے نام پر بزدلی کا بدنما داغ لگاتی ہو۔ جاؤ! جلد سے جلد یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اور ہماری جماعت سے نکل جاؤ! اب ہمارے ساتھ تمہارا کوئی سروکار نہیں ہے"

یہ ولولہ انگیز ڈانٹ ان عورتوں کے لئے تازیانہ عبرت ثابت ہوئی جس سے ان کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں پھر بندھ گئیں۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ کر منت سماجت کی اور قسم کھا کر عرض کیا کہ :-

"آئندہ ہم سے ایسا قصور سرزد نہ ہوگا۔ ہم جان دے دیں گی۔ لیکن اس جگہ سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹیں گی"

اس کے بعد ان عورتوں نے ایسا ہی کیا جیسا کہ قسم کھائی تھی۔ اور نہایت بہادری سے کفار کے مقابلہ پر ڈٹ گئیں۔ وہ ایسی دلیری کے ساتھ جنگ آزما ہوئیں کہ کفار کے چھکے چھڑا دیئے۔

اس دوران میں حضرت خولہؓ لڑتے لڑتے زخمی ہو گئیں۔ لیکن اسی کے ساتھ بڑے پرجوش الفاظ میں باقی عورتوں کا دل بھی بڑھاتی رہیں۔ اچانک ایک کافر ملعون کی تلوار آپ پر آ پڑی جس سے آپ کو بڑا کاری زخم لگا۔ اور تمام جسم خون سے تربتر ہو گیا۔ آپ کی ایک ساتھی عورت نے یہ دیکھا تو غضبناک ہو کر اس کافر پر ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ اسی وقت واصل جہنم ہو گیا۔ پھر وہ عورت حضرت خولہؓ کو میدان جنگ سے اپنے کندھے پر اٹھا کر خیمے میں لے گئی۔ شام کو جب مسلمان میدان جنگ سے لوٹے تو حضرت خولہؓ نے مشکیزہ لے کر سب کو پانی پلایا۔ مگر اپنے زخموں کی کچھ پروا نہ کی۔

ایک دفعہ حضرت خولہؓ چند مسلمان خواتین کی معیت میں تھوڑی سی فوج کے ساتھ جا رہی تھیں کہ اچانک کفار کے ایک بھاری لشکر نے یک دم حملہ کر دیا۔ مسلمان خواتین نہایت بے جگری سے لڑیں۔ لیکن کفار کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کو شکست کھانا پڑی۔ اور سب کی سب خواتین گرفتار ہو گئیں۔ کفار اپنی اس اتفاقیہ کامیابی پر پھولے نہیں سماتے تھے۔ اور مسلمان خواتین کو گرفتار کر کے اترا رہے تھے۔ آخر ان سب خواتین کو انہوں نے ایک محفوظ و مضبوط خیمے میں بند کر دیا۔

حضرت خولہؓ کو اس ناکامی اور شکست کا سخت افسوس ہوا اور آپ کی غیرت و حمیت نے یہ گوارا نہ کیا۔ کہ کفار کے ہاتھوں میں قیدی بن کر رہیں۔ چنانچہ آپ نے مسلمان خواتین کو مخاطب کر کے نہایت پرجوش اور ولولہ انگیز الفاظ میں کہا کہ:۔

"بہنو! کیا تم یہ گوارا کرو گی کہ کفار کی قیدی بن کر رہو؟ کیا تم یہ برداشت کرو گی کہ سارے عرب میں تمہاری بزدلی اور کم ہمتی کا چرچا ہو؟ کیا تم میں غیرت و حمیت مفقود ہو گئی ہے؟"

یہ سنتے ہی سب خواتین جوش میں آگئیں۔ اور ان میں سے ایک نے حضرت خولہؓ کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے خولہؓ! ہمیں موت سے ایک ذرہ برابر خوف و خطر نہیں ہے۔ اس سے پہلے بارہا ہماری آزمائش ہو چکی ہے۔ اور ہم شجاعت و جرأت کے جوہر دکھا چکی ہیں۔ افسوس ہے کہ اس وقت ہم نہتی ہیں ورنہ ہم ان کافروں کو دکھا دیتیں کہ ہم میں ابھی ہمت و خودداری موجود ہے۔"

حضرت خولہؓ نے اس خاتون سے یہ جواب سنکر فرمایا کہ:۔

"ہتھیار نہیں ہیں تو کچھ غم اور پروا نہیں۔ ہاتھ تو خدا تعالےٰ نے بخشے ہیں۔ اس قید خانہ میں جو ہتھیار بھی میسر آسکیں ان سے کام لو۔ اور کچھ نہیں تو خیموں کی میخیں اکھاڑ ڈالیں، چوبیں نکال لیں اور دشمنوں پر یکبارگی حملہ کر دیں۔"

حضرت خولہؓ کا یہ کہنا تھا۔ کہ سب خواتین خیموں کی طرف چل پڑیں اور ان کی میخیں اور چوبیں ہاتھوں میں پکڑ کر خیموں سے باہر نکلیں۔ پھر جو کافر بھی سامنے چڑھا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا یا بری طرح زخمی کیا۔ اس واقعہ میں تمام کفار میں افراتفری پھیل گئی۔ اور کافروں کے سردار نے

مسلم خواتین سے سوال کیا۔

"اس سے تمہارا کیا مطلب ہے ؟"

خواتین نے نہایت جرأت و دلیری سے جواب دیا کہ:۔

"مارنا یا مرنا"

ان الفاظ کے ساتھ ہی مسلم خواتین نے بڑے جوش و خروش سے یکبارگی حملہ کیا۔ اور بہت سے کافروں کو واصل جہنم کر دیا۔ ان کے سردار نے خوفزدہ ہو کر گھبرائے ہوئے سپاہیوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ سپاہی تلواریں پکڑ کر مسلم خواتین سے نبرد آزما ہوئے۔ لیکن مسلم خواتین پر ان کے حملے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ نہایت عزم و استقامت اور دلیری و جانبازی سے ان کے مقابلہ میں ڈٹی رہیں۔ اور انہوں نے اسی جوش و خروش کا اظہار کیا جس کے ساتھ وہ خیمے سے نکلی تھیں۔ وہ چٹانوں کی طرح اپنی جگہ پر کھڑی رہیں۔ اور ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹیں۔ اتنے میں دفعتہً مسلمان سردار بہت سا لشکر لے کر پہنچ گئے۔ اور اسلامی لشکر کے اللہ اکبر کے نعروں سے گردو پیش کی فضا اور دور دور تک دشت و جبل گونج اٹھے۔ اس کے بعد مجاہدین اسلام کے پہلے ہی حملے میں کفار کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے۔ مسلمان سرداران تمام عورتوں کو دشمن کے نرغہ سے نکال کر صحیح و سلامت واپس لے آئے۔

بھائی سے محبت:۔ حضرت خولہؓ کو اپنے بھائی سے بے حد محبت تھی اور انہیں اس قدر چاہتی تھیں کہ ان کی ذرا سی تکلیف بھی گوارا

نہیں کرتی تھیں۔ جنگ میں اگر وہ خود زخمی ہو جاتیں تو ذرا بھی پروا نہ کرتیں۔ لیکن ضرارؓ جب کفار سے لڑتے ہوئے زخمی ہو جاتے تو بہت بے قرار ہو جاتی تھیں۔ اور رو رو کر اور گڑگڑا کر بارگاہ ایزدی میں دعا مانگتی تھیں کہ:

"کہ اے خالق حقیقی! میرے بھائی ضرار کو خدمت اسلام کے لئے سلامت رکھ۔ اس کی جان میری جان سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ وہ مجھ سے کہیں بڑھ کر اسلام کی خدمت کر سکتا ہے"

چنانچہ ضرارؓ کی گرفتاری کی خبر جب آپ کے کانوں تک پہنچی تو بہت بے قرار ہو گئیں۔ اور جب تک اپنے بھائی کو کفار کی قید و بند سے صحیح و سلامت چھڑا نہ لائیں۔ اس وقت تک آپ چین سے نہ بیٹھیں۔

حضرت خولہؓ اور حضرت ضرارؓ کا معمول تھا۔ کہ جنگ میں دونوں بہن بھائی ساتھ ساتھ لڑتے تھے۔ اور گھوڑے سے گھوڑا ملائے رکھتے تھے کہ:

"اگر ہم میں سے کوئی ایک شہید ہوا تو حشر ہی میں ملاقات ہو گی"

خوف و ہراس، رنج و غم، ناامیدی اور گھبراہٹ ان کے پاس تک نہ پھٹکتی تھی۔ اور نہ اضطراب و پریشانی قریب آنے پاتی تھی۔ بہن بھائی معرکہ کارزار میں نہایت اطمینان سے داد شجاعت دیتے تھے۔ اور اس کی مثال تاریخ عالم میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ خدا تعالے اپنی بے انتہا رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل

فرمائے۔ آمین!

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگ یرموک میں حضرت خولہؓ کی شرکت سے جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اس لڑائی میں جب فوج کے بائیں حصّے کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے تیزی سے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ تو حضرت خولہؓ یہ شعر پڑھ کر مردوں کو غیرت دلاتی تھیں:۔

"اے پاک دامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو! موت اور تیر دل کا نشانہ نہ ہو۔"

حضرت خولہؓ بن ازور کا نام اوراق تاریخ میں شمع تاباں کی طرح چمک رہا ہے۔ اور اس کی روشنی مسلمان خاتون کی غیرت و حمیّت اور شجاعت و بلند کرداری کے غیر فانی نقوش کو نمایاں کرتی ہے۔ خدا کرے ہماری بہنیں اور ہماری بیٹیاں خود نمائی اور بناوٹی تکلفات کے ماحول سے باہر نکل کر بلند کرداری کی وادی میں قدم رکھیں۔ اور اپنے عمل و اخلاق سے دنیا پر یہ ثابت کر دیں۔ کہ مسلمان عورت اپنے حزم و ہمت سے وقت کا دھارا بدل دینے کی آج بھی طاقت رکھتی ہیں۔ اور محض نمائشی تخیلات کی غلامی میں زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتیں۔

کیا خواتین اسلام حضرت خولہؓ بن ازور کے لازوال کارناموں سے درس عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوں گی؟

(۷)

حضرت اسماء بنت عمیس

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ ۳۸ھ میں جب حضرت اسماءؓ کے فرزند محمد بن ابی بکرؓ مصر میں شہید ہوئے ۔ اور ظالموں نے ان کی نعش بے دردی سے گدھے کی کھال میں جلائی تو ظاہر ہے کہ حضرت اسماءؓ کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ اور دردناک منظر کیا ہو سکتا تھا لیکن آپ نہایت صبر و شکر کے ساتھ ثابت قدم رہیں ۔ اس واقعہ کو سنکر جا نماز بچھائی اور نماز میں مصروف ہو گئیں ۔

۲۔ آپ نہایت عابدہ، زاہدہ اور پرہیز گار خاتون تھیں ۔ اور اپنا زیادہ سے زیادہ وقت خدا کی یاد اور ذکر و عبادت میں گزارتی تھیں ۔

حضرت اسماءؓ بنت عمیس

نام و نسب :- آپ کا اسم مبارک اسماء تھا، اور قبیلہ خثعم سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے والد کا نام عمیس بن سعد بن تمیم بن حارث تھا۔ اور والدہ کا نام ہند (خولہ) بنت عوف جن کا تعلق قبیلہ کنانہ سے تھا[1]۔

پہلا نکاح :- آپ کا پہلا نکاح حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے ہوا[2]۔

شرف اسلام :- حضرت اسماءؓ مکہ معظمہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ارقمؓ کے مکان میں قیام پذیر ہونے سے پیشتر مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ اور آنحضرتؐ سے بیعت کا شرف حاصل کیا اسی موقع پر آپ کے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے بھی اسلام قبول کر لیا[3]۔

ہجرت :- آپ نے اپنے شوہر حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی ... ... اور قیام حبشہ کے دوران میں حضرت جعفرؓ کے صلب سے آپ کے ہاں تین فرزند ۱۔ محمد، ۲:- عبداللہ، اور ۳:- عون پیدا ہوئے[4]۔

عام حالات :- حبشہ میں چند سال قیام کرنے کے بعد ۷ھ میں حضرت اسماءؓ مدینہ منورہ چلی آئیں۔ اور حضرت حفصہؓ کے گھر قیام کیا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ تشریف لے گئے اور دریافت کیا، یہ کون

---

[1] اسد الغابہ ص ۳۹۵ [2] طبقات صفحہ ۲۰۵ و استیعاب صفحہ ۷۲۵
[3] طبقات صفحہ ۲۰۵ و سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۳۶ [4] طبقات ص ۲۰۵، استیعاب ص ۷۲۵

ہیں ؟ جواب ملا ، اسماءؓ ، حضرت عمرؓ نے کہا ، اچھا وہ حبش والی ۔ وہ سم
والی ۔ حضرت اسماءؓ نے کہا جی ہاں وہی ! پھر حضرت عمرؓ نے حضرت
سے مخاطب ہو کر کہا ، " ہم کو تم پر فضیلت حاصل ہے ۔ اس لئے کہ
مہاجر ہیں " ۔

حضرت اسماءؓ کو یہ فقرہ سن کر بہت ملال ہوا ۔ اور آپ نے جو
دیتے ہوئے کہا کہ " ہاں ! آپ سچ فرماتے ہیں ۔ لیکن حال یہ ہے کہ آپ لوگ
صلعم کے ساتھ تھے ۔ آپ بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور جاہلوں کو تعلیم د
تھے ۔ مگر ہم خدا اور رسولؐ کی رضا جوئی کے لئے دور دراز مقام ک
کس مپرسی کے عالم میں پڑے رہے ۔ اور سخت سے سخت مصائب کا ص
استقلال سے مقابلہ کرتے رہے " ۔

آپ یہ فرما رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے
اور حضرت اسماءؓ نے یہ سب ماجرا آپؐ سے بیان کیا ۔ حضرت رحمۃ ل
نے ارشاد فرمایا کہ : ۔

" انہوں نے (حضرت عمرؓ) نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجر
کیں ۔ اس اعتبار سے تم کو زیادہ فضیلت ہے " ۔

پیارے نبیؐ کے اس مسرت خیز ارشاد پر حضرت اسماءؓ اور دیگر م
کو بڑی خوشی ہوئی ۔ اس کے بعد حضرت اسماءؓ کے پاس مہاجرین
آتے تھے ۔ اور اس ارشاد نبیؐ کی وجہ دریافت کرتے تھے ۔

حضرت جعفرؓ کی شہادت : ۔ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں غزوہ موتہ

آپ کے شوہر حضرت جعفرؓ شہید ہو گئے۔ اور جب یہ خبر نبی اکرمؐ نے سنی تو آپ کو بے حد رنج ہوا۔ آپ حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لائے حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر پہنچائی۔ حضرت اسماءؓ کے لئے شوہر کی شہادت سخت صدمے کا باعث تھی۔ اس لئے آپ نے زیادہ فغاں کا اظہار کیا۔ تو اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ کو نصیحت فرمائی کہ:۔

"ہاتھ سے سینہ کوبی نہ کرو۔ اور نہ بین کرو۔"

یہ ہدایت فرمانے کے بعد آنحضرتؐ گھر تشریف لے گئے اور حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ جعفر کے بچوں کے لئے کھانا تیار کرو۔ کیونکہ اسماءؓ آج غم میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم مسجد میں جا کر مغموم حزون بیٹھے رہے اور پھر حضرت جعفرؓ کی شہادت کا اعلان کیا۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ جعفرؓ مستورات ماتم کر رہی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جاؤ انہیں منع کرو۔ وہ آدمی تھوڑی دیر کے بعد پھر آیا اور عرض کیا کہ حضورؐ! وہ باز نہیں آتیں۔ آنحضرتؐ نے دوبارہ پھر کہلا بھیجا لیکن اس پر بھی کوئی اثر نہ ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ "ان کے منہ میں خاک بھر دو۔"

اس واقعہ کے تیسرے دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماءؓ کے گھر میں تشریف لے گئے اور حضورؐ نے سوگ کرنے کی سخت

صحیح بخاری صفحہ ۲۰۷،۲۰۸ جلد ۲ و طبقات ابن سعد صفحہ ۲۰۵ جز ۸

ممانعت فرمائی۔[2]

دوسرا نکاح حضرت جعفرؓ کی شہادت کے وقت حضرت اسماءؓ کی عمر ۔۔ برس کے قریب تھی۔ اس واقعہ شہادت کے چھ ماہ شوال سنہ ۸ھ میں یعنی غزوہ حنین کے زمانے میں حضرت اسماءؓ کا دوسرا نکاح حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا۔

دو برس بعد حضرت ابوبکرؓ کے صلب سے محمد پیدا ہوئے۔ اس وقت حضرت اسماءؓ حج کے لئے مکہ معظمہ آئی ہوئی تھیں۔ اور مقام ذوالحلیفہ میں محمد کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسماءؓ بہت متفکر ہوئیں کہ اب حج کیسے ادا کریں گی۔ چنانچہ آپ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ:

"غسل کر کے احرام باندھ لو!"[1]

سنہ ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ اس دار فانی سے کنارہ کش ہو کر عالم باقی کی طرف رحلت فرما گئے۔ تو حضرت اسماءؓ پھر غم و اندوہ میں مبتلا ہو گئیں اور آپ کو اپنے دوسرے جلیل القدر شوہر کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وصیت کے مطابق حضرت اسماءؓ ہی نے آپ کو غسل دیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت آپ کے صاحبزادے محمد کی عمر تین سال کی تھی۔[3]

تیسرا نکاح حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت اسماءؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکاح کر لیا۔ محمد بن ابی بکر بھی اپنی والدہ کے ہمراہ

---

[1] اصابہ جلد ۸ صفحہ ۹ [2] طبقات صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸ [3] صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۳۸۵، ج ۸ صفحہ ۹
[4] اصابہ ج ۸ صفحہ ۹

اور حضرت علیؓ کی آغوش میں تربیت حاصل کی

ایک روز محمد بن جعفرؓ اور محمد بن ابوبکرؓ دوران گفتگو میں باہم فخر کر رہے تھے۔ اور ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہوا یہ کہتا تھا۔ کہ ہم تم سے زیادہ معزز ہیں۔ اور میرے والد تمہارے والد سے زیادہ افضل تھے۔ یہ بحث بڑی دیر تک دونوں میں جاری رہی۔ جسے سنکر حضرت علیؓ نے اپنی اہلیہ حضرت اسماءؓ سے کہا کہ تم ان کا فیصلہ کر دو!

حضرت اسماءؓ نے دونوں بچوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں نے نوجوانان عرب میں حضرت جعفرؓ سے بڑھ کر کسی کو نہ پایا اور بوڑھوں میں حضرت ابوبکرؓ سے اچھا کسی کو نہ دیکھا۔ حضرت علیؓ نے جب یہ فیصلہ سنا تو فرمایا کہ ہمارے لئے تو تم نے کچھ بھی نہ چھوڑا[1]

حضرت اسماءؓ کے ہاں حضرت علیؓ کے صلب سے ایک فرزند یحییٰ پیدا ہوئے[2] محمد بن عمر سے طبقات صفحہ ۲۰۸ میں مروی ہے کہ حضرت علیؓ کے صلب سے یحییٰ اور عون ناموں کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ لیکن اکثر ارباب سیر کا اسی پر اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کے صلب سے صرف یحییٰ پیدا ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے۔ تو

حکمت:۔ حضرت ام سلمیٰؓ اور حضرت اسماءؓ نے آپؐ کا مرض "ذات الجنب" تشخیص کر کے آپؐ کو دوا پلانا چاہی۔ لیکن حضورؐ چونکہ دوا کے عادی نہ تھے۔ اس لئے آپؐ نے دوا پینے سے انکار کر دیا۔ مگر حضرت اسماءؓ نے دوا پلا ہی دی۔ تھوڑے وقفہ کے بعد حضورؐ کو افاقہ کا احساس ہوا۔ اور آپؐ

---

[1] طبقات ص ۲۰۸ و اصابہ ج ۸ صفحہ ۹ [2] استیعاب ص ۷۳۵ و اسد الغابہ ص ۳۹۵

نے فرمایا "اس تدبیر کا مشورہ اسماءؓ نے دیا ہوگا"[۱]

صبر و استقلال — ۳۸ھ حضرت اسماءؓ کے فرزند محمد بن ابی بکرؓ ۲۸ سال کی عمر میں مصر میں شہید ہوئے اور ظالموں نے انکی نعش نہایت بیدردی سے گدھے کی کھال میں جلادی تو یہ جانکاہ حادثہ اور دردناک منظر حضرت اسماءؓ کے لیے جس قدر تکلیف دہ ہوسکتا تھا وہ بالکل ظاہر ہے۔ لیکن آپ نہایت صبر و شکر کے ساتھ ثابت قدم رہیں اور جانماز بچھا کر نماز میں مصروف ہو گئیں[۲]

فضل و کمال — حضرت اسماءؓ کو خواب کی تعبیر نکالنے کا خاص ملکہ تھا چنانچہ حضرت عمرؓ بھی آپ سے اکثر خواب کی تعبیر پوچھا کرتے تھے[۳] ساٹھ احادیث نبویؐ حضرت اسماءؓ سے مروی ہیں جن کے راویوں کے نام حسب ذیل ہیں :-

فاطمہ بنت علیؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، ابن عباسؓ، قاسم بن محمدؒ، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عروہؒ، ابن مسیبؒ، ام عونؒ بنت محمد بن جعفرؓ، ابو یزید مدنی۔

اولاد :- حضرت اسماءؓ کی کل سات اولادیں ہوئیں۔ پانچ لڑکے دو لڑکیاں۔
۱۔ پہلے شوہر حضرت جعفرؓ کے صلب سے تین لڑکے محمدؓ، عبداللہؓ، عونؓ۔
۲۔ دوسرے شوہر حضرت ابوبکرؓ سے ایک لڑکا محمدؓ ۳۔ تیسرے شوہر حضرت علی شیر خدا سے ایک لڑکا یحییٰؓ

حضرت اسماء بنت عمیس کے بطن سے :-

جعفرؓ — محمدؓ، عبداللہؓ، عونؓ | ابوبکرؓ — محمدؓ | علیؓ — یحییٰؓ
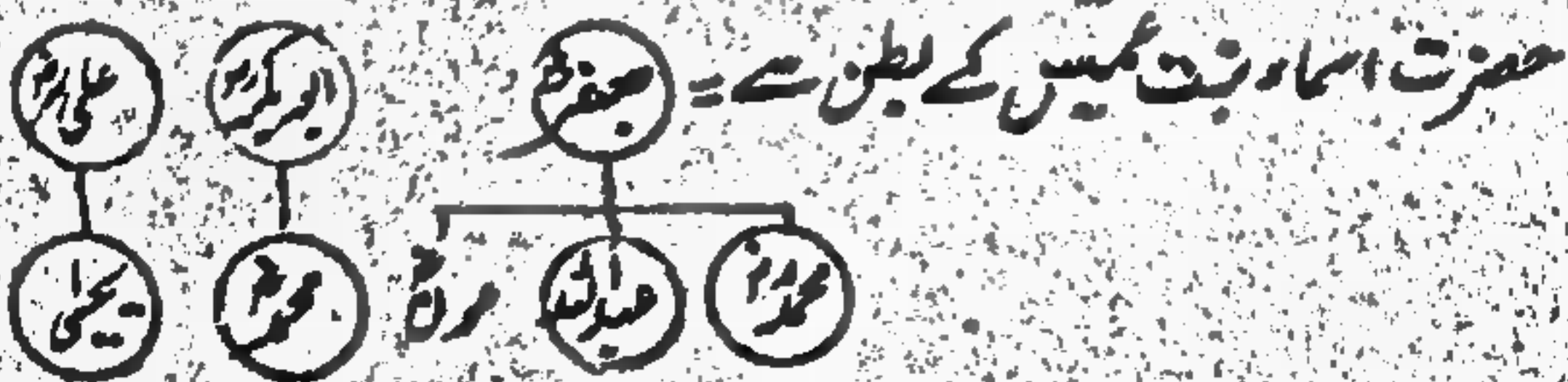
وفات :- ۴۰ھ میں حضرت علیؓ شہید ہوئے اور کم و بیش اسی زمانے میں حضرت اسماءؓ نے اس دار فانی سے انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

---

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۱۵۱ ج ۲ طبقات صفحہ ۲۳۱ ج ۲ قسم ۲ [۲] اصابہ ج ۸ صفحہ ۹ [۳] مسند ج ۶ صفحہ ۳۶۹

(۸)

حضرت صفیہ ہاشمیہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت صفیہؓ ایک فصیح شاعرہ اور تمام عرب میں قول و فعل، حسب نسب اور بزرگی کے لحاظ سے خاص امتیاز کی مالک تھیں۔

۲۔ جنگ احد میں آپ بھی شریک تھیں۔ اور جب حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے تو آنحضرتؐ نے حضرت زبیر کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ یہ حضرت حمزہؓ کی نعش نہ دیکھنے پائیں کیونکہ نعش کی حالت ایسی نہ تھی کہ ماں جائی بہن دیکھ کر ضبط کر سکے۔ حضرت زبیرؓ نے آپ کے پاس جا کر کہا کہ رسول اللہ صلعم نے آپ کو واپس جانے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے کہا کیوں، مجھے تو معلوم ہے کہ میرے بھائی کو مثلہ کیا گیا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ یہ مجھے پسند نہیں تاہم میں ضرور صبر کروں گی۔ اور انشاء اللہ ضبط سے کام لوں گی۔ حضورؐ نے یہ بات سن کر آپ کو اجازت دے دی چنانچہ آپ اپنے سگے بھائی کی نعش پر آئیں، جسم کے ٹکڑے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ مگر کچھ نہ بولیں اور صرف انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر دعائے مغفرت فرمائی اور واپس چلی گئیں۔

حضرت صفیہؓ ہاشمیہ

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک صفیہؓ ہے اور خاندان ہاشمیہ کی چشم وچراغ ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب وہی ہے جو رسول اللہؐ کا ہے۔ آپ حضورؐ کی کی حقیقی پھوپھی اور عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ آپ کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہیب تھا۔

وہیب
ہالہ — عبدالمطلب
صفیہؓ — عبداللہؓ
محمدؐ
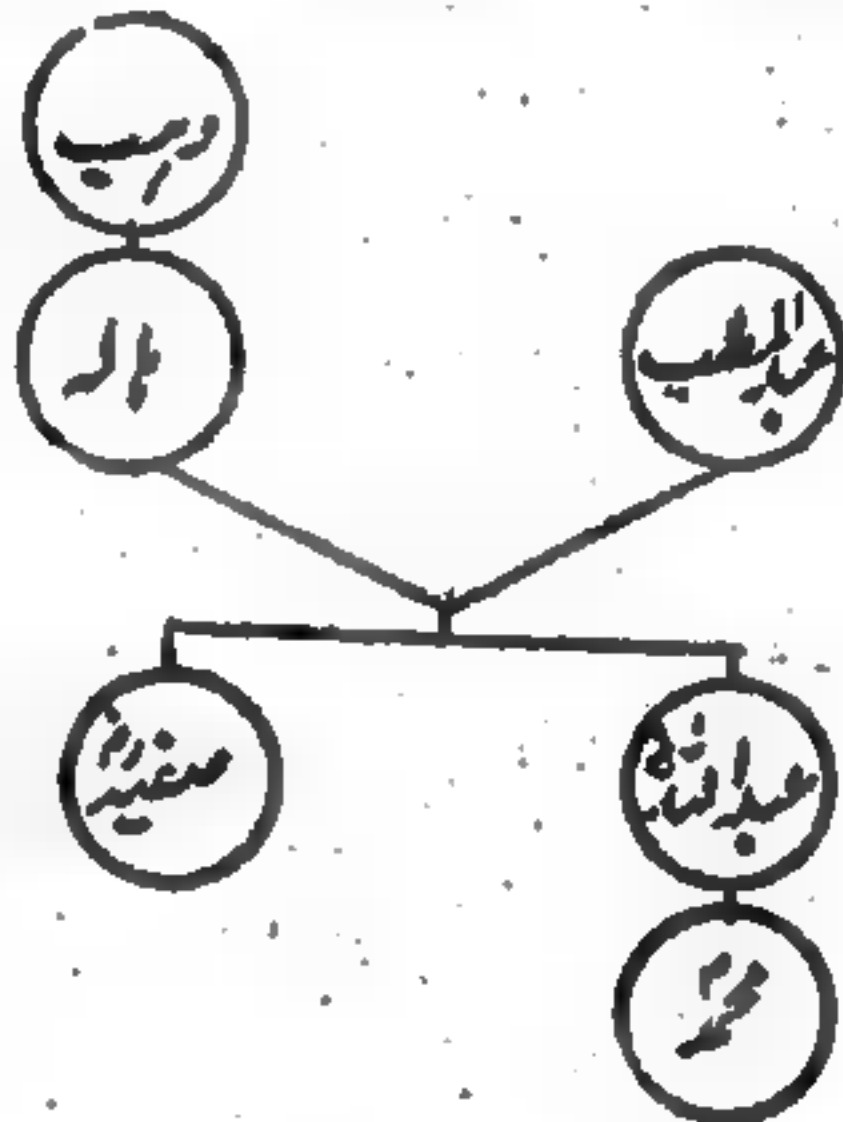
پہلا نکاح:- جب آپ سن بلوغ کو پہنچیں تو اسلام کا نور مقدس اس وقت تک ضیا بار نہیں ہوا تھا۔ اسی زمانہ جاہلیت میں آپ کی شادی ابو سفیان بن حرب کے بھائی حارث بن حرب سے ہوئی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔

دوسرا نکاح:- حارث بن حرب کی وفات کے بعد آپ کا نکاح عوام بن خویلد سے ہوا اور ان سے تین لڑکے ہوئے:-

زبیرؓ، سائب، عبدالکعبہ (طبقات ج ۸ ص ۲۷)

اسلام اور ہجرت:- رسول اللہ کی پھوپھیوں میں صرف حضرت صفیہؓ نے قبول

اسلام کا شرف حاصل کیا[1] اور یہ خصوصیت ایسی ہے جس نے آپ کے شرف و امتیاز میں بہت سا اضافہ کیا۔

ہجرت کی بابت صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ نے حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہجرت کی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ:۔

هاجرت الی المدینة | (ترجمہ) "اس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی"

حالات :۔ حضرت صفیہؓ نے کئی غزوات میں شرکت کی اور غزوہ خندق میں آپ نے جس عزم واستقلال کا ثبوت مہیا کیا وہ نسوانی جرأت و شجاعت کی ایک حیرت انگیز مثال ہے۔

جب حضورؐ مجاہدین کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو خواتین کو مداح رسولؐ حضرت حسانؓ کے ساتھ ایک قلعہ اطم یا فارع میں ٹھہرا دیا۔ یہ موقع ایسا تھا کہ خواتین تنہا تھیں اور صرف حضرت حسانؓ کی موجودگی چنداں سودمند نہ تھی۔ اس لئے یہودیوں نے میدان خالی پاکر مسلمانوں کی مصروفیت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور ایک یہودی قلعہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت صفیہؓ نے اسے دیکھ لیا اور حضرت حسانؓ سے کہا۔

"اٹھ کر اس یہودی کا سر قلم کر دو"!

انہوں نے جواب دیا کہ اگر مجھ میں اتنی جرأت و ہمت ہوتی تو حضورؐ کے ساتھ نہ ہوتا!

---

[1] (ا) صرف حضرت صفیہؓ کے متعلق مؤرخین نے بالاتفاق اسلام لانے کا اعتراف کیا ہے (ب) اگرچہ ابن سعد نے حضرت اروی اور حضرت عاتکہ وغیرہ کو بھی اسلام لانے والوں میں لکھا ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ ان کے سوا آنحضرت کی دوسری پھوپھیوں کا اسلام لانا محقق نہیں ہے (ج) ابن اثیر کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

حضرت صفیہؓ یہ جواب سنکر اٹھیں۔ اور ایک خیمہ کی چوب اکھاڑ کر یہودی کے سر پر دے ماری۔ جس سے وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ حضرت صفیہؓ نے اس کا سر کاٹ کر قلعہ سے باہر پھینک دیا۔ اس سے دشمن نے سمجھ لیا کہ قلعہ پر حملہ کرنا خطرے سے خالی نہیں (اصابہ ج ۸ ص۱۲۹)

حضرت صفیہؓ نے جنگ اُحد[۵۸] میں بھی شرکت کی اور اس موقع پر آپ نے اپنی دلیری، بہادری اور غیرت و حمیت کی وہ مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی

عفان ابن مسلم سے روایت ہے کہ مسلمان کفار کی کثرت دیکھ کر آمادۂ فرار تھے۔ اور ایک طرح کی شکست سے دوچار ہو چکے تھے۔ اس نازک وقت میں حضرت صفیہؓ ہاتھ میں نیزہ اٹھائے آئیں اور لوگوں کو مار مار کر روکتی تھیں۔ ساتھ ہی غصہ میں یہ کہتی جاتی تھیں کہ:۔

"تم رسول اللہ سے بھاگتے ہو!"

اس وقت آنحضرتؐ نے آپ کو دیکھ لیا تو حضرت زبیرؓ کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ:۔

"یہ حمزہؓ کی نعش نہ دیکھنے پائیں۔ کیونکہ نعش کی حالت بہت خراب ہے۔ اور وہ کسی طرح اس قابل نہیں کہ ایک عورت اور وہ بھی حقیقی بہن دیکھ کر ضبط کر سکے۔"

حضرت زبیرؓ تعمیل ارشاد کے لئے حضرت صفیہؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ:۔

"اماں! حضورؐ آپ کو واپس جانے کا حکم دیتے ہیں۔"

---

[۵۸] جنگ اُحد جنگ خندق سے پہلے ہوئی۔

حضرت صفیہؓ بولیں، کیوں! مجھے تو معلوم ہے کہ میرے پیارے بھائی کو مثلہ کیا گیا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ یہ مجھے پسند نہیں تاہم میں ضرور صبر کروں گی اور انشاء اللہ ضبط سے کام لوں گی۔

حضرت زبیرؓ نے حضرت صفیہؓ کی یہ بات حضورؐ سے بیان کی۔ جسے سن کر حضورؐ نے آپ کو اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت صفیہؓ اپنے بھائی کی نعش پر گئیں، جسم کے ٹکڑے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ارشاد نبویؐ کی تعمیل میں پورے ضبط سے کام لیا۔ اور آہ تک نہ کی۔ صرف انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر دعائے مغفرت کی اور واپس چلی گئیں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت حمزہؓ کو سپرد خاک کیا گیا۔ (اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۴۹۲)

اوصاف و فضائل:۔ درمنثور میں لکھا ہے کہ:۔

كانت شاعرة فصيحة متقدمة منذ جميع العرب بالقول والفعل والشرف والحسب والنسب۔	(ترجمہ) "وہ ایک فصیح شاعرہ تھیں اور تمام عرب کے نزدیک قول و فعل، حسب و نسب اور بزرگی کے باعث خاص امتیاز و شان کی مالک تھیں"۔

جب آپ کے والد عبدالمطلب نے وفات پائی تو حضرت صفیہؓ نے اپنی بہنوں اور بنی ہاشم کی تمام عورتوں کو ایک مجلس میں مدعو کیا۔ اس موقع پر ہر ایک نے مرثیہ لکھا۔ لیکن حضرت صفیہؓ کے اشعار کی آن بان انوکھی تھی۔ آپ کے اس مرثیہ کے بعض اشعار درج ذیل ہیں:۔

ارقت نصوت نائحة بلیل | علی رجل بقارعة الصعید

(ترجمہ) میں رات کو ایک نوحہ کرنے والی کی آواز سے رو پڑی جو ایک مرد کریم پر رو رہی تھی۔

تقاضت عند ذالکم دموعی | علی خدی کمنحدر الفرید

اور اس حال میں میرے آنسو مسلسل موتیوں کی طرح رخساروں پر بہنے لگے

علی رجل کریم غیر وغل | لہ الفضل المبین علی العبید

ایسے مرد کریم کی (وفات پر) افسوس کرتے ہوئے جو بیہودہ نہ تھا اور اس کی بزرگی مرد در عیاں تھی۔

رفیع البیت ابلج ذی نضول | دغیث الناس فی الزمن الجرود

وہ عالی خاندان کشادہ ابرو صاحب فضائل اور قحط سالی میں لوگوں کے لئے ابر تھا۔

فلو خلد امرؤ لقدیم مجد | ولکن لا سبیل الی الخلود

پس اگر انسان اپنی قدیم بزرگی کی وجہ سے ہمیشہ رہتا۔ لیکن ہمیشگی کی کوئی صورت نہیں

لکان مخلدا اخرے اللیالی | لتفضل المجد والحسب التلید

تو اپنی فضیلت اور قدیم شرافت کی وجہ سے بہت زمانے تک زندہ رہتا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر حضرت صفیہؓ نے جو مرثیہ کہا اس کے چند اشعار ذیل میں ملاحظہ ہوں:۔

الا یا رسول اللہ کنت رجائنا | وکنت بنا برا ولم تک جافیا

یا رسول اللہؐ! آپ ہماری امید تھے، ہم پر احسان کرتے تھے، ظالم نہ تھے

وکنت رحیما هادیا ومعلما | لیبک علیک الیوم من کان باکیا

آپؐ رحم دل، رہبر اور معلم تھے۔ آج ہر رونے والے کو آپؐ پر رونا چاہیئے

فدی لرسول اللہ امی وخالتی — وعمی وخالی ثم نفسی ومالیا

رسول اللہ پر میری ماں، خالہ، چچا اور ماموں قربان ہوں پھر میں خود اور میرا مال بھی

فلو ان رب الناس یبقی نبینا — سعدنا ولکن امرہ کان ماضیا

کاش خدا ہمارے نبی کو زندہ رکھتا تو ہم کیسے خوش قسمت ہوتے مگر اس کا حکم ہو کر رہتا ہے

علیک من اللہ السلام تحیۃ — وادخلت من العدن راضیا

آپ پر اللہ کی طرف سے سلام ہو۔ اور آپ جنات عدن میں داخل ہوں۔

اس کے علاوہ حضرت صفیہؓ کے کلام میں سے چند اور اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہو گا کہ آپ کی شاعری میں جوش و خروش، رکھ رکھاؤ، بندش الفاظ اور متانت فکر کے کیسے بلند پایہ نمونے موجود ہیں:

الا من مبلغ عنی قریشا — ففیم الامر فینا والامار

کوئی ہے جو میری طرف سے قریش کو پہنچا دے کہ تم ہم پر کس بات میں حکومت کرتے ہو

لنا السلف المقدم قد علمتم — ولم توقد لنا بالغدر نار

ہمارے بزرگ بہت قدیم ہیں، تم کو معلوم ہے کہ ہمارے لئے فریب سے کبھی جنگ کی آگ نہیں جلائی گئی

وکل مناقب الاخیار فینا — وبعض الامر منقصۃ وعار

ہم میں تو تمام اوصاف نیکوں کے موجود ہیں اگرچہ بعض اخلاق نقصان و عار بھی مبنی ہیں[1]

حضرت صفیہؓ نے اپنے عزیز بھائی حضرت حمزہؓ کی شہادت پر بھی ایک دردناک مرثیہ لکھا جس کے ایک ایک شعر میں آپ نے اپنے دل کا درد سمو دیا تھا۔ اس مرثیہ کے اشعار آج بھی کئی کتابوں میں ملتے ہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں رہتا کہ آپ کی قادر الکلامی اور فصاحت و سخن وری

---

[1] اشعار کا انتخاب در منثور صفحہ ۱۶۱ تا صفحہ ۱۶۲ سے ماخوذ ہے

کا مقام کس قدر بلند تھا۔ اور آپ کے لئے درد و کرب، رنج و غم، یاس و نومیدی کے ساتھ ساتھ مسرت و انبساط اور فخر و شادمانی کے جذبات کو اشعار کے لباس میں پیش کرنا کتنا آسان تھا۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں حضرت حمزہؓ کے مرثیہ کے متعلق حضرت صفیہؓ کا ایک شعر نقل کیا ہے۔ جس سے آپ کی قدرت کلام اور فصاحت و بلاغت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس شعر میں آپ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا ہے :۔

ان یوماً اتی علیک لیوم   کورت شمسہ و کان مضیا

آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہو گیا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ روشن تھا"

وفات :۔ حضرت صفیہؓ نے ۷۳ سال کی عمر پا کر حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کے زمانے میں ہجرت کے بیسویں سال وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں مغیرہ بن شعبہ کے صحن میں دفن ہوئیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

(۹)

حضرت ام الفضل بنت حارث

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت ام الفضل بنت حارث بڑی عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں اور ہر دو شنبہ و پنجشنبہ کو روزہ رکھتی تھیں۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام الفضلؓ کے گھر آپ کو دیکھنے کے لئے اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ اور دوپہر کو آپ ہی کے گھر میں تھوڑی دیر آرام بھی فرماتے تھے۔

۳۔ نبوت سے پہلے اور بعد کسی عورت کو یہ شرف حاصل نہ تھا کہ رسول اللہ کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ کر بال صاف کرتی یا سرمہ لگاتی اور نہ آنحضرتؐ اس کو پسند فرماتے۔ لیکن یہ شرف خصوصیت سے حضرت ام الفضلؓ ہی کو حاصل تھا۔ کہ آپ آنحضرت کا سر مبارک اپنی گود میں لے کر آپ کے بال صاف کرتیں۔

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا

نام و نسب: آپ کا اسم مبارک لبابہ، لقب الکبریٰ اور کنیت ام الفضل ہے۔ آپ کے والد ماجد حارث بن حزن الہلالی تھے۔ اور والدہ ماجدہ ہند (خولہ) بنت عوف تھیں۔ جو قبیلہ کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ (طبقات ص۲۰۳ و استیعاب ص۷۷۹)

نکاح: آپ کا نکاح حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے ہوا۔ جو حضورؐ کے حقیقی چچا تھے۔

شرف اسلام: آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بنت خویلد (زوجہ محترمہ نبی اکرمؐ) کے بعد اسلام لائیں[1] (اسد الغابہ ص۵۳۹)

ہجرت: آپ کے شوہر حضرت عباسؓ کے اسلام لانے کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی (طبقات ص۲۰۳ و اسد الغابہ ص۵۴۰)

امتیازی رشتے: حضرت ام الفضلؓ کی حقیقی، علاتی، اخیافی بہنیں کئی تھیں۔ اور یہ سب بہنیں قریش و ہاشم کے ممتاز و معزز گھرانوں میں بیاہی ہوئی تھیں۔ چنانچہ آپ کی حقیقی بہن حضرت میمونہؓ کو نبی اکرمؐ کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کا شرف حاصل تھا۔ دوسری بہن سلمیٰ حضرت حمزہؓ سے اور تیسری بہن اسماء حضرت جعفرؓ بن ابو طالب سے بیاہی ہوئی تھیں[2]۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ام الفضلؓ

---

[1] اصابہ ص۹۳۷ میں مذکور ہے کہ ہجرت سے پہلے اسلام لائیں یہ روایت ضعیف ہے۔ دیگر کتب سیر میں اسکی توثیق کی گئی ہے [2] یہ وہی اسماء ہیں جنہوں نے حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے اور ان کی رحلت کے بعد حضرت علیؓ سے نکاح کیا۔

کی والدہ محترمہ ہندبن عوف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے سمدھیانہ کے لحاظ سے بہت خوش قسمت تھیں اور اس میں ان کی کوئی نظیر نہ تھی۔
(اصابہ صد ۹۳۸، اسد الغابہ صد ۵۳۹، استیعاب صد ۷۷۹)

حضورؐ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ ام الفضلؓ میمونہؓ، سلمیٰؓ، اور اسماءؓ چاروں مومنہ بہنیں ہیں (اصابہ صد ۹۳۷، استیعاب صد ۷۷۹)

دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ فرماتے تھے۔ کہ ام الفضلؓ، میمونہؓ، سلمیٰؓ، اسماءؓ، لبابۃ الصغریٰؓ، ہزیلۃؓ اور عزہؓ یہ سب بہنیں مومنات ہیں۔ (طبقات صفحہ ۲۰۳)

اوصاف وفضائل:- آپ بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ ہر دو شنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ رکھتی تھیں (طبقات صفحہ ۲۰۳، خلاصہ تہذیب صد ۴۹۵)

حضورؐ حضرت ام الفضلؓ کے گھر ان کو دیکھنے کے لئے اکثر تشریف لاتے تھے۔ اور آپ ہی کے گھر میں دوپہر کے وقت تھوڑی دیر آرام بھی فرمایا کرتے تھے۔ (طبقات صد ۲۰۳، استیعاب صد ۷۷۹، اسد الغابہ صد ۵۳۹)

حضرت ام الفضلؓ نے حجۃ الوداع میں حضورؐ کی ہمرکابی میں حج بھی ادا کیا تھا۔ اس موقع پر عرفہ کے روز لوگوں کو حضورؐ کے صائم ہونے میں شک پیدا ہوا اور اس شک کا اظہار انھوں نے ام الفضلؓ سے کیا۔ آپ نے ان لوگوں کا شک رفع کرنے کے لئے دودھ کا ایک پیالہ حضورؐ کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ آنحضرتؐ نے دودھ پی لیا جس سے لوگوں کی تشفی ہو گئی۔

اور ان کا سر ہ جاتا رہا (اصابہ صفحہ ۹۳۰ ، طبقات صفحہ ۲۰۴ ، صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۶۷)

حضرت ام الفضل رضؓ نے تیس کے قریب احادیث روایت کی ہیں۔ جن کے بعض راویوں کے نام حسب ذیل ہیں :۔

عبداللہ ، تمامؓ ، انس بن مالکؓ ، عبداللہ بن حارثؓ ، عمیرؓ ، کریبؓ قابوسؓ (اسدالغابہ صفحہ ۵۴۰)

بے مثل مراتب :۔ نبوت سے پہلے اور بعد کسی عورت کو یہ شرف حاصل نہ تھا کہ حضور کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ کر بال صاف کرتیں۔ یا سرمہ لگاتیں۔ اور نہ حضورؐ اس کو پسند فرماتے۔ لیکن یہ شرف خصوصیت سے حضرت ام الفضلؓ ہی کو حاصل تھا۔ کہ حضورؐ کا سر مبارک اپنی گود میں لے کر آپ کے بال صاف کرتیں۔

ایک دفعہ حضرت ام الفضلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا خواب بیان کیا کہ آپؐ کے اعضائے مبارک میں سے ایک عضو میرے گھر میں ہے۔ حضور نے فرمایا :۔

"انشاء اللہ خیر ؟ ! فاطمہؓ کے گھر لڑکا ہوگا۔ اور تم اس کو دودھ پلاؤ گی۔ اور اس کی کفیل رہو گی"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت فاطمہؓ کے فرزند اقبالمند حضرت حسینؓ تولد ہوئے۔ اور ام الفضلؓ نے ان کو دودھ پلایا۔ اور اُن کی کفیل رہیں۔

اولاد :۔ حضرت ام الفضلؓ دوسری خواتین کی بہ نسبت اولاد کی طرف سے بہت زیادہ خوش نصیب اور بلند قسمت تھیں۔ آپ

کی ساری اولاد نہایت قابل اور آبرومند تھی۔ آپ کے متعلقہ قبائل میں شاید ہی کوئی خاتون اس نیک بختی کی مالک ہوگی۔ کہ اس کی اولاد کے تمام افراد یعنی لڑکے اور لڑکیاں دونوں عزت و عظمت کے مقام پر فائز ہوں۔ اور ہر جگہ انہیں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا لیکن ام الفضلؓ کو خاص طور سے یہ فخر حاصل تھا کہ آپ کی اولاد میں سے کوئی بچہ بھی ایسا نہیں تھا۔ جس کو اپنے اور دوسرے قبائل کے لوگ احترام و تعظیم سے نہ بلاتے ہوں۔ چنانچہ ابو الفضلؓ، عبداللہؓ، عبیداللہؓ، معبدؓ، عبدالرحمنؓ، قثمؓ اور ام حبیبہؓ آپ ہی کی یادگار تھے۔ (طبقات ص۲۰۳ استیعاب ص۹)

عرب کے ایک ممتاز شاعر عبداللہ بن یزید الہلالی نے حضرت ام الفضل کی خوش نصیبی پر اظہار فخر کرتے ہوئے کہا ہے: ؎

ما ولدت نجیبة من فحل	کستة من بطن ام الفضل

یعنی کسی ام الفضل ہی ہیں جن کے بطن سے چھ نجیب جوان پیدا ہوئے۔

اکرم بها من کهلة وکهل	عم النبی المصطفیٰ ذی الفضل

اور دونوں بڑے میاں بیوی ہی قابل عزت ہیں انکے والد رسول اللہ صلعم کے چچا ہیں

اور آپ سب سے اولی ہیں۔ وخاتم الرسل وخیر الرسل اور ان کے خاتم ہیں۔

وفات: حضرت ام الفضلؓ نے حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ سوم کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کے شوہر حضرت عباسؓ بقید حیات تھے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

۱؎ اسد الغابہ صفحہ ۵۳۹

(۱۰)

حضرت امامہ بنت ابی العاص

حضور کی نواسی

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ شاہ حبشہ نجاشی نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک زرّیں
ہار ہدیتاً بھیجا۔ حضورؐ وہ ہار لے کر گھر تشریف لے گئے۔
اور فرمایا میں یہ ہار اپنی عزیز ترین اہل کو دونگا۔ سب
ازواج نے خیال کیا۔ کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل
ہوگا۔ لیکن حضورؐ نے حضرت امامہؓ کو بلا کر ان کے گلے
میں ڈال دیا۔

۲۔ ۴۰ھ میں جب حضرت علیؓ شہید ہو گئے تو آپ نے مغیرہؓ بن
نوفل کو وصیت کی کہ وہ امامہؓ سے نکاح کر لیں۔ ابھی مغیرہؓ نے اس
وصیت پر عمل نہیں کیا تھا کہ حضرت امامہؓ کو امیر معاویہؓ کی طرف سے
شادی کا پیغام موصول ہوا۔ لیکن حضرت امامہؓ نے یہ پیشکش رد کر کے
یہ ثابت کر دیا کہ آپ کی دینی حمیت دنیوی شان و شوکت اور جاہ
و امارت کو حقارت سے دیکھتی تھی۔

حضرت امامہ بنت ابی العاص

نام و نسب:- آپ کا اسم مبارک امامہؓ تھا - آپ کے والد ماجد کا نام ابو العاصؓ بن ربیع بن عبد العزیٰ تھا - اور والدہ معظمہ کا نام حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ علیہ وسلم تھا (طبقات صہ۲۶، اسد الغابہ، صہ۴۰۰، استیعاب صہ۲۷)

ولادت:- آپ اپنے نانا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب تھیں - حتیٰ کہ آنحضرت آپ کو اوقات نماز میں بھی جدا نہ فرماتے تھے - نماز ادا کرتے وقت شانہ مبارک پر بٹھا لیتے - جب رکوع میں جاتے تو شانہ مبارک سے اتار لیتے اور جب سجدہ کرکے سر مبارک اوپر اٹھاتے تو پھر کاندھے پر بٹھا لیتے - اسی طرح پوری نماز ادا فرماتے اور یہ حضور کی انتہائے محبت کا تقاضا تھا - (صحیح بخاری ج ا صہ۷۴، طبقات صہ۲۶ اسد الغابہ صہ۴۰۰ استیعاب صہ۲۷)

پہلا نکاح:- جب آپ سن بلوغ کو پہنچیں تو آپ کی شادی کی فکر ہوئی - چونکہ حضرت فاطمۃ الزہرا نے اپنے انتقال سے پہلے وصیت فرمادی تھی - کہ میرے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت امامہ سے نکاح کرلیں - چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد حضرت امامہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کردیا گیا۔

حضرت امامہؓ کی شادی کا انتظام حضرت زبیر بن العوام نے کیا کیونکہ حضرت ابو العاص نے ہی کو حضرت امامہؓ کا عقد کرنے کی وصیت کی تھی (اسد الغابہ صہ۴۰۰)

دوسرا نکاح:- حضرت علیؓ نے اپنی شہادت سے پہلے مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی تھی - کہ تم میرے بعد حضرت امامہؓ سے عقد کرنا - ابھی مغیرہؓ نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا تھا کہ حضرت امامہ کو حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے شادی کا پیغام وصول ہوا حضرت

نہ صاحب "رحمۃ اللعالمین" نے ان سے ایک لڑکے محمد بن علیؓ کا نام لکھا ہے جو کربلا میں شہید ہوئے

معاویہؓ نے حاکم مکہ مروان کو خط لکھا کہ امامہؓ کو پیغام دو اور ایک ہزار دینار اس تقریب میں صرف کر دو۔ لیکن حضرت امامہؓ نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔ اور مغیرہؓ بن نوفل کو اس بات کی اطلاع دی اور مغیرہؓ نے حضرت امام حسنؓ کی اجازت سے نکاح پڑھوا لیا (اسد الغابہ ص٢٠٠، استیعاب ص٧٢٧، طبقات ص٢٧)

بارگاہ نبوی کا تحفہ:- ایک دفعہ شاہ حبشہ نجاشی نے حضورؐ کی خدمت اقدس میں چند اشیاء ہدیہ کے طور پر بھیجیں جن میں ایک قیمتی ہار بھی تھا۔ آنحضرت صلعم گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں یہ ہار اس کو دونگا جو میرے اہل بیت میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ ازواج مطہرات نے خیال کیا کہ یہ ہار شاید حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حصے میں آئے گا لیکن حضورؐ نے حضرت امامہؓ کو بلایا جو ایک طرف کھیل رہی تھیں اور ہار آپ کے گلے میں ڈال دیا۔

(طبقات جلد ٨ ص٢٧ جلد ٨، زرقانی جلد ٣ ص٢٢٥)

اولاد:- حضرت علیؓ کے صلب سے ایک لڑکا محمد بن علیؓ تولد ہوا اور مغیرہؓ بن نوفل کے صلب سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا۔ اسی نام کی مناسبت سے حضرت مغیرہؓ نے اپنی کنیت ابو یحییٰ رکھی تھی۔ (اسد الغابہ ص٢٠٠، استیعاب صفحہ ٧٢٧، درالمنثور ص٦٥)

وفات:- حضرت امامہؓ کی زندگی کا آخری زمانہ حضرت مغیرہؓ بن نوفل کے ساتھ بسر ہوا۔ اور آپ کا انتقال بھی حضرت مغیرہؓ کے گھر میں ہوا۔ (اسد الغابہ ص٢٠٠، استیعاب صفحہ ٧٢٧، درالمنثور صفحہ ٦٥، اصابہ جلد ٨ ص١٤)

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

(۱۱)

حضرت فاطمہ بنت قیس

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت فاطمہؓ بنت قیس چونکہ نہایت عقیل و فہیم، ذی علم اور صائب الرائے خاتون تھیں۔ اس لئے خلافت کے بارے میں آپ سے بھی رائے اور مشورہ لیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن الخطاب سنہ ۲۳ھ میں شہید ہوئے۔ تو مجلس شوریٰ آپ ہی کے گھر میں منعقد ہوئی تھی۔

۲۔ حضرت فاطمہؓ ایک نیک نہاد اور حسین و جمیل خاتون تھیں اور صرف ظاہری حسن و جمال سے آراستہ نہ تھیں۔ بلکہ عادات و خصائل اور اخلاق و صفات کے لحاظ سے بھی مکمل تھیں۔

حضرت فاطمہؓ بنت قیس

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک فاطمہؓ تھا۔ آپ کے والد مکرم قیس بن خالد الاکبر بن وہب تھے۔ اور والدہ ماجدہ امیمہ بنت ربیعہ تھیں۔ جو بنی کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے بھائی کا نام ضحاک تھا۔ اور حضرت فاطمہؓ اپنے بھائی سے دس سال بڑی تھیں۔ (استیعاب صـ۷۷۲، اسدالغابہ صـ۵۲۶، درالمنثور صـ۳۶۴)

پہلا نکاح:- حضرت فاطمہؓ بنت قیس کا نکاح ابو عمرو حفص بن مغیرہ سے ہوا تھا۔ (طبقات صـ۲۰۰، استیعاب صـ۷۷۲، اسدالغابہ صـ۵۲۶، درالمنثور صـ۳۶۴)

ہجرت:- ہجرت کے پہلے دور میں جب مکہ معظمہ سے عورتوں نے ہجرت کی ان میں آپ بھی شامل تھیں۔ (اسدالغابہ صـ۵۲۶، استیعاب صـ۷۷۲، درالمنثور صـ۳۶۴)

حسن واخلاق:- آپ ایک حسین وجمیل خاتون تھیں اور ظاہری حسن وجمال کے ساتھ ساتھ عادات وخصائل اور صفات واخلاق کی بھی بے شمار خوبیوں سے آراستہ تھیں۔

دوسرا نکاح:- سنہ ۱۰ھ میں جب حضرت علیؓ ایک لشکر لے کر یمن کی طرف جا رہے تھے۔ تو حضرت فاطمہؓ کے شوہر ابو عمرو بھی ان کے ہمرکاب تھے۔ اس سفر پر روانہ ہوتے وقت ابو عمرو نے اپنے وکیل نکاح عیاش بن ربیعہ کی وساطت سے حضرت فاطمہؓ کو آخری یعنی تیسری طلاق

کہہ بھیجی[1] اور اسی کے ساتھ ۵ صاع جَو اور ۵ صاع خرمے بھی نفقہ کے طور پر بھیج دیئے۔ حضرت فاطمہؓ نے عیاش بن ربیعہ سے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا۔ تو عیاش نے جواب دیا کہ :۔

" تمہارے شوہر نے صرف یہ جو اور خرمے مجھے دیئے تھے۔ اور اس کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ بھی جو کچھ دیا گیا ہے محض احسان اور ہمدردی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اب تمہارا ہمارے ذمے اور کوئی حق واجب نہیں ہے "

حضرت فاطمہؓ کو یہ بات بڑی ناگوار گزری اور آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر تمام واقعہ بیان کیا۔ اس موقع پر حضرت خالد بن ولیدؓ بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ سے دریافت فرمایا کہ :۔

" ابو عمر نے تمہیں کتنی مرتبہ طلاق دی ہے ؟"

حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ :۔

حضورؐ ! تین بار"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

" ابو عمر پر تمہارا نان و نفقہ واجب نہیں ہے۔ اب تم عدت کی میعاد ام شریک کے گھر میں گزارو "

لیکن ام شریکؓ کے اعزا و اقارب چونکہ ان کے ہی مکان میں تھے اس لئے آنحضرت صلعم نے دوبارہ حکم فرمایا کہ :۔

---

[1] دو طلاق اس سے پہلے دی جا چکی تھیں۔

"تم عدت کا زمانہ مکتوم کے یہاں گزارو تو بہتر ہے۔ کیونکہ وہ نابینا ہیں اور تمہارے چچا کے بیٹے بھی ہیں۔"

چنانچہ حضرت فاطمہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے چچا زاد بھائی مکتوم کے گھر میں رہنے لگیں۔ کچھ عرصہ کے بعد جب عدت کی مدت گزر گئی۔ تو حضرت فاطمہؓ کو عقد کے لئے ہر طرف سے لوگوں کے پیغام موصول ہونے لگے۔ ان پیغاموں میں حضرت امیر معاویہؓ بن ابو سفیان، ابو جہم اور اسامہؓ بن زید کے بھی پیغام تھے۔ حضرت فاطمہؓ پھر آنحضرت صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، اور ان پیغاموں کے بارے میں حضورؐ کی رائے دریافت کی۔ جس پر حضورؐ نے اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضرت فاطمہ چونکہ آنحضرت صلعم سے عقد کرنے کا خیال رکھتی تھیں۔ اس لئے آپ نے اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کرنے میں تامل کیا آپ کے اس تامل کو مدنظر رکھتے ہوئے حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا:-

"تمہیں کیوں اس میں عذر ہے؟ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرو۔ کہ اسی میں تمہاری بہتری اور بھلائی ہے۔"

آنحضرتؐ صلعم کا یہ ارشاد گرامی سنکر حضرت فاطمہؓ نے حضرت اسامہؓ بن زید سے نکاح کر لیا۔

حضرت فاطمہ کہتی ہیں کہ:-

"اس نکاح کے بعد میں لوگوں کے نزدیک قابل رشک بن گئی تھی۔"

کوفہ کی سکونت:- ۵۴ھ میں جب حضرت فاطمہؓ کے شوہر حضرت اسامہ بن زیدؓ رحلت کر گئے تو اس حادثہ جانکاہ سے حضرت

حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں۔

فاطمہ رضؓ کو سخت صدمہ پہنچا جس کی وجہ سے آپ نے اس کے بعد کسی سے نکاح نہ کیا۔ عدت کا زمانہ گزارنے کے بعد آپ اپنے بھائی ضحاک کے پاس جو اس وقت عراق کے حاکم (گورنر) تھے۔ کوفہ میں چلی گئیں۔ اور اسی جگہ مستقل طور سے سکونت پذیر ہو گئیں۔ (اسد الغابہ صفحہ ۱۴۴، استیعاب صـ۷۴۵، اصابہ صـ۵۴۹)

اوصاف و فضائل:۔ حضرت فاطمہؓ نہایت عقل مند، فہیم و ذہین، سمجھ دار ادیبہ فاضلہ، فصیح الفکر، صائب الرائے اور باکمال خاتون تھیں۔ (اسد الغابہ صـ۵۲۶، استیعاب صـ۷۴۴، درالمنثور صـ۴۶۴)

سـ۲۳ـھ میں جب حضرت عمر فاروقؓ شہید ہوئے تو مجلس شوریٰ حضرت فاطمہ ہی کے مکان پر منعقد ہوئی تھی (اور اسی مجلس شوریٰ میں حضرت فاروق اعظم خلیفہ ثانی کی جانشینی کے لئے خلیفہ ثالث کے طور پر حضرت عثمان غنی رضؓ کا فیصلہ کیا گیا تھا۔) چونکہ حضرت فاطمہؓ ایک عقیل و فہیم، ذی علم اور صائب الرائے خاتون تھیں۔ اس لئے خلافت کے بارے میں اکثر آپ سے رائے اور مشورہ لیا جاتا تھا۔

(اسد الغابہ صـ۵۲۷، استیعاب صـ۷۴۲، درالمنثور صـ۴۶۵)

بقیہ حاشیہ صـ۳۶۹) سلہ کتب سیر میں مذکور ہے کہ حضرت اسامہ کی فوقیت واضح کرنے کے لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ امیر معاویہ فقیر و مفلس ہے۔ ابو جہم جنگی اور سخت مزاج ہے اس لئے اسامہ بن زید سے نکاح کرنا ان دونوں سے بہتر ہے۔

حضرت فاطمہؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ اور بعض راویوں نے آپ کے حوالے سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ ان راویوں میں سے بعض اصحاب کے نام حسب ذیل ہیں:-

شعبیؒ، نخعیؒ، ابو سلمہؒ، قاسم بن محمد، ابوبکرؒ بن ابو الجہم، عروہؒ، عبداللہؒ بن عبداللہ، اسودؒ، سلیمانؒ بن یسار، عبداللہ البہیؒ، عبدالرحمٰنؒ بن عاصم، تمیمؒ۔

قرآن پاک کی تائید کا واقعہ

:- حضرت سعید بن زیدؓ کی صاحب زادی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ کے ساتھ منسوب تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ان کو طلاق دے دی۔ تو حضرت فاطمہؓ چونکہ ان کی خالہ تھیں اس لئے ہمدردی اور محبت کے تقاضا سے اپنی بھانجی حضرت قبیصہ کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ جب حاکم مکہ مروان کو پتہ چلا کہ قبیصہؒ کو حضرت فاطمہؓ نے اپنے پاس کو فر بلایا ہے۔ تو مروان نے قبیصہؒ کو حضرت فاطمہ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔

"عدت سے پہلے بلانے کا کیا باعث ہے؟"

قبیصہؒ نے واپس آکر بتایا کہ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا ہے:-

"میں شریعت کی متبع اور حضورؐ کے ارشادات کی تعمیل

کرنے والی ہوں۔ اس سے پہلے میرے واقعہ پر حضورؐ نے مجھے جو حکم فرمایا تھا وہ بھی یہی تھا۔"
اس کے بعد حضرت فاطمہؓ نے اپنا واقعہ بیان کیا۔

وفات:۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی مکہ معظمہ کی خلافت کے وقت تک حضرت فاطمہؓ کا زندہ رہنا ثابت ہوتا ہے لیکن اس کے بعد تواریخ و سیر کی کتابوں میں آپ کی وفات کے سنہ کا پتہ نہیں چلتا۔

(۱۲)

حضرت اُمِّ ایمن

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

١- حضرت ام ایمن جنگ اُحد اور جنگ خیبر میں پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمت انجام دیتی تھیں۔

٢- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم ایمنؓ کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ اور اکثر آپ کے گھر تشریف لے جاتے اور "اُمی" کہہ کر خطاب فرماتے تھے۔

٣- حضرت اُم ایمنؓ کے شوہر حضرت عبیدؓ بن زید کی وفات کے بعد حضورؐ نے فرمایا:-

"جو شخص جنت کی عورت سے عقد کرنا چاہے۔ اُس کو اُم ایمن سے نکاح کرنا چاہیئے"

٤- حضورؐ کے وصال پر آپ بے اختیار روتی تھیں۔ صحابہ کرام نے سمجھایا تو آپ نے کہا میں اس لئے رو رہی ہوں کہ اب وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

حضرت اُم ایمنؓ

حضورؐ کی کھلائی

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک برکہ اور کنیت ام ایمنؓ تھی۔ اور کنیت ہی سے آپ مشہور تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:-

برکہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان

آپ حبشہ کی رہنے والی یعنی حبشیہ تھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی کنیزوں میں سے تھیں۔ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو آپ حضورؐ کی والدۂ مطہرہ حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں نبی اکرمؐ کی تربیت اور دیکھ بھال میں آپ کا زیادہ حصّہ تھا۔ اور جب آنحضرتؐ سن شعور کو پہنچے تو حضرت ام ایمنؓ بھی وراثت کے طور پر حضورؐ کے حصّہ میں آئیں۔ (اسد الغابہ و صحیح مسلم وغیرہ)

پہلا نکاح:- حضرت ام ایمنؓ کا نکاح عبید ابن زیدؓ سے ہوا جو بنی حارث بن خزرج کے قبیلہ سے تھے۔

دوسرا نکاح:- جب عبید ابن زیدؓ جنگ حنین میں شہید ہو گئے۔ تو حضورؐ نے آپ کا نکاح زید بن حارثہؓ سے کر دیا۔ حضرت ام ایمن کا یہ نکاح ظہور نبوت کے بعد ہوا۔

شرف اسلام:- حضرت ام ایمنؓ کے پہلے شوہر عبید بھی مسلمان تھے۔ اور

دوسرے شوہر زیدؓ تو اسلام کی ممتاز و بلند پایہ شخصیت تھے۔ کیونکہ وہ حضورؐ کے آزاد کردہ اور محبوب غلام تھے۔ اور اسلام کی خدمت جس قدر انہوں نے کی۔ اور کسی نے شاید ہی کی ہو گی۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اسلام کو انہوں نے اپنی گودیوں میں کھلایا تھا۔ حضرت زید کے ساتھ شادی ہوتے ہی حضرت ام ایمنؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ آپ کا شمار ان مسلمانوں میں ہوتا ہے

ہجرت اور خدمت:۔ جن کو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا چنانچہ پہلے آپ مکہ معظمہ سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ میں تشریف لے گئیں۔ اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ واپس آئیں۔

آپ نے غزوۂ احد اور غزوہ خیبر میں بھی شرکت کی۔ غزوہ احد میں آپ پانی پلانے، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور مریضوں کی تیمارداری کرنے کی خدمات انجام دیتی رہیں۔

(طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۶۳)

حضورؐ کا مزاح:۔ حضور نبی کریمؐ بعض اوقات حضرت ام ایمنؓ سے احیاناً مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت ام ایمنؓ نے حضورؐ کے پاس آکر کہا۔ مجھے سوار کرا دیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

"تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کر دوں؟"

یہ بات آپ کی سمجھ میں نہ آئی اور آپ نے کہا، یا نبیؐ اللہ! وہ میرا بوجھ نہ اٹھا سکے گا۔ اور میں اسے تو نہیں مانگتی۔"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "میں تو تمہیں اونٹ کے بچے ہی پر بٹھاؤں گا"۔ اس سے آنحضرتؐ کا مطلب یہ تھا۔ کہ اونٹ کا بچہ بھی اونٹ ہی ہوتا ہے۔ یہ تھی حضورؐ کے مزاج کی شان جس میں حشو و زوائد کا شائبہ تک نہ تھا۔ اور یہ تھی آپؐ کی خوش طبعی جس کے متعلق تمام محدثین نے کلی اتفاق سے تسلیم کیا ہے کہ کان رسول اللہ صلعم یمزح ولا یقول الاحقا۔

حضورؐ سے والہانہ محبت:۔

جب حضورؐ نے انتقال فرمایا تو حضرت ام ایمن بہت رنجیدہ ہوئیں۔ اور زار و قطار رونے لگیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ کو تسلی دینے لگے۔ کہ حضورؐ کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بہتر جگہ موجود ہے۔ آپ یہ سن کر بولیں:۔

"مجھے یہ تو معلوم تھا کہ حضورؐ سے مفارقت ہوگی اور میں اس لئے نہیں روتی۔ بلکہ اس پہ رو رہی ہوں کہ اب وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔"

یہ جواب اس قدر موثر تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ضبط نہ کر سکے۔ اور زار زار رونے لگے (صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۳۴۱)

جب حضرت عمرؓ شہید ہوئے تو حضرت ام ایمنؓ رونے لگیں اور فرمایا "الیوم وھن الاسلام (ترجمہ) آج اسلام ضعیف ہو گیا۔"

اوصاف و فضائل:۔ حضورؐ حضرت ام ایمنؓ کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اکثر آپ کے گھر تشریف لے جاتے اور "اُمی" کہہ کر خطاب فرماتے تھے۔ جب آپ کی طرف نظر کرتے تو فرماتے، ھذہٖ بقیۃ اھل بیتی۔

(صحیح بخاری، طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۶۵)

آپ کے پہلے شوہر عبید بن زیدؓ کی وفات کے بعد حضورؐ نے فرمایا:۔

من سرہٗ ان یتزوج امرأۃ من اھل الجنۃ فلیتزوج ام ایمن۔

(ترجمہ) جو شخص جنت کی عورت سے عقد کرنا چاہے اس کو ام ایمن سے نکاح کرنا چاہیئے

(طبقات صفحہ ۱۶۲)

حضرت ام ایمنؓ سے کافی احادیث مروی ہیں اور جن بزرگوں نے آپ کے سلسلہ سے روایت کی ہے۔ ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ حنش ابن عبداللہ صنعانی، ابو یزید مدنیؒ۔

اولاد:۔ آپ کے پہلے شوہر عبید بن زید سے دو لڑکے ایک ایمن اور دوسرے زید بن حارثہ سے اسامہؓ۔ دونوں جلیل القدر صحابی تھے۔ اور خصوصاً حضرت اسامہؓ حضورؐ کو بہت عزیز تھے۔

وفات:۔ آپ نے حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا[1]

---

[1] ابن اثیر نے حضورؐ کے پانچ چھ ماہ بعد آپ کا زمانۂ انتقال بتایا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

(۱۳)

حضرت اسماء بنت یزید

زاہدہ و مجاہدۂ اسلام

رضی اللہ تعالٰے عنہا

۱۔ حضرت اسماء بنت یزید کے متعلق علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں :۔

کانت من ذوات العقل والدین۔ "وہ دین اور عقل کے دونوں اوصاف کی حامل تھیں۔"

۲۔ عورتوں کے اس وفد میں جس کی پیشرو حضرت اسماءؓ تھیں۔ آپ کی خالہ بھی شریک تھیں۔ اور انہوں نے ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ حضرت اسماءؓ نے پوچھا کہ اس زیور کی زکواۃ دیتی ہو؟ جواب ملا نہیں تو آپ نے فرمایا "کیا تم یہ پسند کرتی ہو۔ کہ خدا تم کو آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے؟ انہیں فوراً اتار دو"! چنانچہ آپ کی خالہ نے سب چیزیں اتار کر پھینک دیں۔

۳۔ حضرت اسماءؓ بے حد مہمان نواز تھیں۔ اور حضورؐ کی بڑی خدمت کرتی تھیں۔

حضرت اسماءؓ بنت یزیدؓ

نام ونسب:- آپ کا اسم گرامی اسماءؓ اور کنیت ام سلمہؓ ہے۔ آپ کے والد کا نام یزید ہے۔ یہ بنو خزرج کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:-

اسماءؓ بنت یزید بن اسکن بن رافع بن امرالقیس بن زید بن عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمر بن مالک بن اوس (استیعاب صفحہ ۷۲۶ جلد۲)

اسلام وبیعت کا شرف:- آپ ہجرت کے بعد اسلام سے مشرف ہوئیں اور آپ کے قبول اسلام کے بارے میں اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں مزید کوئی ذکر نہیں۔ البتہ بیعت کے واقعہ کی جو آپ کے مسلمان ہونے کے بعد ہی پیش آیا کافی تفصیل ملتی ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی جماعت میں تشریف فرما تھے۔ کہ حضرت اسماءؓ وہاں آئیں۔ اور آپ نے مندرجہ ذیل تقریر کی:-

"یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ میں مسلمان عورتوں کی طرف سے یہ پیغام لے کر آئی ہوں۔ کہ مالک حقیقی نے آپ کو مردوں اور عورتوں سب کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ ہم آپؐ کی پیرو ہیں اور آپؐ پر ایمان لائی ہیں۔ ہم میں اور

مردوں کی حالت میں بڑا تفاوت ہے۔ ہم لوگ اپنے گھروں کی
کی چار دیواری میں محصور ہیں۔ اور تمہاری اولادوں کی پرورش
کرتی ہیں۔ تم لوگ مرد ہو۔ جمعہ، نماز باجماعت اور نماز جنازہ
میں شرکت کر سکتے ہو، فریضہ حج کی ادائیگی کو جاتے ہو۔ اور
سب سے زیادہ یہ کہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہو۔ ہم ان موقعوں پر
تمہاری اولاد کو پالتی ہیں، اور تمہارے اموال کی حفاظت کرتی ہیں
کپڑوں کے لئے چرخہ کاتتی ہیں۔ تو کیا ہم بھی تمہارے ساتھ اجر و
ثواب میں شریک نہ ہوں گی؟"

حضورؐ نے یہ سنکر صحابہ کرامؓ کی طرف توجہ کی اور فرمایا:۔
"کیا تم نے دین کے بارے میں کسی عورت سے ایسی گفتگو کبھی
سنی ہے؟"

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:۔
"ہمیں یہ گمان ہی کبھی نہ ہوا تھا کہ ایک عورت بھی ایسے سوالات
کرنے کی جرات کر سکتی ہے؟"

حضورؐ نے حضرت اسماءؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔
"اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی رضا جوئی اور اس کی اطاعت
و فرمانبرداری کرتی ہے۔ اور زوجیت کے حقوق و فرائض ادا کرتی
ہے۔ وہ مرد کے برابر ثواب کی حق دار ہو گی اور اسے مرد
کے برابر ہی ثواب ملے گا۔"

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۳۹۹)

اس وفد میں جو عورتوں کی طرف سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جس کی پیشرو حضرت اسمارؓ تھیں۔ آپ کی خالہ بھی شریک تھیں۔ اور ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں حضرت اسمارؓ نے ان سے فرمایا :-

"کیا تم اس زیور کی زکوٰۃ دیتی ہو ؟"

انہوں نے جواب دیا کہ "نہیں" حضرت اسمارؓ نے فرمایا :-

"کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ خدا تم کو آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے ؟ اگر نہیں پسند کرتی تو خالہ! ان کو اتار دو"

آپ کی خالہ نے اسی وقت سب چیزیں اتار کر پھینک دیں۔ پھر حضرت اسمارؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ :-

"یارسول اللہؐ! ہم اگر زیور نہ پہنیں گی تو شوہروں کی نظروں میں بیقدر ہو جائیں گی"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

"تو چاندی کا زیور بنواؤ اور اس پر زعفران مل لو تاکہ اس میں سونے کی سی چمک دمک پیدا ہو جائے"

اس گفتگو کے بعد جب بیعت کا وقت آیا تو آنحضرت صلعم نے چند اقرار کرائے۔ پھر حضرت اسمارؓ نے عرض کیا :-

"یارسول اللہؐ! ہم آپ سے بیعت کرتی ہیں۔ اپنا ہاتھ بڑھائیے"

حضورؐ نے فرمایا۔ "میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا" (مسند جلد ۶ ص ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۱)

اوصاف وفضائل:۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

کانت من ذوات العقل والدین	(ترجمہ) "وہ عقل اور مذہب دونوں کے اوصاف کی حامل تھیں"

حضرت اسماءؓ سے چند احادیث مروی ہیں۔ جو آپ کے فضائل میں ایک امتیازی امتیاز کا باعث ہیں اور جن حضرات نے آپ کے واسطہ کی احادیث روایت کی ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔

شہر بن حوشب، محمود بن عمر انصاری، مہاجر بن ابی مسلم، مجاہد، اسحق ابن راشد۔

روایات کی کثرت کے اعتبار سے شہر بن حوشب کا درجہ سب سے بلند و برتر ہے۔

حضرت اسماءؓ شجاعت و بہادری، غیرت و حمیت اور اخلاق و فضائل کے بے شمار اوصاف سے آراستہ تھیں۔ اور قدرت کاملہ نے باطنی خوبیوں کے ساتھ ہی ساتھ ظاہری محاسن سے بھی خوب نواز رکھا تھا۔ آپ کا قد کسی قدر لمبا جسم سڈول اور اس پر لمبے لمبے سیاہ بال بڑے ہوئے۔ علاوہ ازیں چہرے کے حسن و زیبائش، رعب و جلال اور لطافت و نورانیت نے قدرتی طور پر آپ کو اس قدر بارعب اور باعظمت بنا دیا تھا۔ کہ عورتیں تو عورتیں بڑے بڑے بہادر اور اولوالعزم مرد بھی آپ کے نام سے کانپتے تھے

مہمان نوازی میں آپ یکتائے زمانہ تھیں۔ ایک مرتبہ شہر بن حوشب آپ کے گھر آئے۔ اور حضرت اسماءؓ نے ان کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں

نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر آپ نے آنحضرت صلعم کا ایک واقعہ ان کو سنا کر فرمایا:۔

"اب تو انکار نہیں کرو گے؟"

شہر بن حوشب نے عرض کیا: "آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ ہوگی۔"

(مسند جلد ۶ صفحہ ۴۵۸)

حضرت اسماءؓ حضور نبی اکرمؐ کی بڑی خدمت کرتی تھیں۔ اور اس خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ حضورؐ کی اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے کھڑی تھیں۔ کہ وحی کا نزول ہوا۔ حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ

"وحی کا بوجھ اتنا تھا کہ مجھے ڈر محسوس ہونے لگا کہ کہیں اونٹنی کے پاؤں نہ ٹوٹ جائیں" (مسند ۶/۴۵۵، ۴۵۸)

جہاد میں شرکت:۔ ۱۵ھ میں جب یرموک کا معرکہ پیش آیا۔ تو لشکر اسلام پہلے ہی حملہ میں پسپا ہونے لگا۔ اور رومی مسلمان عورتوں تک پہنچنے ہی والے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت اسماءؓ کو ضبط کی تاب نہ رہی۔ اور غصہ سے لال پیلی ہو کر آپ نے مسلمان خواتین سے خطاب کر کے کہا کہ:۔

"بہنو! خدا نے ہمیں اسلام سے نوازا، ہم اس سے پھرے نہیں۔ ہمیں قرآن مجید عنایت فرمایا۔ ہم اس سے منحرف نہیں ہوئے اب اس پر عمل کرنے کا وقت ہے۔ موت کا ایک ہی دن مقرر ہے۔ اور ہر متنفس کو اس وقت پر موت کی لذت چکھنا ہے۔

پھر موت کا کیا ڈر؟ آؤ! اللہ کا نام لے کر دشمنوں پر پل پڑیں۔"
آپ کی اس ولولہ انگیز تقریر سے مسلمان عورتوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے عزم بلند کے ساتھ پُرجوش حملہ کیا۔ جس سے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت اسماءؓ نے خیمے کی چوب سے آن کی آن میں نو رومیوں کو واصل جہنم کیا۔ دشمن مسلمان خواتین کے حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ اور اُن کی فتح یکایک شکست میں تبدیل ہو گئی۔ مسلمان خواتین کی اس بروقت امداد نے اسلامی لشکر کے حوصلے بڑھا دیئے، اور اس نے دُور تک رومیوں کا تعاقب کیا۔ اور بہت سامال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اولاد:۔ اولاد وغیرہ کے متعلق کہیں ذکر نہیں ملتا۔

وفات:۔ آپ کی وفات کے بارے میں بھی یہی صورت ہے۔ لیکن یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ معرکہ یرموک کے بعد آپ کافی عرصہ تک زندہ رہیں۔

(۱۴)

حضرت اُمِ ہانی بنت ابی طالب

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت اُمِ ہانی رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت تھی۔ جس زمانے میں مکہ فتح ہوا حضور آپ کے گھر تشریف لائے، شربت نوش فرمایا۔ اور آپ کو بھی دیا اس روز حضرت ام ہانی رض کا روزہ تھا۔ مگر آپ نے شربت پی لیا۔ حضور کو معلوم ہوا تو روزہ توڑنے کا سبب دریافت کیا، آپ نے جواب دیا۔ کہ میں آپ کا جھوٹا واپس نہیں کر سکتی تھی۔

۲- آپ بڑی پارسا، نیک دل اور پرہیزگار خاتون تھیں۔

حضرت اُم ہانیؓ بنت ابی طالب

نام و نسب :- آپ کا اسم مبارک فاختہ تھا۔ آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی صاحبزادی اور حضرت عقیلؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت طالبؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہؓ بنت اسد تھا۔

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۷۶)

عبدالمطلب
اسد
فاطمہ
ابوطالب
عبداللہ
حضرت محمدؐ
عقیلؓ
جعفرؓ
طالبؓ
علیؓ
ام ہانی
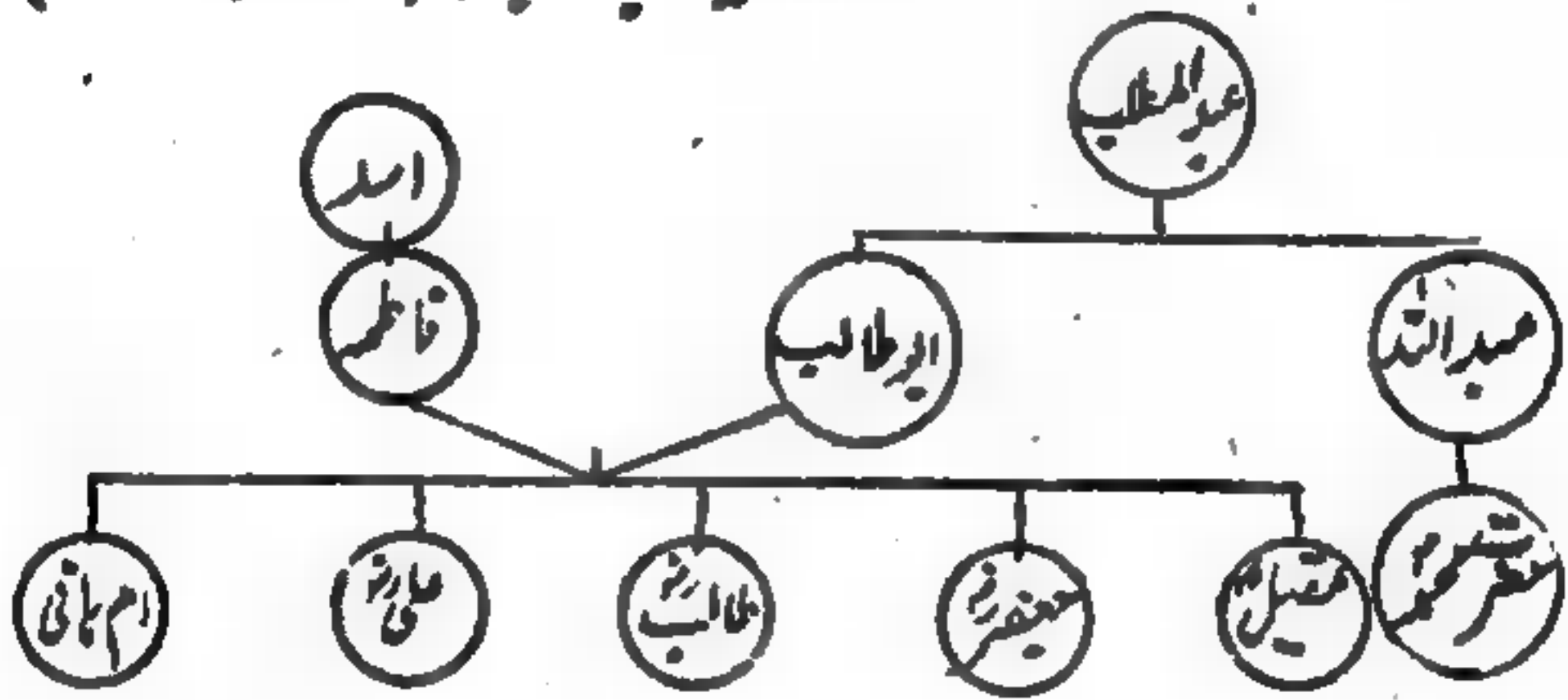
نکاح :- آپ کا نکاح ہبیرہ بن عمرو ابن عائذ مخزومی سے ہوا تھا۔

(اسد الغابہ جلد ■ صفحہ ۶۲۴)

شرف اسلام :- حضرت ام ہانیؓ ۸ھ میں فتح مکہ کے مبارک روز قبول اسلام سے مشرف ہوئیں۔ اس دن آنحضرت صلعم آپ کے گھر تشریف لائے اور وہیں غسل فرما کر چاشت (ظہر) کی نماز ادا کی۔

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۶۲۴)

حضرت ام ہانیؓ نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے۔ پناہ دے دی تھی۔ حضورؐ نے بھی ان دونوں کو پناہ دی۔

(مسند احمد ج ۶ صفحہ ۳۴۲)

فتح مکہ کے روز آپ کا شوہر ہبیرہ نجران کی طرف بھاگ گیا۔ اور اپنے فرار و گریز کی معذرت چند اشعار کہہ کر کی۔ جن کا مطلب یہ تھا:۔

"تیری قسم! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دستوں سے بزدلی کے ساتھ پیٹھ نہیں پھیری۔ اور نہ قتل کے خوف سے مگر میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا۔ تو تیر اور تلوار سے کام لینا کافی نہ دیکھا۔ جب تک میں نے اپنی جائے قیام تک نزدیکی ٹھہرا رہا پھر پلٹ آیا۔ جس طرح شیر اپنے بچوں کی طرف لوٹتا ہے۔"

اخلاق واوصاف:۔ حضرت ام ہانیؓ کو آنحضرت صلعم سے والہانہ عقیدت تھی۔ جس زمانے میں مکہ فتح ہوا۔ اس روز آنحضرت آپ کے گھر تشریف لائے۔ یہاں حضورؐ نے خود بھی شربت نوش فرمایا اور آپ کو بھی دیا۔ آپ اس دن روزہ سے تھیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے شربت پی لیا۔ آنحضرتؐ کو اس بات کا علم ہوا تو حضورؐ نے آپ سے روزہ توڑنے کا سبب دریافت فرمایا۔ حضرت ام ہانیؓ نے جواب میں عرض کیا کہ:۔

"یارسول اللہؐ! میں آپ کا جھوٹا واپس نہیں کر سکتی تھی۔"

(مسند جلد ۶ صفحہ ۳۴۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ سے بڑی محبت تھی۔ ایک دفعہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"ام ہانی! بکری لے لو!! یہ بڑی برکت کی چیز ہے۔"

(مسند جلد ۶ صفحہ ۳۴۲)

ایک بار ام ہانیؓ نے حضورؐ سے عرض کیا۔ کہ:۔

میں اب بوڑھی ہو گئی ہوں۔ اور چلنے پھرنے سے کمزوری محسوس کرتی ہوں۔ کوئی ایسا عمل بتا دیجیے۔ جس کو میں بیٹھے بیٹھے ہی کرتی رہوں اور ثواب زیادہ ہو۔"

اس پر حضورؐ نے انہیں ایک وظیفہ بتا دیا۔

(مسند جلد ۶ صفحہ ۳۴۴)

فضائل:۔ حضرت ام ہانیؓ سے ۴۶ احادیث مروی ہیں جو صحاح وغیرہ کتب احادیث میں مندرج ہیں۔ اور حسب ذیل راویوں نے وہ نقل کی ہیں:۔

جعدہ، یحییٰ، ہارونؒ، ابو مرہ، ابو صالح، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ عبداللہ بن حارث بن نوفل، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ مجاہد اور عروہ وغیرہ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۷۸)

اولاد:۔ آپ کی اولاد میں عمرو، ہانی، یوسف اور جعدہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۶۲۴)

وفات: ۔ حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی وفات کی صحیح تاریخ اور سن معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ اصابہ کی روایت سے اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد تک زندہ تھیں۔

(اصابہ جلد ۸ صفحہ ۹۷)

۱۵
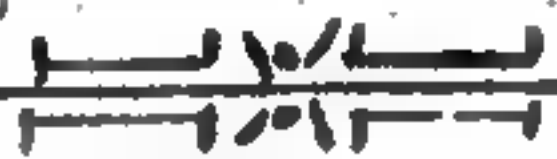
حضرت اُمِّ عمارہ انصاریہ

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

۱- جنگ اُحد میں جب حضرت ام عمارہؓ کی والہانہ خدمات کا ذکر آتا تو حضورؐ فرماتے کہ میں غزوہ اُحد میں ان کو برابر اپنے دائیں بائیں لڑتے دیکھتا تھا۔

۲- اکثر مستند ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت ام عمارہؓ جنگ احد کے علاوہ حدیبیہ، خیبر اور حنین کی لڑائیوں میں بھی آنحضرتؐ کے ہم رکاب تھیں۔

۳ جنگ اُحد میں آپ مشک لے کر لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔ لیکن حضرت حمزہؓ اور بہت سے جانثار صحابیوں کی شہادت کے باعث جب مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور کفار کا جوش زیادہ بڑھ گیا۔ تو آپ حضورؐ کے لئے بالکل سینہ سپر تھیں۔ جب کفار بڑھتے تو تیر اور تلوار سے روکتیں۔ خود آپ کا بیان ہے۔ کہ "میں اپنی ڈھال سے دشمنوں کے حملے روکتی تھی۔ اور جب کوئی سوار وار کرتا تو روک لیتی، اور اس کے آگے بڑھتے ہی پیچھے سے ایسا ہاتھ مارتی کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں کٹ جاتا اور وہ سوار سمیت زمین پر آ رہتا۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ میرے بیٹے عبداللہ کو آواز دے کر امداد کے لئے بھیج دیتے۔ پھر میں اور عبداللہ دونوں اس سوار کا خاتمہ کر دیتے۔"

حضرت ام عمّارہ انصاریہ رضؓ

اسلام کی شیر دل مجاہدہ

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک نسیبہؓ اور کنیت ام عمّارہؓ تھی[۱]۔ اور قبیلہ خزرج کے خاندان نجار کی چشم و چراغ تھیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے:-

نسیبہؓ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن النجار

(اصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۲)

عمرو بن عوف

کعب — نسیبہؓ

عاصم — زید

عبداللہؓ — قتل مسیلمہ میں وحشیؓ کے شریک کار

حبیبؓ — ظلم مسیلمہ کے شہید
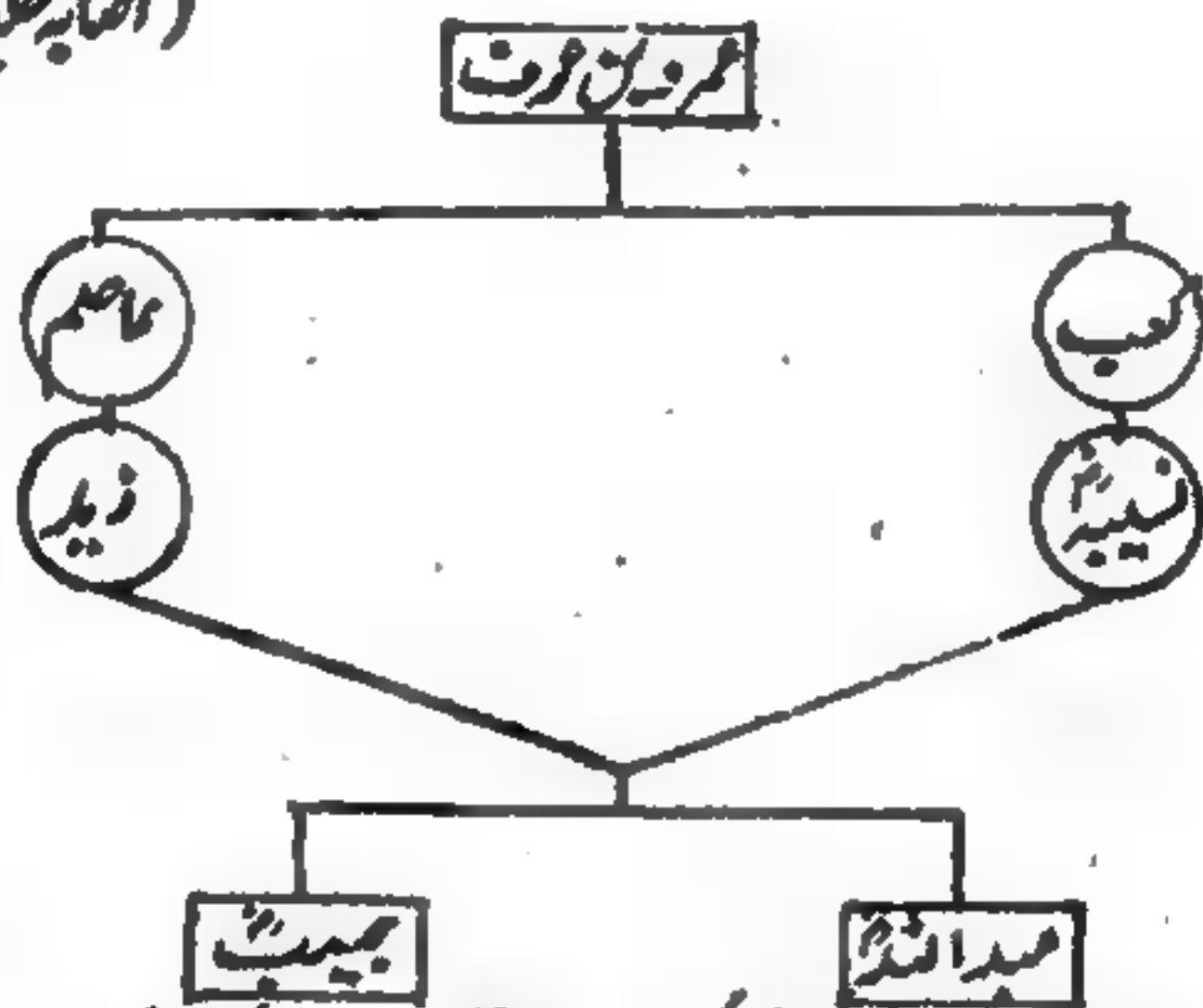
ولادت:- آپ ہجرت سے تقریباً چالیس برس پہلے مدینہ میں پیدا ہوئیں۔

نکاح اول: آپ کے سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد پہلا نکاح آپ کے چچیرے بھائی زید بن عاصم سے ہوا۔ اور ان کے صلب سے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام عبداللہؓ اور حبیبؓ تھے۔

---

[۱] عرب کے رواج کے مطابق نام کی بہ نسبت کنیت زیادہ مشہور ہے۔

نکاح ثانی:۔ زید بن عاصم کی وفات کے بعد آپ کا نکاح عربہ بن عمرو سے ہوا۔ جن کے صلب سے تمیم اور خولہ پیدا ہوئے (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۲۸)

شرف اسلام:۔ خطہ عرب کے لوگ ابھی حق و صداقت کی آواز سے نامانوس تھے اور اسلام کو اپنے قدموں پر صحیح معنوں میں کھڑا ہونے کا ابھی موقع نہیں ملا تھا۔ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ تھکنے والی کوششوں میں سرگرم و مصروف تھے۔ یہ وہ نازک زمانہ تھا جس میں آنحضرتؐ اہل مکہ کی طرف سے ان کی ریشہ دوانیوں کے پیش نظر کافی حد تک مایوس ہو چکے تھے۔ مگر رحمت ایزدی سے چونکہ پوری پوری توقع قائم تھی۔ اس لئے تبلیغ کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا۔ اس زمانے میں مدینہ کے چھ افراد حضورؐ کے وعظ سے متاثر ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ اور اس کے بعد اگلے سال چھ اور مدنی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

ان اصحاب کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور نبی اکرمؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان بارہ مدنی مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ بھیجا۔ تاکہ وہاں جاکر وہ دین حق کی تبلیغ و اشاعت کی خدمت انجام دیں۔ اور اہل مدینہ کو راہ ہدایت کی طرف بلائیں۔ اس مختصر تبلیغی جماعت کی مساعی حسنہ اس حد تک کامیاب و بارآور ہوئیں۔ کہ مدینہ کی سربرآوردہ شخصیتیں اور بڑے بڑے لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ انہی اسلام لانے والوں میں حضرت ام عمارہؓ اور اس لحاظ سے ام عمارہؓ کو اسلام قبول کرنے میں دو شرف حاصل ہوئے۔

"ایک یہ کہ آپ سابقین اولین میں شمار ہوئیں۔ اور دوسرے یہ کہ آپ انصاریہ ہیں"

بیعت عقبہ[1] میں شرکت:۔ حضرت ام عمارہؓ کی زندگی کا پہلا عظیم الشان واقعہ بیعت عقبہ کی شرکت کا ہے۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:۔

اسلام کے دور ارتقاء کے تیسرے سال ۷۵ کے قریب مدنی مسلمان مدینہ سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ اور حج کے ذیمن روز گزرنے کے بعد رات کے پچھلے پہر ایک پہاڑی کی گھاٹی میں حضورؐ کے شرف نیاز سے بہرہ افروز ہوئے وہاں سب نے حضورؐ کے دست مبارک پہ بیعت کی۔ اور عہد کرتے ہوئے عرض کیا کہ:۔

"حضورؐ مدینہ تشریف لے چلیں ہم اپنی جانیں، اپنے مال اور اپنی اولادیں سب اللہ کے دین کی سربلندی میں قربان کریں گے۔"

ان بیعت کرنے والے مدنی مسلمانوں میں دو خواتین بھی تھیں۔

ایک حضرت ام عمارہؓ اور دوسری اُم منیع

اس موقع پر حضرت ام عمارہؓ کے شوہر عربہ بن عمرو نے حضورؐ کی خدمت مقدسہ میں عرض کیا کہ:۔

"یارسول اللہؐ! میری دونوں بیویاں ام عمارہؓ اور ام منیع بھی ہمارے ساتھ شرف بیعت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

میں نے جس عہد پر تم کو بیعت کیا ہے اسی پر آن سے بیعت لیتا ہوں۔ مصافحہ کی ضرورت نہیں میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ اصابہ ۹۴۹ جلد ۱۲

---

[1] عقبہ گھاٹی کو کہتے ہیں۔

جنگ اُحد کے کارنامے :۔ ۳ھ میں جب غزوہ اُحد کا معرکہ پیش آیا۔ تو اس میں حضرت ام عمارہؓ نے بھی شرکت کی۔ اس جنگ میں حضورؐ کے عم محترم جناب حمزہؓ اور بہت سے جاں نثار جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے جام شہادت نوش کیا۔ تو اس سے مسلمانوں کے دل شکستہ ہو گئے۔ اور اس کے بعد حضورؐ کی حفاظت کے لئے دس کے قریب مسلمان باقی رہ گئے تھے۔ جن میں حضرت ام عمارہؓ اور آپ کے شوہر عزیہ بن عمر اور آپ کے دو بیٹے عبداللہؓ اور حبیبؓ بھی تھے۔ (طبقات ج ۸ صـ ۳۰۲)

حضرت ام عمارہؓ جنگ اُحد میں ابتداء ہی سے شامل تھیں۔ جب مسلمان مظفر و منصور تھے۔ اور میدان جنگ میں شیر ببر کی طرح گرجتے ہوئے نہایت جوش و استقلال سے مقابلہ کر رہے تھے۔ تو اس وقت بھی حضرت ام عمارہؓ مشک میں پانی بھر کر مجاہدین اسلام کو پلانے اور ان کی پیاس بجھانے میں برابر مشغول تھیں۔ اور جب آپ نے مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹتے ہوئے دیکھے تو فوراً حضورؐ کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو گئیں۔ جب کفار حملہ کرنے کے لئے حضورؐ کی طرف بڑھتے تو بپھری ہوئی شیرنی کی طرح آگے ہو کر تیر اور تلوار سے ان کو روکتیں۔ حضرت ام عمارہؓ خود بیان کرتی ہیں کہ:۔

"میں اپنی ڈھال سے دشمنوں کے حملے روکتی تھی۔ اور یہ تدبیر کرتی تھی کہ جب کوئی سوار وار کرتا تو روک لیتی اور اس کے آگے بڑھنے ہی لیتا پھر پیچھے ہاتھ مارتی کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں کٹ جاتا اور وہ سوار گر کے زمین پر آ رہتا۔ یہ دیکھ کر حضورؐ میرے بیٹے عبداللہ کو آواز دے کر امداد کے لئے بھیج دیتے۔ پھر میں اور عبداللہ دونوں فوراً اس سوار کو ابدی نیند سلا دیتے۔" (طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۰۲)

اُحد کے معرکہ میں حضرت ام عمارہؓ کی خدمات کا جب ذکر آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے :-

"میں غزوہ اُحد میں ام عمارہؓ کو برابر اپنے دائیں بائیں دلیرانہ لڑتے دیکھتا تھا"

ابھی جنگ جاری تھی۔ اور کفار بڑے جوش و خروش سے حملے پر حملہ کرتے چلے آ رہے تھے۔ کہ ایک کافر پلید کے پتھر سے آنحضرتؐ کا دندان مبارک شہید ہو گیا پھر ایک اور لعین ابن قمیہ نے تلوار کا وار کیا۔ جس سے خود کے دو حلقے حضورؐ کے رخسار میں دھنس گئے۔ اور خون ٹپکنے لگا۔ حضرت ام عمارہؓ نے یہ حالت دیکھی تو نہایت بے تابی سے ابن قمیہ پر حملہ کیا۔ مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ کیونکہ اس نے زرہ پہن رکھی تھی۔ پھر ابن قمیہ نے جوابی طور پر تلوار کا وار کیا تو اس سے حضرت ام عمارہؓ کے کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔

(طبقات جلد ۸ ص ۳۰۲)

ابن قمیہ حضرت عمارہؓ کو زخمی کرنے کے بعد فوراً بھاگ گیا۔ چونکہ آپ کو زخم کاری لگا تھا اس لئے آپ خون میں نہا گئیں۔ حضورؐ نے پاس کھڑے ہو کر اپنے سامنے آپ کی مرہم پٹی کرائی۔ اور چند دلیر و جری صحابہ کے نام لے کر فرمایا کہ :-

"واللہ! آج ام عمارہؓ کا یہ کارنامہ ان کے کارناموں سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اور یہ رہتی دنیا تک مثال رہے گا"

ام عمارہؓ نے یہ حوصلہ افزا ارشاد سننے کے بعد عرض کیا کہ :-

"یا رسول اللہؐ! میرے لئے دعا فرمائیے کہ جنت میں آپ کے ساتھ ہوں"

حضورؐ نے دعا فرمائی تو عرض کیا۔

ما اُبالی ما اصابنی من الدنیا	(ترجمہ) مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی پروا نہیں۔ (طبقات ج ۸ ص ۳۰۱)

اس خونریز جنگ میں حضرت ام عمارہؓ نے ایسی شجاعت و بہادری۔ غیرت و ہمت اور جرأت و بے جگری سے حصہ لیا۔ کہ جب آپ کا فرزند عبداللہ زخمی ہو کر بیٹھ گیا۔ تو آپ نے خود مرہم پٹی کی اور اس کا زخم باندھ کر کہا

"جاؤ بیٹا! اب لڑو اور دین اسلام کی نصرت و سربلندی کے لئے اپنی جان تک کی بازی لگا دو"

حضرت ام عمارہؓ کے یہ الفاظ آنحضرت صلعم نے سنے تو فرمایا:۔

مَن یُطیقُ مَا تطیقین یا ام عمارہ	(ترجمہ) اے ام عمارہ! جتنی طاقت تجھ میں ہے کسی میں کہاں ہو گی ہے طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۰۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام عمارہؓ! کی خدمات کو اتنی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کہ لڑائی جب ختم ہو گئی اور سب لوگ واپس جانے لگے۔ تو آنحضرتؐ نے جب تک عبداللہ بن کعب مازنی کو بھیج کر آپ کی خیریت دریافت نہ فرمالی۔ اس وقت تک اپنے گھر تشریف نہ لے گئے۔

(طبقات ج ۸ ص ۳۰۲)

اکثر و بیشتر ارباب سیر نے لکھا ہے کہ:۔

"ام عمارہ جنگ احد کے علاوہ غزوہ حدیبیہ، غزوہ خیبر اور غزوہ حنین میں بھی حضورؐ کے ہمرکاب تھیں"

ابن سعد کا بیان ہے کہ:-

وشهدت أحداً والحديبية وخيبر وعمرة القضية وحنيناً واليمامة؛	(ترجمہ) "انہوں نے جنگ اُحد، حدیبیہ، خیبر عمرۃ القضاء، حنین اور جنگ یمامہ دیکھی تھیں"۔ (طبقات ج ۸ صفحہ ۵۰۱)

غزوات جاہلیہ:- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اہل یمامہ کا سردار مسیلمہ کذاب جو بڑا ظالم اور زبردست طاقت کا آدمی تھا۔ مرتد ہو گیا۔ اس کے قبیلہ میں چالیس ہزار کے لگ بھگ لڑنے والے آدمی تھے۔ اور وہ سب اس کے ساتھ ہو گئے۔ چنانچہ اس بے دین نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور سب لوگوں سے اپنے آپ کو نبی کہلوانے لگا۔ جو شخص اس کی نبوت سے انکار کرتا اس کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے اور دکھ پہنچانے میں ذرہ برابر دریغ نہ کرتا۔

حضرت ام عمارہؓ کے فرزند حبیبؓ بن زید عمان سے مدینہ منورہ کو آرہے تھے۔ کہ مسیلمہ کذاب کے ہاتھ آگئے۔ اس نے ان کو قبضہ میں لینے کے بعد کہا کہ:

"تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟

حبیبؓ نے جواب دیا، ہاں۔

اس ناپاک نے پھر کہا کہ:-

نہیں! یہ گواہی دو کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے"

حبیبؓ نے سختی کے ساتھ یہ کہنے سے انکار کر دیا تو اس شیطان خصلت جفاگر نے آپ کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اور دوبارہ وہی لغویانہ بات کہنے کا مطالبہ

کیا جو مسیلمہ نے پہلے کہی تھی۔ لیکن اس مردِ مومن نے پھر اس کی نبوت کا اقرار زبان پر لانے سے انکار کیا۔ تو اس ملعون نے آپ کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا غرض ایک طرف مسیلمہ کو اپنے دعویٰ پر اصرار رہا۔ اور دوسری طرف حبیبؓ کے پائے ثبات میں بال کے برابر بھی لغزش پیدا نہ ہونے پائی تھی۔ حتیٰ کہ اس خونخوار درندے نے اس مردِ حق کے تمام اعضاء ایک ایک کر کے کاٹ دیئے مگر اللہ و رسولؐ کے اس عاشقِ صادق نے اپنی جان عزیز دینا گوارا کر لیا اور ایمان و صداقت کی راہ سے قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا پسند کیا۔ مگر ایک ملحد کے سامنے سرِ اطاعت خم نہ کیا۔

اس حادثۂ جانکاہ کی خبر جب حبیبؓ کی والدہ حضرت ام عمارہؓ نے سنی تو سینے پر صبر و ثبات کی سل رکھ کر خاموش رہیں اور دل میں مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ اگر اسلامی لشکر نے مسیلمہ پر لشکر کشی کی تو اس مرتبہ اس ظالم کو میں انشاء اللہ خود اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتاروں گی۔"

مسیلمہ کذاب کی چیرہ دستیوں اور الحاد پرستیوں کے ان واقعات کی اطلاع دربارِ خلافت میں پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول نے اس فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کرنے کے لئے حضرت خالدؓ بن ولید کو مقرر فرمایا۔ حضرت خالدؓ سیف اللہ چار ہزار آزمودہ کار سپاہی لے کر مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت ام عمارہؓ کی بھی دلی مراد پوری ہوئی اور اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے آپ بھی خلیفۃ المسلمین سے اجازت لے کر سپاہ کے ساتھ ہو گئیں۔ منزلِ مقصود پر پہنچے تو سخت مقابلہ ہوا

اور مسیلمہ بھی بڑی استقامت اور دلجمعی سے لڑا۔ اس معرکہ میں بارہ سو مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ لیکن کفار کی اس سے کہیں زیادہ تعداد جہنم کا ایندھن بنی[1]۔

اس ہنگامہ دار و گیر میں حضرت ام عمارہؓ نے مسیلمہ کو تاکا اور بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اپنی برچھی اور تلوار سے صفیں چیرتی اور زخم پہ زخم کھاتی ہوئی مسیلمہ تک جا پہنچیں۔ اس مقام تک پہنچنے میں آپ کو نیزے اور تلوار کے گیارہ زخم آئے۔ اور ایک ہاتھ بھی کلائی سے علیحدہ ہو گیا۔ لیکن اس مجسمہ غیرت و حمیت اور پیکر عزم و ہمت کے ضبط و تحمل کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ آپ نہایت دلیری کے ساتھ آگے بڑھ کر اس ظالم و سفاک کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے وار کرنے ہی والی تھیں۔ کہ اتنے میں دفعتاً دو تلوار ایک ساتھ مسیلمہ کے سر پر پڑیں۔ اور وہ دو ٹکڑے ہو کر گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ حضرت ام عمارہؓ نے غور سے ادھر ادھر دیکھا۔ تو آپ کا فرزند عبداللہ پاس کھڑا تھا۔ آپ نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ:۔

"تم نے اسے قتل کیا ہے؟"

عبداللہؓ نے جواب دیا:۔

"ایک تلوار کا وار میں نے کیا ہے اور دوسری تلوار کا وحشی نے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ کس کی تلوار کا وار اسے جہنم پہنچانے کا باعث ہوا۔"

حضرت ام عمارہؓ کو بڑی خوشی ہوئی اور اسی وقت آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

اس لڑائی میں حضرت ام عمارہؓ کو چونکہ بے شمار زخم آئے تھے۔ اور ایک۔

---

[1] کتب تاریخ میں اس لڑائی میں جہنم واصل ہونے والے کفار کی تعداد اکیس ہزار لکھی ہے

ہاتھ بھی کٹ گیا تھا۔ اس وجہ سے آپ بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت خالدؓ نے جو آپ کی جرأت و شجاعت اور بزرگی و بلند کرداری کے دل سے معترف تھے۔ اور آپ کا بے حد احترام و تعظیم ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ نہایت ہمدردی و توجہ سے آپ کی تیمارداری کی۔ اور علاج میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ چنانچہ آپ کی صحت کچھ عرصہ کے بعد بحال ہو گئی۔ تو آپ نے حضرت خالدؓ کے خلوص و ہمدردی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:۔

"خالدؓ نہایت ہمدرد، کریم النفس اور متواضع سپہ سالار ہیں انہوں نے بڑی غمخواری کے ساتھ ہماری تیمارداری کی۔"

اوصاف و فضائل:۔ آسمان عرب نے دلیری و بہادری، شجاعت و جرأت غیرت و حمیّت اور عقل و ذہانت میں حضرت ام عمارہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک دفعہ آنحضرت صلعم حضرت ام عمارہؓ کے ہاں تشریف لائے تو آپ نے حضورؐ کے سامنے کھانا پیش کیا۔ حضورؐ نے فرمایا، تم بھی کھاؤ! آپ نے عرض کیا، "یا رسول اللہؐ! میں روزے سے ہوں!" حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"ان الصائم اذا اکل عندہ صلت علیہ الملائکۃ" (ترجمہ) روزہ دار کے پاس کچھ کھایا جائے تو فرشتے اس پر درود پڑھتے ہیں۔

یہ حضورؐ کی محبت کا حال تھا۔ آنحضرتؐ کے بعد خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی حضرت ام عمارہؓ کو دیکھنے آپ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ بھی آپ کا بہت احترام مدنظر رکھتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ

ثانیؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ مال غنیمت میں کچھ قیمتی کپڑے آئے۔ جن میں ایک بیش بہا زرکار دوپٹہ بھی تھا۔ بعض حضرات نے خلیفۃ المسلمینؓ کو رائے دی۔ کہ یہ دوپٹہ آپ اپنی بہو یعنی اپنے بیٹے عبداللہ کی بیوی کو دے دیں۔ اور بعض نے مشورہ دیا۔ کہ آپ کی بیوی کلثوم بنت علیؓ کو دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"میں سب سے زیادہ حق دار ام عمارہؓ کو سمجھتا ہوں۔ انہی کو دوپٹہ دونگا۔ کیونکہ حضورؐ سے میں نے اُحد کے روز سُنا تھا۔

ما التفتُّ یوم اُحد یمیناً ولا شمالاً الا وأراھا تقاتل دونی" | (ترجمہ) "میں جدھر نظر کرتا تھا۔ ام عمارہ لڑتی نظر آتی تھیں"۔

چنانچہ وہ دوپٹہ حضرت ام عمارہؓ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔

چند احادیث بھی آپ سے مروی ہیں۔ جو آپ کے سلسلہ سے عباد بن تمیم بن زید، حارث بن عبداللہ بن کعب، عکرمہ اور لیلیٰ نے روایت کی ہیں۔

(طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۰۴)

وفات:۔ آپ کا سن وفات نامعلوم ہے مسیلمہ کذاب کے خاتمہ کے بعد تک تو آپ کا زندہ رہنا کتب تاریخ سے ثابت ہوتا ہے مگر اس کے بعد آپ کب تک زندہ رہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا۔
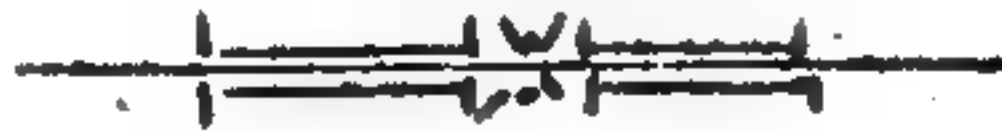
لہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۶)
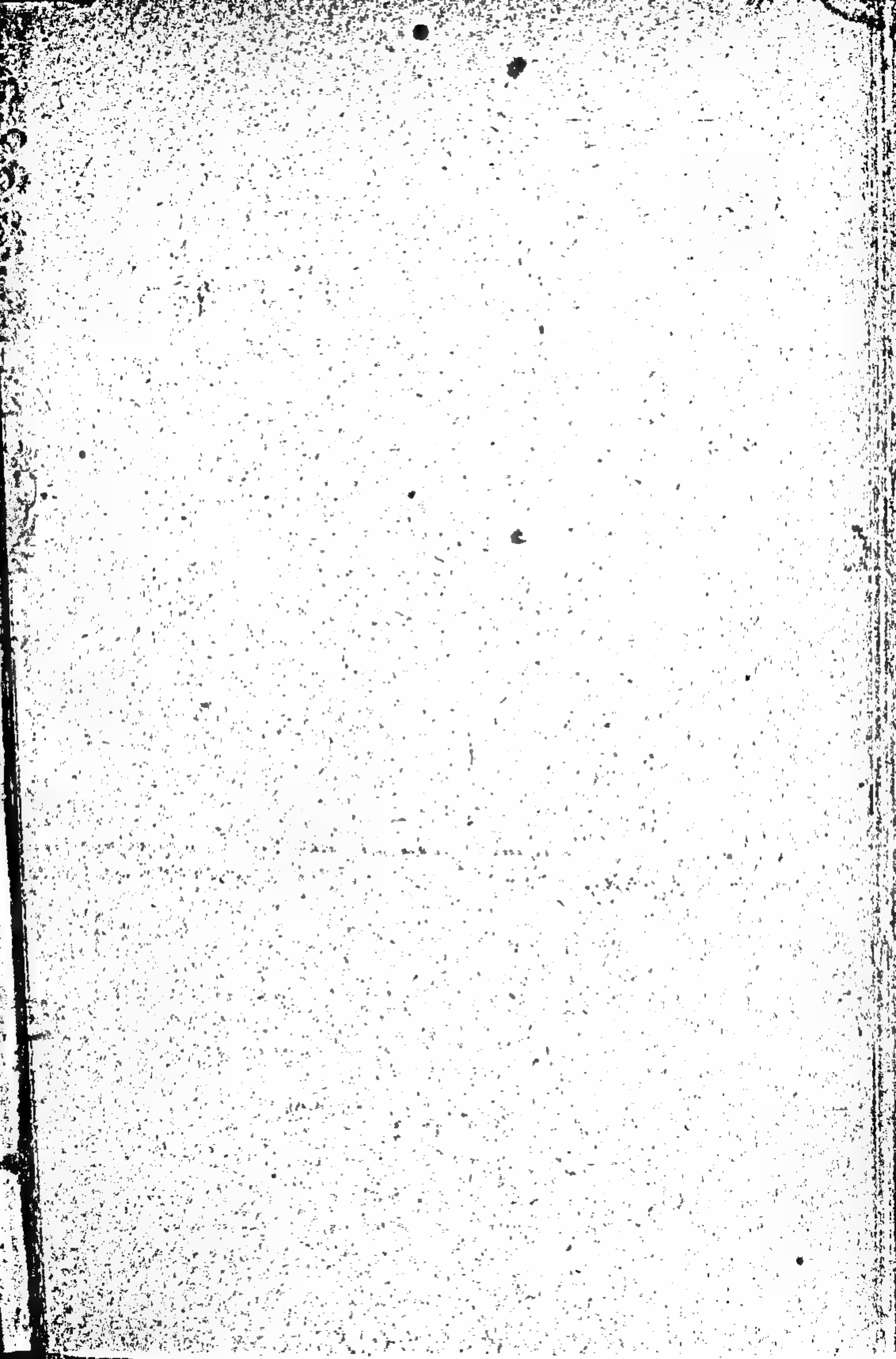
حضرت ام حرامؓ بنت ملحان

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات ام حرامؓ کی عزت کرتے تھے۔ آپ کو دیکھنے تشریف لاتے اور آپ کے پاس آرام فرماتے تھے۔

۲۔ ۲۷ھ میں جب حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کا زمانہ تھا حضرت امیر معاویہؓ نے جو شام کے حاکم تھے۔ جزائر قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت لے کر حملہ آوروں کا ایک بیڑا تیار کیا۔ جس میں حضرت ابوذرؓ، ابو درداؓ، عبادہؓ بن صامت اور بہت سے صحابہ شامل تھے۔ ام حرامؓ بھی اپنے شوہر عبادہؓ بن صامت کے ہمراہ تھیں گویا فتح قبرص میں آپ کا بھی حصہ تھا۔

۳۔ دوسری نیک بیویوں کی طرح آپ کو بھی روایت حدیث کا شرف حاصل تھا۔

حضرت ام حرامؓ بنت ملحان

نام و نسب:- آپ کا اسم مبارک معلوم نہیں۔ ام حرامؓ کنیت ہے۔ اور اسی سے آپ مشہور ہیں۔ آپ بنی خزرج کے خاندان نجار کی چشم و چراغ تھیں۔ آپ کے والد کا نام ملحان بن خالد تھا۔ اور والدہ مکرمہ کا نام ملیکہ تھا۔ جو مالک بن عدی بن زید بن مناۃ بن عمرو بن مالک بن نجار کی بیٹی تھیں۔ اس رشتہ سے ام حرامؓ حضرت ام سلیمؓ کی بڑی بہن اور حضرت انسؓ بن مالک کی خالہ تھیں (طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۱۸) آپ کا شجرہ نسب یہ ہے:-

نجار

- مازن ← غنم ← عمرو ← مبذول ← عوف ← عمرو ← کعب ← ام مالک، زینب
- عدی ← غنم ← عامر ← جندب ← حرام ← زید ← خالد، ضمضم
  - خالد ← ملحان
  - ضمضم ← نضر
- مالک ← غنم ← مالک ← سواد ← حارثہ ← زید ← حارثہ ← عوف ← ربیع
- مالک ← عمرو ← عدی ← مناۃ ← زید ← عدی ← مالک ← ملیکہ، ام عمیم

ربیع، ام سلیم، ام حرام، انس، سریح، مالک ← حضرت انسؓ

نکاح:۔ تہذیب میں لکھا ہے کہ: "آپ کے پہلے شوہر عمرو بن قیس انصاری تھے لیکن اس کے برخلاف ابن سعد کا خیال ہے کہ "پہلے عبادہ بن صامتؓ کے نکاح میں تھیں۔ پھر عمرو بن قیس کی زوجیت میں آئیں۔

عام حالات:۔ ایک روز حضورؐ حضرت ام حرامؓ کے گھر تشریف لائے اور کھانا تناول فرما کر قدرے آرام فرمایا۔ حضرت ام حرامؓ نے جوئیں دیکھنا شروع کیں۔ حضورؐ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا:۔

"میں نے خواب دیکھا ہے کہ میری امت کے لوگ سمندر میں جنگ کے ارادہ سے سوار ہیں۔"

ام حرامؓ نے عرض کی، "یا رسول اللہؐ! میرے لئے دعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔" حضورؐ نے دعا کی اور پھر سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے۔ اور وہی خواب بیان فرمایا۔ حضرت ام حرامؓ نے دوبارہ دعا کی درخواست کی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا، "تم بھی انہی میں سے ہو۔" (طبقات ج۸ ص۲۶۹)

ایفائے تعبیر اور وفات:۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت ام حرامؓ کا نکاح حضرت عبادہؓ بن صامت سے ہوا۔

۲۷ھ میں جب حضرت عثمان غنیؓ کا عہد خلافت تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے جو شام کے گورنر تھے۔ جزائر قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت بارگاہ خلافت سے حاصل کی اور اسلامی لشکر کے بہادر مجاہدین کا ایک بحری بیڑا تیار کیا۔ جس میں حضرت ابوذرؓ، حضرت ابودرداؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ اور بہت سے صحابہ

شامل تھے۔ حضرت ام حرامؓ بھی اپنے شوہر حضرت عبادہؓ بن صامت کے ہمراہ تھیں۔ قبرص کو فتح کرنے کے بعد جب مسلمان اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔ تو حضرت ام حرامؓ بھی سواری پر چڑھیں۔ لیکن جانور جوشیلا تھا۔ اس نے چڑھنے نہ دیا۔ اور زمین پر گرادیا جس سے آپ کو شدید چوٹ آئی۔ اور وہ جان لیوا ثابت ہوئی۔ چنانچہ حضرت ام حرامؓ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔

(اسد الغابہ ج ■ صفحہ ۵۷۵)

اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ:۔

اوصاف و فضائل:۔ حضورؐ حضرت ام حرامؓ کی بڑی عزت کرتے تھے، آپ کو دیکھنے تشریف لاتے۔ اور آپ کے ہاں آرام بھی فرماتے تھے۔"

آپ کو روایت حدیث کا بھی شرف حاصل تھا۔ حضرت انسؓ، عمرو بن اسودؓ۔ حضرت عبادہؓ بن صامت، عطاء بن یسار، اور یعلی بن شداد بن اوس نے آپ کی ساعت پر اعتماد کیا ہے، اور آپ کے سلسلہ سے حدیث بیان کی ہے ۲؎ (اصابہ ج ۱۲ صفحہ ۵۸۳)

اولاد:۔ آپ نے اولاد میں اپنے پیچھے تین لڑکے چھوڑے۔ پہلے شوہر سے قیس اور عبد اللہ اور دوسرے شوہر حضرت عبادہؓ سے محمدؓ۔

(طبقات ج ۸ صفحہ ۳۱۸)

لہ حضرت عبادہؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ مستند کتب سیر سے عبادہؓ بن صامت کا آخری شوہر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۱۷)
حضرت ام سلیم بنت ملحان

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت ام سلیمؓ غزوات میں بڑے جوش و خروش اور شوق سے حصّہ لیا کرتی تھیں۔ جہاں آپ لوگوں کو پانی پلاتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

۲۔ آپ بے حد صابرہ و پرہیزگار تھیں۔ جب آپ کا لاڈلا بیٹا ابو عمیر فوت ہوا تو آپ نے انتہائی صبر و سکون سے کام لیا اور گھر کے دوسرے لوگوں کو منع کر دیا کہ وہ ابو طلحہ (آپ کے شوہر) کو بتائیں۔ رات کو ابو طلحہ گھر آئے تو حسب معمول انہیں کھانا کھلایا اور اطمینان سے سو گئیں۔ کافی رات گئے آپ نے باتوں باتوں میں خاوند سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص ادھار کے طور پر ایک چیز دے اور پھر اسے واپس لینا چاہے تو کیا تم اسے واپس دینے سے انکار کر دو گے۔ انہوں نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا تو پھر اپنے بیٹے ابو عمیر کی طرف سے صبر کیجئے۔

۳۔ فیاضی اور مہمان نوازی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے لئے دعوتوں کا انتظام کرنے میں بہت خوشی محسوس کرتی تھیں۔

حضرت ام سلیمؓ

مبلغہ و مجاہدۂ اسلام

نام و نسب:- آپ کا اسم مبارک رملیہ[1] یا سہلہ اور کنیت ام سلیمؓ اور ام انسؓ ہے[2]۔ لقب غمیصاء اور رمیصاء ہے۔ آپ کے والد ماجد ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب ہے اور والدۂ ماجدہ کا نام ملیکہ تھا جو مالک بن عدی بن زید بن مناۃ بن عمرو بن مالک بن نجار کی چشم و چراغ تھیں۔ آپ کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے:-

نجار
مالک
عمرو
عدی
مناۃ — زید — عدی — مالک — ملیکہ
جندب — حرام — زید — خالد — ملحان
زید — ضمضم — نضر — مالک
ام سلیم — ابو طلحہ
حضرت انس — ابو عمیر — عبداللہ
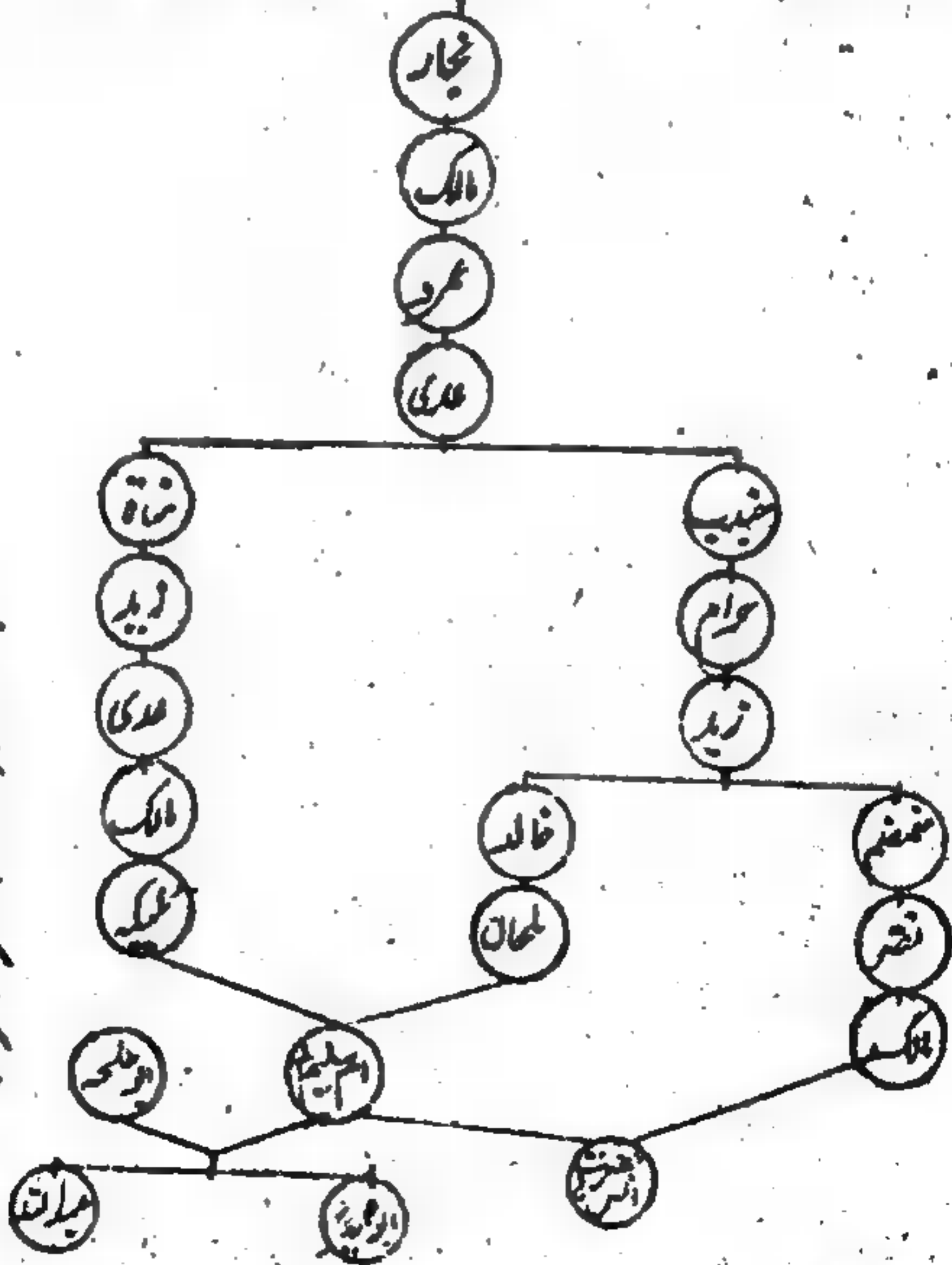
۱؎ بعض کے نزدیک حضرت ام سلیم کا نام رمیثہ ہے۔
۲؎ آپ کی کنیت ام سلیم زیادہ مشہور ہے۔

زید

الجلاح — عمرو

ہاشم — سلمیٰ — احیحہ
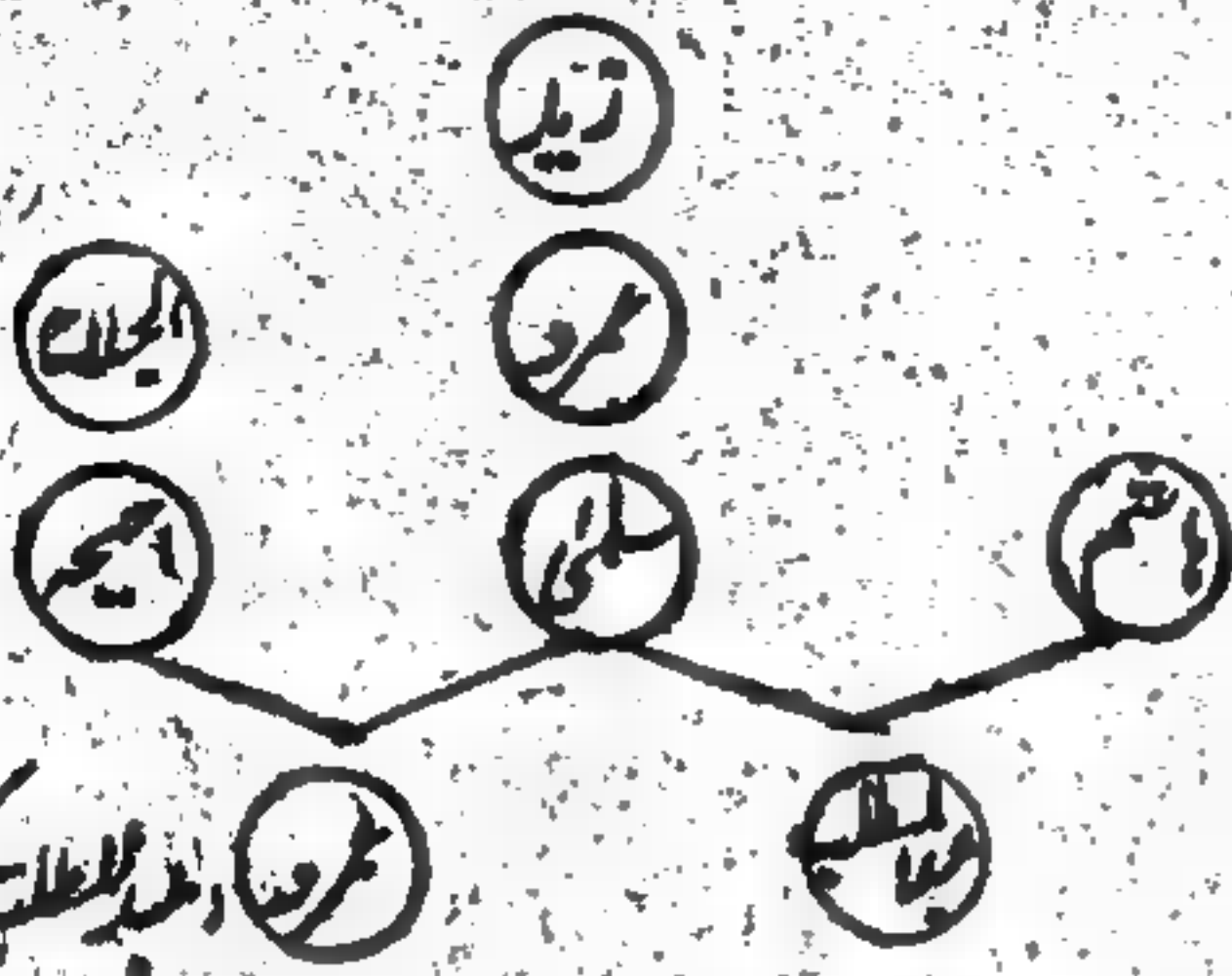
عبدالمطلب — عمرو (عبدالمطلب کے برادر خیفی)

آبائی سلسلہ سے آپ سلمیٰ بنت عمرو بن زید کی پوتی تھیں۔ سلمیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب کی والدہ تھیں۔ اس بنا پر حضرت ام سلیم آنحضرت کی خالہ مشہور تھیں۔

نکاح اول:- حضرت ام سلیم جب سن شعور کو پہنچیں تو آپ کا نکاح مالک بن نضر سے ہوا۔ جو آپ کے ہم قبیلہ تھے۔ اور انہی کے صلب سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے۔ (اصابہ صفحہ ۸۹۱ ج ۲)

شرف اسلام:- آپ اوائل اسلام میں مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ اور اسی بنا پر حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ۔

اسلمت مع السابقین الی الاسلام من الانصار"	ترجمہ: "اس نے انصار میں سے سابقین کے ساتھ اسلام قبول کیا"۔

حضرت انسؓ اس وقت ابھی بچے تھے۔ تو حضرت ام سلیمؓ ان کو کلمہ طیبہ پڑھاتی تھیں۔ اور آپ کا شوہر مالک بن نضر جو ابھی مشرک تھا۔ اس پر بہت ناراض ہوتا تھا کہ تم میرے بچے کو میرے مذہب سے منحرف کرتی ہو۔ غرضیکہ مالک کا دل نور اسلام سے منور نہ ہوا۔ اور اسی حالت میں وہ ناراض ہو کر شام کو چلا گیا۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۸۹۱)

نکاح ثانی :- آپ کے شوہر مالک بن نضر کو شام ہی میں کسی دشمن نے موقع پا کر قتل کر دیا۔ جس کی وجہ سے ام سلیمؓ بیوہ ہو گئیں۔ اور انسؓ کے بچپن کی وجہ سے سخت پریشان تھیں۔ اگر ایسے نازک وقت میں آپ دوسرا نکاح کر لیتیں۔ تو مورد الزام نہ ٹھہرائی جا سکتیں۔ مگر آپ نے نہایت بلند حوصلے اور استقلال سے کام لیا۔ اور شادی کے لئے موصول ہونے والے سب پیغام یہ کہہ کر رد کر دیئے کہ :-

جب تک میرا لخت جگر سن بلوغ کو نہ پہنچ جائے۔ نکاح نہیں کروں گی۔ اس کے علاوہ جب انسؓ ہی میرے نکاح پر رضامندی کا اظہار کرے گا تو کروں گی[1]۔

آخر حضرت انسؓ جب سن شعور کو پہنچ گئے۔ تو آپ کے قبیلہ کے ایک شخص ابو طلحہ نے نکاح کا پیغام دیا۔ یہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ اس لئے حضرت ام سلیمؓ نے غور کرنے کے بعد فرمایا کہ :-

"میں تو محمد صلعم پر ایمان لائی ہوں۔ اور گواہی دیتی ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ لیکن تم پر افسوس ہے کہ پتھر کو پوجتے ہو یا لکڑی کو جسے بڑھئی تراش کر بت بنا دیتا ہے۔ تمہیں بتاؤ! یہ پتھر یا لکڑی کے بت تم کو کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں ؟"

یہ تلقین آپ نے ایسے دلنشین انداز میں کی کہ دل و دماغ پر دین حق کی صداقت اثر کر گئی۔ اور فوراً آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر صدق دل سے مسلمان ہو گئے۔ اور اس کے بعد دینی خدمات میں اس قدر سرگرم ہوئے کہ صحابہ کرامؓ بھی

---

[1] آپ کا یہ فرمانا اس خیال کے پیش نظر تھا کہ سوتیلے باپ سے حضرت انسؓ کو ذرہ بھر بھی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔

عش عش کر اٹھے۔

اگرچہ ابو طلحہ بہت معمولی شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن چونکہ ام سلیمؓ کے سمجھانے سے مسلمان ہوئے تھے۔ اس لئے ام سلیم کے دل میں ان کی حق پسندی کی قدر و منزلت ہو گئی۔ اور آپ نے قبول اسلام کے بعد ابو طلحہ سے فرمایا:۔

"فانی اتزوجک ولا اخذ منک صداقا غیرہ۔" (ترجمہ) میں بھی تم سے نکاح کرتی ہوں اور اسلام کے سوا کوئی مہر نہیں لیتی۔

یعنی آپ کا مہر ابو طلحہ کا قبول اسلام قرار پایا۔ اور یہ نکاح حضرت انسؓ کے زیر اہتمام ہوا۔ (الطبقات جلد ۸ صفحہ ۳۱۱)

مجاہدانہ خدمات:۔ حضرت ام سلیمؓ بھی بعض شیر دل خواتین کی طرح معرکہ خیز جنگوں میں مردوں کے دوش بدوش رہیں۔ اور دن رات برابر کام کرتی تھیں۔ صحیح مسلم میں ہے:۔

"کان رسول اللہ صلعم یغزو بام سلیم و نسوۃ من الانصار معہ اذا غزا فیسقین الماء ویداوین الجرحی۔" (ترجمہ) رسول اللہ صلعم غزوات میں ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کو ساتھ رکھتے تھے۔ کیونکہ جب آپ جنگ میں مشغول ہوتے تو یہ پانی پلاتیں۔ اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

(صحیح مسلم صفحہ ۳۵۲ ج ۲)

جنگ احد میں حضرت ام سلیمؓ اپنے شوہر ابو طلحہ سمیت شریک تھیں۔ ابو طلحہ نے کفار کا نہایت مردانگی کے ساتھ سر توڑ مقابلہ کیا۔ اور حضورؐ کی حفاظت میں دشمنوں کے نیزے جگر پر روکتے رہے۔ دوسری طرف ام سلیمؓ بڑی جرات، دلیری، نہایت مستعدی اور بلند ہمتی سے مجاہدین کی خدمت میں پیش پیش تھیں۔ چنانچہ حضرت

انسؓ کہتے ہیں کہ :-

میں نے عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو اپنے پائنچے چڑھائے اور مشکیں بھر بھر لاتے اور زخمیوں کو پانی پلاتے دیکھا جب مشکیں خالی ہو جاتی تھیں تو پھر بھر بھر لاتی تھیں ؛

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۲)

خیبر کا معرکہ ۷ھ میں ہوا اس میں بھی حضرت ام سلیمؓ آنحضرت صلعم کے ہمرکاب تھیں - فتح کے بعد جب حضرت صفیہؓ کو ازواج مطہرات میں داخل کیا جانے لگا - تو حضورؐ نے حضرت صفیہؓ کو حضرت ام سلیمؓ کے سپرد کیا کہ ان کو دلہن بنائیں -

(صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۵۵۰)

جنگ حنین . میں بھی حضرت ام سلیمؓ نے شرکت کی اور اس کے باوجود کہ عبداللہ بن ابوطلحہ پیٹ میں تھے . آپ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے تھیں - ابوطلحہ نے حضورؐ کے گوش گزار کیا - کہ ام سلیمؓ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے ہیں . حضورؐ نے ام سلیمؓ سے پوچھا کہ "خنجر کیا کرو گی" ؟

ام سلیم نے عرض کیا کہ :-

"ان دنا منی احد من المشرکین بقرت بہ بطنہ"

(ترجمہ) اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے گا تو اس کا پیٹ چاک کر دوں گی ؛

حضورؐ نے تبسم فرمایا - حضرت ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ :-

"یا رسول اللہ ! مکہ کے لوگ بھاگ گئے ہیں - ان کے قتل کا ایما فرمایئے ؛

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا:۔

ان اللہ قد کفی و احسن اللہ"	(ترجمہ) اللہ نے خود ان کا اچھا انتظام کر دیا ہے۔" (طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۱۱)

حضور کی دعا حضرت انسؓ کے لیے

:۔ ابوطلحہ سے نکاح ہو جانے کے بعد حضرت ام سلیمؓ نے حضرت انسؓ کو آنحضرتؐ کی خدمت میں دے دیا۔ چنانچہ حضرت انسؓ حضورؐ کے خدام خاص میں تھے۔ اور بہت ہی محبوب تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ ام سلیمؓ کے گھر تشریف لائے۔ تو ام سلیمؓ نے کھجوریں اور مکھن پیش کیا۔ مگر آپؐ نے عذر فرمایا کہ "میں روزے سے ہوں۔"

تھوڑی دیر قیام فرمانے کے بعد حضورؐ نے نماز نفل پڑھی۔ اور ام سلیمؓ اور آپ کے خاندان کے لئے دعا مانگی۔ حضرت ام سلیمؓ نے دیکھا کہ اس وقت رحمت نبوی جوش پر ہے تو عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میں سب سے زیادہ اپنے لخت جگر انسؓ کو چاہتی ہوں۔ جو آپ کا خدمت گار ہے۔ اس کے لئے خاص طور سے دعا فرمائیے۔"

یہ ایسی مبارک استدعا تھی کہ بڑی خوبی کے ساتھ درجہ قبولیت کو پہنچی اور حضورؐ نے دین و دنیا کی کوئی مراد نہ تھی جس کی انسؓ کے لئے دعا نہ کی ہو۔ آپ نے اس دعا میں فرمایا:۔

اللھم ارزقہ مالاً و ولداً و بارک لہ (ترجمہ اے اللہ! اس کو مال دے اولاد دے اور اس کی عمر میں برکت عطا فرما۔"

آنحضرت صلعم کی اسی دعا کا اثر تھا کہ حضرت انسؓ تمام انصار سے زیادہ متمول اور معمر ہوئے۔ سو سال سے زیادہ عمر پائی، اور کثیر اولاد ہوئی۔ خود حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

"فانی لمن اکثر الانصار مالاً | (ترجمہ) "میں اکثر انصار سے دولت مند ہوں"۔

حضرت انس کا ایک اور قول ہے جس میں کثرت اولاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"میرے ہی صلب سے حجاج کے بصرہ آنے تک ایک سو انتیس بیٹے دفن ہو گئے"۔

اوصاف وفضائل:۔ حضرت ام سلیمؓ بڑی پاکیزہ اخلاق، بلند سیرت، نکتہ رس، موقع شناس اور عقلمند خاتون تھیں۔ اور صبر و استقلال آپ کا امتیازی وصف تھا۔ ابن اثیر نے آپ کی نسبت لکھا ہے کہ:۔

کانت من عقلاء النساء | (ترجمہ) "وہ عقلمند عورتوں میں سے تھیں۔

علم حدیث میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ لوگ آپ سے مسائل دریافت کر کے اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباس میں ایک مسئلہ پر اختلاف ہو گیا۔ تو دونوں حضرات نے حضرت ام سلیمؓ کو حکم قرار دیا۔ (مسند ج ۶ صفحہ ۴۳۰)

آپ سے چند احادیث مروی ہیں۔ اور حضرت انسؓ ابن عباسؓ، زید بن ثابت، ابو سلمہ اور عمرو بن عاصم نے آپ سے روایت کی ہیں (اصابہ صفحہ ۹۰۸ جلد ۲)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرنا تبلیغ کا بنیادی رکن ہے۔ حضرت ام سلیمؓ اس رکن کی ادائیگی سے بھی غفلت اور بے توجہی نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ جہاں کہیں بھی شریعت اسلامیہ کے خلاف کوئی بات دیکھتیں اسے فوراً روک دیتیں۔ آپ مسائل کے دریافت کرنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہ کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ:-

یا رسول اللہ! خدا حق بات سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت پر خواب میں غسل واجب ہے؟

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سن رہی تھیں بے ساختہ ہنس دیں اور فرمایا کہ تم نے عورتوں کی بڑی توہین کی ہے کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے!

حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ کیوں نہیں! ورنہ بچے ماں کی شکل کے کیوں ہوتے؟

ابو طلحہ کے قبول اسلام کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ حضرت ام سلیمؓ نے جس دانائی اور شائستگی کے ساتھ ابو طلحہ کو دین حق کی دعوت دی وہ آپ کے فضائل و کمالات اور عقل و دیانت کا چمکتا ہوا ثبوت ہے۔ اصابہ میں آپ کے انداز تبلیغ کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا ہے:-

قالت یا اباطلحہ! الست تعلم ان الٰہک الذی تعبد نبت من الارض قال بلٰی، قالت افلا تستحی تعبد شجرۃ؟	(ترجمہ) فرمایا اے ابو طلحہ! کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارا معبود جب زمین سے اگا ہے؟ اس نے کہا، ہاں فرمایا، تو پھر تم کو شرم نہیں آتی درخت کی پوجا کرتے ہو؟"

حضرت ام سلیمؓ کو تربیت اولاد کا جو سلیقہ پروردگار عالم نے عطا فرما رکھا تھا۔ اس کا اندازہ آپ کے لخت جگر حضرت انسؓ کے اس فقرہ سے بخوبی ہو جاتا ہے:-

جزی اللہ امی عنی خیر القد احسنت ولایتی"	(ترجمہ) اللہ میری والدہ ماجدہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے میری اعلیٰ طریقے سے کفالت کی

حضرت ام سلیمؓ کے فضائل و مناقب اتنے کثیر التعداد ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس امر کی تصدیق ذیل کی حدیث قدسی سے پورے طور پر ہوتی ہے:-

قال النبی صلعم دخلت الجنۃ نسمعت خشفۃ نقلت ماھذا نقیل الرمیصاء بنت ملحان -	(ترجمہ) نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو مجھ کو کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ میں نے دریافت کیا۔ کون ہے تو لوگوں نے کہا رمیصاء بنت ملحانؓ

صبر و استقلال کی انتہا:- آپ کا لڑکا ابو عمیر جس کا ذکر گزشتہ سطور میں آ چکا ہے۔ جب انتقال کر گیا۔ تو حضرت ام سلیمؓ نے بڑے اطمینان سے میت کو غسل دیا اور کفن پہنا کر ایک طرف رکھ دیا۔ آپ نے گھر کے تمام افراد کو منع کر دیا کہ ابو طلحہ (آپ کے شوہر) کو اس کی اطلاع نہ دیں۔ ابو طلحہ اس وقت کہیں گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اور شام کو جب واپس آئے تو بیٹے کی خیریت دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ جس حال میں تم نے دیکھا تھا اس سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے حسب معمول ابو طلحہ کو کھانا کھلایا۔ اور اطمینان سے بٹھایا۔ جب کافی رات گزر گئی تو آپ نے نہایت متانت کے ساتھ اپنے شوہر سے کہا۔ کہ

سا ابوطلحہ! اگر کوئی شخص ایک چیز مستعار کسی کو دے اور پھر واپس لینا چاہے تو کیا اس شخص کو ناگوار گزرنا چاہیئے؟"

ابوطلحہ نے جواب دیا کہ "یہ بات تو انصاف سے بعید ہے" ۔ آپ نے کہا، "تو پھر اپنے بیٹے ابوعمیر کی طرف سے صبر کیجیے ۔ وہ اللہ کی امانت تھا۔ جو واپس لے لیا گیا"

یہ سنکر ابوطلحہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ صبح ہوئی تو ابوطلحہ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ سنایا۔ حضورؐ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور دعا دی کہ "اللہ ابوعمیر کا نعم البدل عطا فرمائے" چنانچہ ابوعمیر کے بعد حضرت عبداللہ تولد ہوئے۔ جن کی تربیت حضورؐ نے خود کی (طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۱۶)

حضورؐ کی برکت سے حضرت عبداللہ بڑے صاحب کمال ہوئے اور اللہ نے ان کی اولاد میں دس ماہر فن قاری پیدا کیے (اصابہ ج ۸ صفحہ ۲۹۳)

حضورؐ سے والہانہ محبت: حضرت ام سلیمؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ محبت تھی اس کا اندازہ ذیل کی روایات سے بخوبی ہو جاتا ہے:-

حج سے فارغ ہو کر حضورؐ نے مقام منیٰ میں موئے مبارک ترشوائے تو حضرت ام سلیمؓ نے ابوطلحہؓ سے کہا کہ حجام سے بال مانگ لو۔ وہ بال لے آئے تو آپ نے برکت کے لیے ایک شیشی میں بند کر کے رکھ لیے۔

حضور اکثر حضرت ام سلیمؓ کے گھر آرام فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ بیدار ہوئے تو دیکھا

کہ ام سلیمؓ جبین مبارک سے پسینہ پونچھ رہی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا:-

"ام سلیمؓ! یہ کیا کر رہی ہو؟"

آپ نے عرض کیا، "برکت حاصل کر رہی ہوں"[1]

ایک مرتبہ حضورؐ نے آپ کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا۔ تو حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کا دہانہ کاٹ کر رکھ لیا کہ اس سے حضورؐ کا دہن مبارک مس ہوا ہے۔ (طبقات ج ۸ صفحہ ۳۱۳)

یہی حال ام سلیمؓ کے ساتھ حضورؐ کی محبت کا تھا۔ حضورؐ آپ کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ کرتے تھے۔ اور آپ کے لئے خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے:-

"کان النبی صلعم لا یدخل علی احد من النساء الا علی ازواجہ الا ام سلیم کانہ یدخل علیہا فقیل لہ فی ذالک فقال انی ارحمہا قتل اخوہا معی"

ترجمہ:- آپ ازواج مطہراتؓ کے علاوہ کسی اور عورت کے ہاں نہیں جاتے تھے البتہ ام سلیمؓ مستثنیٰ ہیں۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا! مجھے ان پر رحم آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی نے میری اعانت میں شہادت پائی ہے۔[2]

(صحیح مسلم ص ۲۱۱ ج ۲ و طبقات ص ۳۱۳ ج ۸)

حضورؐ بعض اوقات ام سلیمؓ کے گھر ہوتے اور نماز کا وقت آ جاتا تو وہیں چٹائی پر نماز پڑھ لیتے۔ (طبقات صفحہ ۳۱۲ ج ۸)

ایک دفعہ حضورؐ حج کے لئے مکہ معظمہ کو تیار ہوئے تو ام سلیمؓ سے فرمایا کہ تم اس

---

[1] مسند احمد میں یہ روایت زیادہ اختلاف کے ساتھ آئی ہے کہ جب آپ گھر پر آرام فرما کر بستر سے اٹھے تو ام سلیمؓ آپ کے پسینہ اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں۔ [2] حرام ابن ملحانؓ شہدائے بیر معونہ۔

سال ہمارے ساتھ حج نہیں کرتیں؟ آپ نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! میرے شوہر کے پاس دو سواریاں ہیں۔ جن پر باپ بیٹا حج کو چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے۔ آپؐ نے ازواجِ مطہرات کے ساتھ سوار کر دیا۔ رستہ میں عورتوں کے اونٹ پیچھے رہ گئے۔ اونٹوں کو ہانکنے پر آپؐ کے غلام انجشہ مامور تھے۔ انہوں نے حدی خوانی شروع کی۔ جس سے اونٹ دوڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضور قریب آئے اور فرمایا، انجشہ! آہستہ آہستہ، شیشے ہیں شیشے[1]

وفات:- حضرت ام سلیمؓ کی وفات کا سن اور تاریخ معلوم نہیں ہو سکی غالباً آپ نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانے میں انتقال فرمایا۔

[1] یعنی صنف نازک۔

(۱۸)

حضرت ربیع بنت نضر

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

۱- حضرت ربیع بن نضر رضی اللہ عنہا بہت نیک سیرت، پارسا اور پرہیز گار خاتون تھیں۔

۲- آپ اپنا زیادہ تر وقت ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت میں گزارتی تھیں۔ اور اس مبارک زمانے کی عابدہ و زاہدہ خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔

۳- بعض دیگر صحابیات کی طرح آپ بھی بڑی باحوصلہ، بہادر اور دلیر تھیں۔ اور اسلام کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کرتی تھیں۔

حضرت رُبَیّع بنتِ نضرؓ

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک ربیع تھا۔ اور انصار کے خاندان عدی بن نجار کی چشم وچراغ تھیں۔ حضرت انس بن نضرؓ آپ کے حقیقی بھائی تھے۔
(اسد الغابہ ج ۵ ص۴۵۱)

آپ حضرت انس بن مالک خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ اور آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:- ربیع بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام (اصابہ ج۴ ص۶)
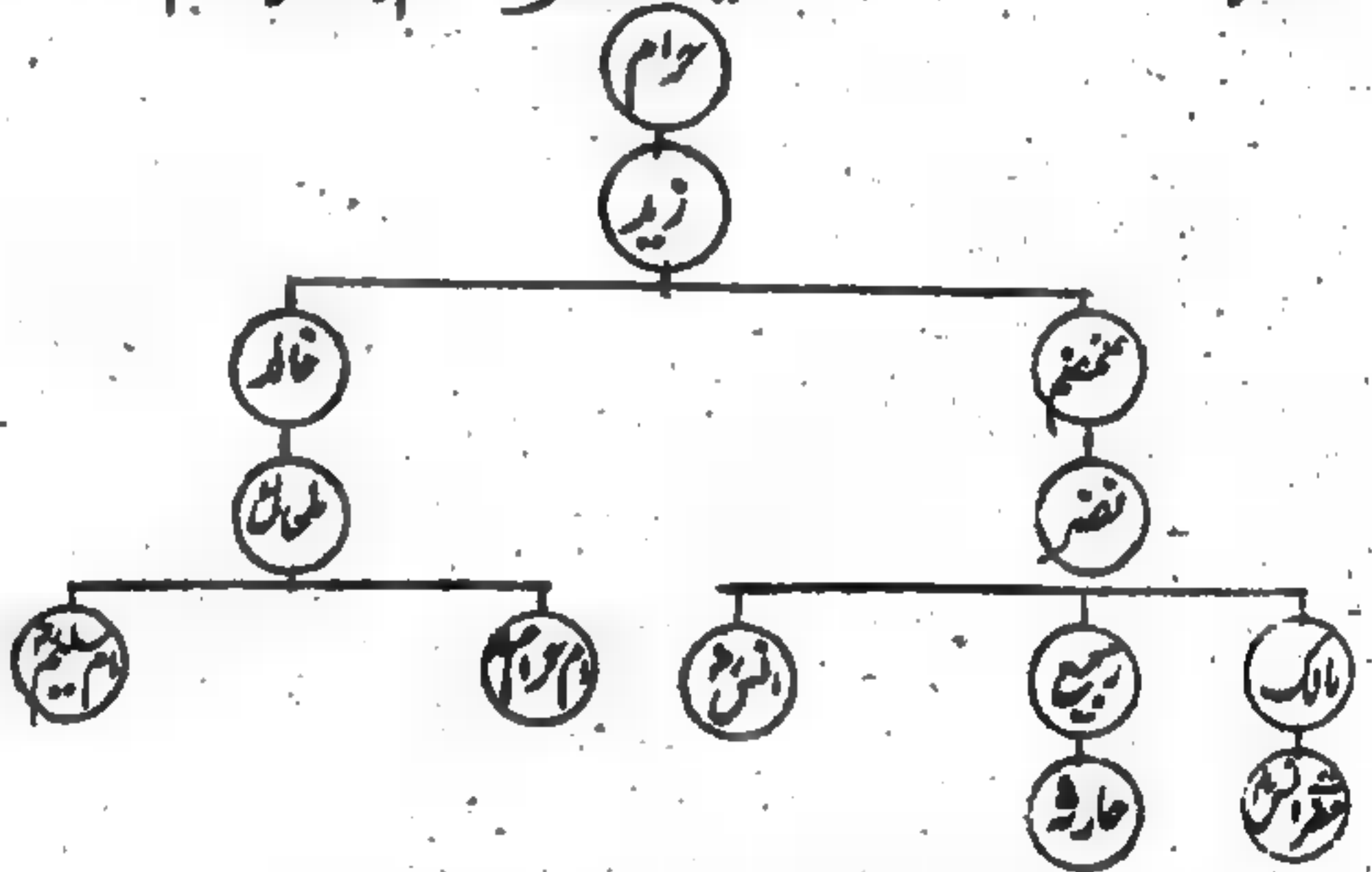
خاص حالات:- آپ کے بیٹے حارثہ بن سراقہ نے جنگ بدر میں شہادت پائی۔ ایک دفعہ حضرت ربیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض کیا:-

"یارسول اللہ! میں حارثہ کی حالت معلوم کرنے کی دلی آرزو رکھتی ہوں اگر وہ جنت میں ہو تو صبر کروں"

اور اس کے آرام کے خیال سے خوش رہوں۔ ورنہ آہ و بکا میں تو زندگی کے دن کٹ ہی رہے ہیں۔" فرمایا "إنه أصاب الفردوس الأعلىٰ" (ترجمہ) اطمینان رکھو، اللہ نے اس کو فردوس اعلیٰ میں جگہ عطا کی ہے۔"

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۵۲)

ایک مرتبہ حضرت رُبیعؓ نے ایک عورت کا دانت توڑ دیا۔ اس کے متعلقین نے انتقام لینے کی خواہش کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تمام واقعہ بیان کیا۔ حضورؐ نے قصاص کا حکم فرمایا۔ تو آپ کے بھائی حضرت انسؓ بن نضر کھڑے ہوئے اور نہایت عجز و انکسار کے انداز سے التماس کی کہ رُبیعؓ کے دانت نہ توڑے جائیں۔

اس عورت کے ورثاء ان کے عاجزانہ لہجہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے قصاص معاف کر دیا۔

(اسد الغابہ جلد ۵: صفحہ ۴۵۲)

(۱۹)

حضرت سمیہ بنت خباط

(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

۱۔ حضرت سمیہؓ بنت خباط نے اسلام کے دامنِ رحمت میں آنے کے بعد صبر و استقلال اور ایثار و قربانی کی وہ درخشندہ مثالیں قائم کیں جس کے نور سے اوراقِ تاریخ ابد تک جگمگاتے رہیں گے۔

۲۔ آپ پہلی بیوی ہیں جو حق کی خاطر طرح طرح کی اذیتوں کا نشانہ بنیں اور نہایت صبر و ضبط کے ساتھ اللہ کی راہ میں شہید ہوئیں۔

۳۔ اس جرم میں کہ آپ مسلمان ہو گئی تھیں، مشرکین نے آپ کے گھر کو آگ لگا دی۔ پھر آپ کو، آپ کے خاوند یاسرؓ اور آپ کے بیٹے عمارؓ کو زنجیریں پہنا کر بازاروں میں گھسیٹتے ہوئے قید خانے میں لے گئے۔ ان اسیروں کو تیز بھالے کے لیے کے خنجروں کے کچوکے لگاتے تھے۔ ان پر چاروں طرف سے کوڑے برساتے تھے۔ حضرت سمیہؓ کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے اور آپ کے منہ پر پتھر مارتے تھے۔ جس سے آپ کا چہرہ لہولہان ہو جاتا تھا۔ لیکن آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائی اور یہ زہرہ گداز مظالم آپ کو اسلام سے منحرف نہ کر سکے۔

حضرت سمیہ بنت خباطؓ

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک سمیہؓ تھا اور جلیل القدر صحابی حضرت عمارؓ ابن یاسر کی والدہ محترمہ تھیں۔ آپ کے والد کا نام خباط تھا[1]

(استیعاب صـ۷۵۹ جلد ۲)

نکاح:- حضرت سمیہؓ مکہ کے ایک شخص ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں اور انہی کے ایک حلیف یاسر بن عامر عبسی سے آپ کا نکاح ہوا۔ جب حضرت عمارؓ تولد ہوئے تو ابوحذیفہ نے آپ کو آزاد کر دیا۔

(استیعاب صفحہ ۷۵۹ جلد ۲)

شرف اسلام:- ابن اثیر اور حافظ ابن حجر نے روایت کی ہے کہ حضرت سمیہؓ بہت ضعیف اور کبیر السن تھیں اور اسی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ اسلام لانے والوں میں ساتویں خاتون تھیں اور آپ پہلی بیوی ہیں جو حق کی خاطر طرح طرح کی تکالیف کا نشانہ بنیں، اور نہایت صبر و ضبط کے ساتھ اللہ کی راہ میں شہید ہوئیں۔ (استیعاب ج ۲ صـ۷۵۹ و اسد الغابہ ج ۵ صـ۴۸۱)

صبر و استقلال:- جب آپ کے مسلمان ہونے کا علم ابوجہل کو ہوا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور اس نے حضرت سمیہؓ کے گھر کو آگ لگا دی، پھر آپ کو، آپ کے خاوند یاسر اور آپ کے بیٹے عمارؓ کو زنجیریں پہنا کر اور بازاروں میں گھسیٹتے ہوئے قید خانے میں لے گئے۔ دوسری صبح کو قید خانے سے باہر نکال کر بازاروں میں لائے۔ لوگ ان مظلوم اسیروں کو تیر چلانے کے لئے

---

[1] اس سے زیادہ آپ کے نسبی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

نیزوں کے کچو کے لگاتے تھے، ان کے جسموں سے خون بہتا تھا۔ اور ان پر چاروں طرف سے کوڑے برسائے جاتے تھے۔ مشرک حضرت سمیہؓ کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے تھے۔ اور بازاروں میں تماشائی آپ کے منہ پر پتھر مارتے تھے جس سے آپ کا چہرہ لہولہان ہو جاتا تھا۔

ابو جہل کے اشارے سے ایک جگہ ان بے کسوں کو زمین پر گرا دیا گیا اور ان کے پہلو اور سینے لوہے کی تپتی ہوئی سلاخوں سے داغ دیئے گئے۔ پھر ان کے سینوں پر بھاری پتھر رکھ دیئے گئے۔ اور گرد لوگ پانی کے مشکیزے بھر بھر کر ان کے چہروں پر ڈالتے تھے۔ غرضیکہ ان عاشقان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جبر و تشدد کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اور بے رحم و سنگدل مشرک ان کا حال زار دیکھ کر لطف اٹھاتے اور قہقہے لگاتے تھے۔ چنانچہ حارث بن ہشام نے اپنے بھائی عکرمہ بن ابو جہل سے کہا:۔

"تم نے سمیہ کو نہیں دیکھا۔ اس پر کوڑوں کی بارش ہو رہی تھی تو اس کا جسم کس طرح بل پر بل کھاتا تھا۔ مگر اس کے منہ سے ایک چیخ بھی نہیں نکلی اور نہ درد و کرب کا اظہار ہوا۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم اسے معمولی سی تکلیف بھی دیں گے تو وہ دہشت زدہ ہو جائے گی۔ مگر وہ تو زمین پر کمانی کی طرح گرتی تھی۔ اور پھر کھڑی ہو جاتی تھی۔ اور ہم اس کا مذاق اڑاتے تھے"۔

اسی طرح کفار و مشرکین نے جس قدر ممکن ہو سکا آپ کو تکلیفوں میں مبتلا کیا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے دین حق سے منہ نہ موڑا۔ اور رحمت

ایمان میں ذرہ برابر ضعف نہ پیدا ہونے دیا۔

دوسری طرف کفار کا دل بھی ابھی ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ اور وہ اپنی مکروہ کوشش میں ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ کر سکے تھے۔ اس لئے انہوں نے قسم قسم کے طریقے ان شیدائیان رسالت کو ستانے کے لئے وضع کئے۔ مگر ان سے بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

آخر کفار کے تمام ناپاک حربے جب ناکام ہو گئے۔ تو حضرت سمیہؓ کے لئے ایک نئی اذیت تلاش کی گئی، اور وہ یہ کہ آپ کو لوہے کی زرہ پہنا کر مکہ کی شعلے برسانے والی دھوپ میں انگاروں کی طرح جلتی ہوئی ریت پہ لٹا دیا جاتا۔ جب دھوپ کی زہرہ گداز حدت، ریت کی صبر آزما تپش اور زرہ کے لوہے کی ناقابل برداشت گرمی کے سہ گونہ مصائب حضرت سمیہؓ کو بیتاب کر دیتے تو کافر آپ سے مطالبہ کرتے کہ اسلام کا نام لینا چھوڑ دو اور اس سے منحرف ہو جاؤ۔ تو اس عذاب سے بچ سکتی ہو۔ لیکن اسلام اور جام توحید کا نشہ ایسا نہ تھا۔ جسے آلام و حوادث کی ترشی اُتار سکتی۔

مجھے روایت میں حضرت سمیہؓ کو ایک دو دن اس عذاب میں مبتلا نہیں رکھا گیا، بلکہ ہر روز آپ پر مظالم توڑے جاتے، اور کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اوراق تاریخ بڑے فخر سے گواہی دیتے ہیں۔ کہ اس جلیل القدر اور عظیم المرتبت خاتون نے نہایت صبر و ثبات اور استقلال و ثابت قدمی سے ان اذیتوں اور ان عذابوں کو برداشت کیا، اور کافروں کے مطالبہ کے جواب میں آپ کی زبان حق بیان سے جب بھی کچھ نکلا تو یہی نکلا۔

سا اللہ تعالیٰ ایک ہے، وحدہٗ لاشریک ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔"

ایک دن سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزرے تو حضرت سمیہؓ جلتی ہوئی ریت پر دردناک عذاب میں گرفتار تھیں۔ آپ نے حضورؐ کو دیکھا تو اپنے درد و کرب کی پرواہ کئے بغیر بلند آواز سے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے کہا:-

"میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کا وعدہ سچا ہے"

یہ سنکر حضرت سمیہؓ اور آپ کے خاوند اور بیٹے کو تکلیف میں دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا:-

"آل یاسر! صبر کرو!! اس کے عوض میں تمہارے لئے جنت ہے"

(اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۴۸۱)

اولین شہیدۂ اسلام:- آخر چند روز اسی طرح عذاب و اذیت میں مبتلا رکھنے کے باوجود مشرکین کا مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ اور اللہ کے یہ صابر و شاکر بندے اعلان توحید اور عشق اسلام سے باز نہ آئے۔ تو کفار نے مجبور و نادم ہو کر یاسرؓ اور عمارؓ کو تو کسی نہ کسی طرح چھوڑ دیا۔ مگر حضرت سمیہؓ بدستور گرفتار بلا رہیں، اور آپ پر اذیتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

آپ کا سارا دن تو کڑکتی دھوپ میں گزرتا۔ مگر شام کو ذرا سا آرام نصیب ہوتا۔ ایک روز آپ اس عذاب سے چھوٹ کر بڑی نڈھال حالت میں رات کو

گھر واپس آ رہی تھیں کہ رستہ میں آپ کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل ملا۔ اس ملعون نے حضرت سمیہؓ کو دیکھتے ہی گالیاں دینا شروع کر دیں، اور غضب وغصہ کے جوش میں اپنی برچھی حضرت سمیہؓ کی طرف پھینک کر ماری۔ وہ برچھی حضرت سمیہؓ کو ایسی لگی۔ کہ اس کے ساتھ ہی آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت سمیہؓ کی شہادت کا یہ افسوسناک واقعہ ہجرت نبویؐ سے قبل ہوا تھا۔ اس لئے آپ کو اسلام کی سب سے پہلی شہید ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت سمیہؓ کے بیٹے حضرت عمارؓ کو جب اپنی والدہ ماجدہ کی اس مرگ بے کسی کی خبر ہوئی، تو ان کے رنج والم کی انتہا نہ رہی، اور وہ غمگینی و افسردگی کی حالت میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ:۔

"یا نبی اللہؐ! اب تو کفار کے مظالم کی حد ہو گئی ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کو صبر کی تلقین کی۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ:۔

اللّٰھم لا تعذب احد من ال یاسر بالنار۔ (ترجمہ) یا اللہ! آل یاسر کو دوزخ سے بچا۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۶)

حضرت سمیہؓ کی شہادت کے بعد جب جنگ بدر میں ابوجہل واصل جہنم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے فرمایا:۔

قد قتل اللّٰہ قاتل امک۔ (ترجمہ) اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لیا (طبقات ج ۸ صفحہ ۱۹۲)

حضرت سمیہؓ کے جگر گوشہ حضرت عمارؓ کو وہ درجہ نصیب ہوا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو عمارؓ سے دشمنی رکھتا ہے۔ وہ مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔"

خدا تعالیٰ ان پاک نفوس پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ جنہوں نے اپنے مقدس خون سے حق کی راہ میں وہ سنگ میل قائم کئے جو قیامت تک مسلمان خواتین کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔

۲۰

حضرت ام معبدؓ بنت خالد

(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

۱- حضرت ام معبدؓ بنت خالد نہایت متواضع، خلیق اور بلند کردار خاتون تھیں۔ اور آنحضرت صلعم کی خدمت کرنا باعث فخر سمجھتی تھیں۔

۲- ہجرت کے موقع پر حضور صلعم نے آپ ہی کے یہاں قیام فرمایا تھا جس سے آپ کے جذبۂ مہمان نوازی اور حب اسلام کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

۳- رسول اللہ صلعم جب غار سے مدینہ میں تشریف لائے تو ایک آواز سنائی دی۔ مگر آواز دینے والا کسی کو بھی دکھائی نہ دیا۔ اس آواز میں کہا گیا تھا کہ "اللہ ان دونوں رفیقوں کو جزائے خیر دے۔ جو ام معبدؓ کے خیموں میں مقیم ہو گئے اور یہ بھی آواز سنائی دی کہ بنی کعب کی ایسی لڑکیاں مبارک ہوں۔ جن کا مکان مسلمانوں کی جائے پناہ ہے۔

حضرت اُم معبدؓ بنت خالد

(بکری والی)

نام ونسب:- آپ کا اسم گرامی عاتکہ اور کنیت ام معبدؓ ہے۔ آپ خنیس ابن خالد کی ہمشیرہ اور بنی خزاعہ کی چشم وچراغ تھیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب مندرجہ ذیل ہے:-

"ام معبد بنت خالد بن خلیف بن منقذ بن ربیعہ بن اصرم بن ضبیس بن حرام بن جیشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو۔"

(اصابہ جلد ۷ صہ ۶۶ و طبقات ج ۸ صہ ۲۱۱)

نکاح:- آپ کا نکاح تمیم بن عبد العزیٰ بن منقذ سے ہوا۔ جو آپ کے چچازاد بھائی ہوتے تھے۔

عام حالات:- یہ ام معبدؓ وہ ہیں۔ جن کے مکان واقع مقام قُدید میں حضور نے ہجرت کے موقع پر قیام فرمایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غار سے نکل کر قُدید میں تشریف لائے تو اسفل مکہ سے ایک آواز سنائی دی۔ جسے سب نے سنا، اور ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ تو آواز دینے والے کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آخر مرد، عورتیں اور بچے سب کے سب آواز دینے والے کی تلاش میں دور دور تک نکل گئے۔ مگر ناکام واپس آئے۔ اور انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ وہ آواز یہ تھی:-

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ رفیقین (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان دوستوں کو جزائے خیر دے

قال خیمتی ام معبد ھما نزلا بالبر وارتحلا بہٖ	ام معبد کے خیموں میں مقیم ہوئے۔ وہ نیکی سے ٹھہرے
فقد فاز من امسی رفیق محمد لیھن بنی	اور وہ اسی نیکی کے ساتھ گئے تو جو شخص محمد صلعم
کعب مقام فتاتھم ومقعدھا للمسلمین	کا رفیق ہوا کامیاب ہوا۔ بنی کعب کو ایسی لڑکیاں مبارک
بمرصد	ہوں جن کا مکان مسلمانوں کی جائے پناہ ہے۔

آنحضرت صلعم حضرت ام معبدؓ کے یہاں رونق افروز ہوئے تو آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کا غلام اور عبداللہ ابن اریقط بھی تھے۔ حضرت ام معبدؓ نے ایک بکری ذبح کرنے کی غرض سے خدمت اقدس میں پیش کی جو دودھ دیتی تھی۔ حضورؐ نے اس بکری کے تھنوں کو دست مبارک سے چھو کر فرمایا:۔ "اس بکری کو ذبح نہ کرو"

ام معبدؓ نے ایک اور بکری کو ذبح کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کو کھانا کھلایا اور ناشتہ بھی ساتھ کر دیا۔ حضرت ام معبدؓ کا بیان ہے:۔

"جس بکری کے تھن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے چھوئے تھے۔ وہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک میرے پاس رہی اور ہم اسے صبح و شام دوہا کرتے تھے۔ اور اس کا دودھ پیا کرتے تھے۔"

شرف اسلام:۔ محمد ابن عمر کی روایت کے مطابق حضرت ام معبدؓ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف یاب ہوئیں تو اسی لمحے میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن بعض کا قول ہے کہ آپ اس کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور بیعت کا شرف حاصل کیا (طبقات مطبوعہ یورپ جلد ۸ صفحہ ۲۱۲)

وفات:۔ حضرت ام معبدؓ کی وفات کے متعلق کتب تاریخ سے کچھ معلوم نہیں ہوا۔

لہ بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ وہ بکری دودھ نہیں دیتی تھی اور حضورؐ نے اس کے تھنوں کو چھوا تو دودھ دینے لگی

(۲۱)

حضرت شیماء السعدیہ بنت حارث

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت شیماء السعدیہؓ بڑی خدمت گزار، پاک طینت اور نیک سیرت خاتون تھیں۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو بے انتہا محبت تھی۔ اور اپنی والدہ سعدیہؓ کے ساتھ حضورؐ کو کھلایا کرتی تھیں۔

۳۔ آنحضرتؐ بہت چھوٹے تھے تو شیماءؓ آپ کو ان اشعار میں لوری دیا کرتی تھیں:۔

"یا اللہ! محمدؐ کو زندہ رکھ یہاں تک کہ ہم اُن کو جوان دیکھیں۔ پھر ہم اُن کو ایک معزز سردار دیکھیں۔ اس حال میں کہ ان سے حسد رکھنے والے دشمن سرنگوں ہوں۔ اے اللہ! اُن کو عزت دوام عطا کر۔"

حضرت شیماء السعدیہؓ

نام ونسب:۔ آپ کا اسم مبارک حذافہ اور عرف شیماء یا شمائےؓ ہے۔ آپ حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ کی چشم وچراغ تھیں۔ اور حضورؐ کی رضاعی بہن تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حلیمہ سعدیہ ہے (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۶۶۱)

قبول اسلام اور عام حالات آپ اپنی والدہ حضرت حلیمہؓ کے ساتھ آنحضرت صلعم کو کھلایا کرتی تھیں۔ اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتی تھیں لیکن حضورؐ ابھی سن شعور تک نہیں پہنچے تھے۔ کہ حضرت شیماء اپنے قبیلہ میں چلی گئیں۔ اسکے بعد جب اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع پذیر ہوا اور اس کے نور مقدس نے کفر وشرک تاریکیاں کو لپیٹ کرنا شروع کیا تو اس مروج اسلام کے زمانے میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت نے بنی ہوازن پر حملہ کر دیا۔ یہ قبیلہ وہی تھا جس کے ساتھ حضرت شیماء کا تعلق تھا۔ اور آپ بھی اس قبیلہ میں شامل تھیں۔ مسلمانوں کے حملہ کی وجہ سے قبیلہ بنی ہوازن کے اکثر و بیشتر لوگ بھاگ گئے اور فتوحات و مال غنیمت کے ذیل میں حضرت شیماء بھی مجاہدین کے ہاتھ آئیں۔ جب آپ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ تو حضرت شیماء نے کہا۔ " یارسول اللہؐ! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں "

اور اس کے ثبوت میں آپ نے ایک علامت بھی بتائی جسے ملاحظہ فرما کر حضور آبدیدہ ہو گئے اور اپنی ردائے مبارک بچھا کر آپ کو عزت واطمینان سے بٹھایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

" اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت عزت و تکریم اور سکون و آرام سے

ملہ نام کی بہ نسبت آپ کی عرفیت زیادہ مشہور ہے۔

زندگی کے دن گزارو اور اگر اپنے قبیلے میں جانے کی تمنا ہو تو میں تم کو وہاں بھیج دیا ہوں۔
حضرت شیماؓ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور پھر عرض کیا کہ :-
"میں اپنے قبیلہ میں جانا چاہتی ہوں "
حضورؐ نے آپ کو تین غلام، ایک لونڈی، کچھ روپیہ اور ایک بکری ساتھ دے کر رخصت کیا۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۶۲)
محمد بن معلی نے اپنی کتاب ترقیص میں لکھا ہے کہ :-
حضور بہت چھوٹی عمر کے تھے تو شیماؓ آپ کو کھلایا کرتی تھی اور یہ اشعار گا کر لوری دیا کرتی تھی

یا ربنا ابق لنا محمداً	حتی اراہ یافعاً و امردا
اے اللہ! محمدؐ کو زندہ رکھ	یہاں تک کہ ہم اُن کو جوان دیکھیں
ثم اراہ سید امسودا	واکبت اعادیہ معاً والحسد

پھر ہم اُن کو ایک معزز سردار دیکھیں اس حال میں کہ اُن سے حسد رکھنے والے دشمن سرنگوں ہوں گے

واعطہ عزاً یدوم ابدا
"اے اللہ! اُن کو عزت دوام عطا کر"

حضرت شیماؓ کی یہ دعا چونکہ سچے خلوص و محبت کا نتیجہ تھی اور آپ کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔ اس لئے وہ بارگاہ ایزدی میں حرف بحرف قبول ہوئی۔ اور حضورؐ کو سیادت و عظمت کا وہ لاثانی مقام حاصل ہوا۔ جس کی حضرت شیماؓ نے آرزو کی تھی۔
وفات: حضرت شیماؓ کے دیگر حالات اور تاریخ وفات پردۂ خفا میں ہیں اور کسی کتاب

۲۲

حضرت زینبؓ بنت ابو معاویہ

(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

۱۔ حضرت زینبؓ بنت ابو معاویہ کے شوہر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت تنگ دست اور بے معاش تھے۔ لیکن آپ چونکہ دستکار تھیں۔ اس لیے دستکاری کر کے شوہر کی اور اولاد کی کفالت کرتی تھیں۔

۲۔ چونکہ آپ صدقہ کا ثواب سن چکی تھیں۔ اس لئے اس کا حد سے زیادہ خیال رکھتی تھیں۔

۳۔ حضورؐ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کو دو ثواب ملیں گے۔ ایک صدقہ کا اور دوسرا قرابت کا!

۴۔ آپ اپنے ہاتھ سے جو کسب کرتی تھیں۔ اسی کی آمدنی سے محتاج شوہر اور سارے گھر کی گزر اوقات ہوتی تھی۔

حضرت زینبؓ بنت ابو معاویہ

نام و نسب:۔ آپ کا اسم مبارک زینب اور لقب رائطہ تھا۔ اور خاندان ثقیف کی چشم و چراغ تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:۔
زینبؓ بنت عبداللہ ابو معاویہ بن معاویہ بن عتاب بن اسعد بن حطیطہ بن جشم بن ثقیف۔

نکاح:۔ آپ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہوا۔

عام حالات:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا ذریعہ معاش چونکہ کوئی نہ تھا۔ اور نہ روزگار کا کوئی وسیلہ رکھتے تھے۔ اس لئے آپ بڑے تنگ دست اور نادار تھے۔ اور ان کے پاس گزر اوقات کی کوئی سبیل نہ تھی۔ لیکن حضرت زینبؓ چونکہ دستکار تھیں۔ اور ہاتھ سے کام کرنا جانتی تھیں اس لئے شوہر کے اور اولاد کے گزارے کی آپ ہی کفیل رہتی تھیں۔ اور ہاتھ سے کام کرنا جانتی تھیں۔ اس لئے شوہر کے اور اولاد کے گزارے کی آپ ہی کفیل رہتی تھیں۔ اور ہاتھ سے کسب کر کے گھر کا گزارہ چلاتی تھیں۔ آپ کو یہ معلوم ہو چکا تھا۔ کہ صدقہ دینا بڑے بھاری ثواب کا باعث ہے۔ چنانچہ اس کا خاص طور سے دل میں بہت خیال رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا:۔
میں جو کچھ کماتی ہوں تمہیں اور تمہارے بچوں کو کھلا دیتی ہوں۔ مگر

صدقہ و خیرات کے اجر سے بالکل محروم رہتی ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اس میں میرا کیا فائدہ ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ سن کر جواب دیا:۔

"تم اپنا فائدہ مد نظر رکھو۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارا نقصان ہو"

اس کے بعد حضرت زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض کیا کہ:۔

"میں دستکاری کرنا جانتی ہوں اور اس کسب سے جو کچھ مجھے حاصل ہوتا ہے۔ وہ میرے شوہر اور اولاد کے گزارے پر صرف ہو جاتا ہے۔ چونکہ میرا شوہر کوئی ذریعۂ معاش نہیں رکھتا۔ اور گھر کے اخراجات کی مجھے ہی کفالت کرنا پڑتی ہے۔ اس لئے میں محتاجوں کو صدقہ و خیرات دینے کے قابل نہیں ہوں۔ کیا ایسی حالت میں مجھے کچھ ثواب حاصل ہو سکتا ہے؟"

"ہاں تم گھر والوں کی خبر رکھنی چاہیئے۔"

(صحیح مسلم باب الصدقہ)

صحیحین اور دیگر احادیث میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک اور روایت آئی ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

تصدقن یا معشر النساء (ترجمہ) اے بیبیو! صدقہ کرو۔ ولو من حلیکن۔ خواہ اپنے زیور ہی سے ہو۔

یہ سنکر حضرت زینبؓ حضور نبی اکرمؐ کے پاس پہنچیں تو دروازے

یہ انصار کی ایک عورت کھڑی تھی - اور اس کا نام بھی زینب ہی تھا - اس کے علاوہ وہ بھی اسی ضرورت سے آئی تھی - جس سے حضرت زینبؓ گئی تھیں - لیکن وہ رعب کی وجہ سے اندر نہیں جاتی تھی - اتنے میں حضرت بلالؓ آئے - تو دونوں نے کہا کہ آپ جا کر رسول کریمؐ سے یہ کہئے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور آپ سے پوچھتی ہیں - کہ اپنے شوہر اور خاندان کے یتیموں کو صدقہ دینے سے ثواب ملتا ہے یا نہیں ؟

حضرت بلالؓ نے اندر جا کر حضورؐ سے دریافت کیا - تو آپؐ نے فرمایا وہ دونوں عورتیں کون ہیں ؟

حضرت بلالؓ نے جواب دیا کہ ایک انصار کی عورت ہے - اور دوسری زینبؓ -

حضورؐ نے پوچھا کہ کون سی زینب ؟

حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ عبداللہ بن مسعود کی بیوی -

حضورؐ نے ارشاد فرمایا :-

لهما اجران اجر الصدقة و اجر القرابة

(ترجمہ) ان کو دو ثواب ملیں گے - صدقہ اور قرابت کا -

(اسدالغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۷۰)

اوصاف و فضائل :- حضرت زینبؓ کو حضور کی جناب میں خاص تقرب حاصل تھا - آپ سے چند احادیث مروی ہیں اور

جن حضرات نے آپ کے سلسلہ سے روایت کی ہے ان میں ابو عبیدہ، عمر بن حارث، بسر بن سعید اور عبید بن سباق وغیرہم قابل ذکر ہیں۔
(اصابہ جلد ۲ صفحہ ۶۱۲)

اولاد:- حضرت ابو عبیدہؓ ابن عبداللہ بن مسعود جو مشہور محدث تھے آپ کے لخت جگر تھے۔

(۲۳)
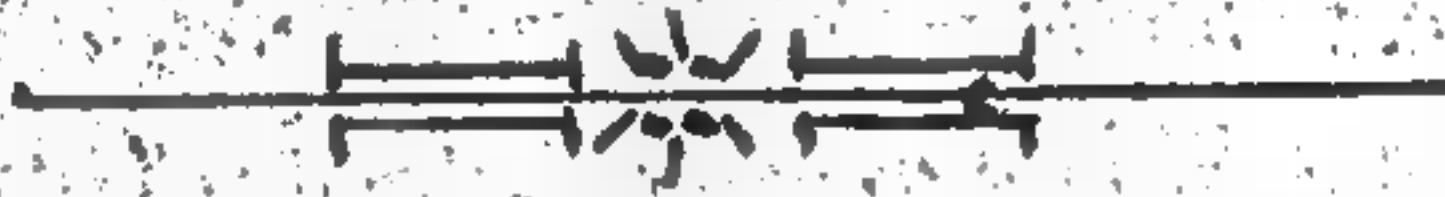
حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت ام ورقہؓ بنت عبداللہ اسلام کی سچی عاشق اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شیدائی تھیں۔
۲۔ آپ اسلام کے عروج وعظمت کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے بڑے ذوق شوق سے آمادہ و کمربستہ رہتی تھیں۔
۳۔ جنگ بدر کی جب تیاری ہوئی تو آپ نے حضورؐ سے درخواست کی کہ مجھے بھی شرکت کی اجازت دے دیجئے۔ مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی خدمت کروں گی۔ ممکن ہے خدا شہادت نصیب کرے۔ حضورؐ نے فرمایا، "تم گھر میں رہو۔ خدا تم کو یہیں شہادت عنایت کرے گا۔" چنانچہ آپ گھر ہی میں شہید کردی گئیں۔

حضرت اُم ورقہ بنت عبداللہؓ

نام ونسب:۔ آپ کے نام کے متعلق کتب تاریخ سے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اور نہ کہیں اس کا ذکر آیا ہے البتہ آپ کی کنیت ام ورقہ تھی۔ اور اسی سے آپ مشہور تھیں۔ آپ انصار کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ابن اثیر اور علامہ ابن عبداللہ نے آپ کے سلسلہ نسب میں بڑا اختلاف بتایا ہے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے کوئی نسب بھی نہیں لکھا البتہ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں آپ کا حسب ذیل نسب تحریر کیا ہے:۔

"ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویمر بن نوفل"

حافظ ابن حجر نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ ام ورقہ اپنے جد اعلیٰ کے نام سے منسوب تھیں۔ اور ام ورقہؓ بن نوفل کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔

(اصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۸۰)

شرف اسلام:۔ اکثر و بیشتر مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت ام ورقہؓ غالباً ہجرت کے بعد اسلام سے مشرف ہوئیں۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ (طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۲۵)

خواتین کی امامت کا منصب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ بدر پر جانے کے لئے تیار ہوئے۔ تو حضرت ام ورقہؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ:۔

"یا نبی اللہ! مجھے بھی جنگ میں شامل ہونے کی اجازت فرما دیجئے۔ میں

وہاں بیماروں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی خدمات انجام دوں گی۔"

آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

"تم گھر میں رہو۔ خدا تم کو اسی جگہ شہادت کا درجہ عطا کرے گا۔"

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۸۰۶)

حضرت ام ورقہؓ چونکہ قرآن مجید پڑھی ہوئی تھیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آپ کے گھر کی عورتوں کا امام بنا دیا تھا۔ اسی کے ساتھ حضورؐ کی اجازت سے ایک مؤذن بھی مقرر تھا۔ جو اذان دیتا تھا۔ اور آپ امامت کے فرائض ادا کرتی تھیں۔

آپ نے اپنے ایک غلام اور ایک لونڈی سے وعدہ کیا کہ "میرے بعد تم آزاد ہو۔"

واقعہ شہادت:۔ اس لونڈی اور اس غلام نے آپ کے وعدہ سے قبل از وقت فائدہ اٹھانے کی نیت کر لی اور دونوں بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے۔ چنانچہ ایک رات انہوں نے حضرت ام ورقہؓ پر چادر ڈال کر آپ کو شہید کر دیا اور بھاگ گئے۔ دوسری صبح کو حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں سے ذکر فرمایا کہ:۔

"آج خالہ ام ورقہؓ کے قرآن پڑھنے کی آواز سنائی نہیں دی!"

اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ حضرت ام ورقہؓ کے گھر تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ام ورقہؓ ایک گوشہ میں چادر میں لپٹی ہوئی

پڑی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اظہار افسوس کیا اور فرمایا:۔
"خدا اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا۔"

پھر حضرت عمر فاروقؓ مسجد میں آئے۔ اور منبر پر چڑھ کر حضرت ام ورقہؓ کی شہادت کی افسوسناک خبر بیان کی۔ اس کے علاوہ آپ نے حکم دیا۔ کہ اس غلام اور لونڈی کو فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ دونوں گرفتار ہو کر آئے۔ اور حضرت عمرؓ کے حکم سے دونوں کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔
(اصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۸۱)

یہ دونوں پہلے مسلمان تھے جن کو قتل کے جرم پر مدینہ منورہ میں سولی پر چڑھایا گیا۔ (طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۳۵ و استیعاب وغیرہ)

آنحضرت صلعم حضرت ام ورقہؓ کو دیکھنے آپ کے گھر تشریف لایا کرتے اور آپ کو "شہیدہ" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے آپ کی شہادت کے بعد فرمایا کہ "رسول اللہ صلعم سچ فرمایا کرتے تھے کہ آؤ شہیدہ کے گھر چلیں۔" (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۶۲۶)
ابن سعد کا بیان ہے کہ:۔

"ام ورقہؓ نے رسول اللہ صلعم سے حدیث بھی روایت کی ہے" مگر دوسری کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ (طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۳۵)

۲۴
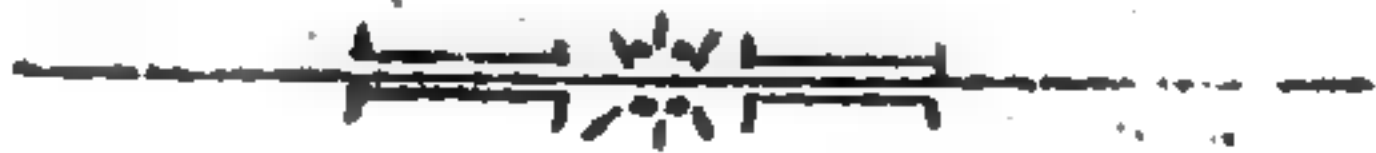
حضرت اُمِّ عطیہ بنتِ حارث

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

۱۔ حضرت ام عطیہؓ بنت حارث خود بھی سختی کے ساتھ نوحے اور بین کرنے سے احتراز فرماتی تھیں۔ اور دوسری عورتوں کو بھی سختی سے روک دیتی تھیں۔

۲۔ آپ کو خبر ملی کہ آپ کا لڑکا بصرہ میں بیمار ہے۔ آپ فوراً بصرہ پہنچیں۔ مگر لڑکا آپ کے آنے سے دو دن پہلے فوت ہو چکا تھا۔ تیسرے دن آپ نے خوشبو منگوا کر لگائی اور فرمایا کہ شوہر کے علاوہ کسی کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ منانا درست نہیں۔

۳۔ حضرت ام عطیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں۔ جہاں آپ مجاہدین کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی تھیں ان کے لئے کھانا تیار کرتی تھیں، اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔

حضرت ام عطیہ رضؓ بنت حارث

نام و نسب:۔ آپ کا اسم گرامی نسیبہ اور کنیت ام عطیہ تھی۔ آپ کا نسبی تعلق انصار کے ایک قبیلہ سے تھا۔ اور آپ کے والد ماجد کا نام حارث تھا[لہ]۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۲۳)

شرف اسلام:۔ آپ نے ہجرت سے پہلے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔

بیعت کے شرائط:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو انصار کی عورتوں کو بیعت کی غرض سے ایک مکان میں جمع کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دروازہ پہ یہ ہدایت فرما کر بھیجا۔ کہ مندرجہ ذیل چار شرائط پر خواتین سے بیعت لیجئے:۔

۱۔ شرک نہ کریں گی، ۲۔ چوری اور زنا سے بچیں گی، ۳۔ اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ ۴۔ اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی۔

جب عورتوں نے ان شرائط کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ تو حضرت عمر رضؓ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے۔ یہ گویا بیعت کی علامت تھی۔ اس کے بعد حضرت ام عطیہ رضؓ نے عرض کیا کہ:۔

"اچھی باتوں سے انکار کرنے سے کیا مراد ہے؟"

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ "نوحہ اور بین نہ کرنا۔"

عام حالات:۔ حضرت ام عطیہ رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں۔ جن میں آپ نے مجاہدین کے

لہ آپ کے سلسلۂ نسب کی اس سے زیادہ تحقیق نہیں ہو سکی۔

سامان و اسباب کی نگہداشت کرنے، ان کے لئے کھانا پکانے، مریضوں کی تیمار داری کرنے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی گرانقدر خدمات انجام دیں۔
(طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۳۴)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ جب فوت ہوئیں۔ تو حضرت ام عطیہؓ نے چند عورتوں کے ساتھ ان کو غسل دیا۔ اور حضورؐ نے حضرت ام عطیہؓ کو غسل دینے کا طریقہ بتایا (صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۶۸)

حضورؐ کے انتقال کے بعد خلافت راشدہ کے زمانے میں حضرت ام عطیہؓ کا ایک لڑکا بیمار ہو کر بصرہ میں رہ گیا۔ وہ کسی جنگ میں شریک ہو کر ملک سے باہر گیا تھا۔ اور واپسی پر بیمار ہو گیا۔ حضرت ام عطیہؓ کو اس کی خبر ہوئی۔ تو آپ فوراً مدینہ منورہ سے بصرہ تشریف لے گئیں۔ تاکہ لڑکے کی دیکھ بھال کریں۔ لیکن آپ کے وہاں پہنچنے سے دو روز پہلے وہ فوت ہو چکا تھا۔ حضرت ام عطیہؓ بصرہ پہنچ کر بنو خلف کے قصر میں سکونت پذیر ہوئیں۔ اور تیسرے دن آپ نے خوشبو منگوا کر لگائی اور فرمایا "شوہر کے علاوہ کسی کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ منانا درست نہیں" اس کے بعد آپ نے بصرہ ہی میں مستقل رہائش اختیار کی۔ اور یہاں سے باہر کہیں نہ گئیں۔

اوصاف و فضائل:- حضرت ام عطیہؓ حضورؐ کے احکام کی تعمیل میں پیش پیش رہیں اور نوحہ اور بین سے آپ نے ہمیشہ احتراز کیا۔ بیعت کے وقت جب حضورؐ نے نوحہ اور بین کی ممانعت فرمائی [illegible]

نے عرض کیا کہ :-

"یا رسولؐ! فلاں خاندان کی عورتیں میرے ہاں آکر نوحہ اور بین کر چکی ہیں۔ مجھے بھی ان کے ہاں جا کر یہ بھاجی آتا رنا ضروری ہے آپ اس خاندان کو مستثنیٰ قرار دے دیجئے۔

حضورؐ نے آپ کی یہ درخواست منظور فرمائی (مسند جلد ۶ صفحہ ۴۰۷)

جس طرح حضرت ام عطیہؓ آنحضرت صلعم سے محبت کرتی تھیں اسی طرح حضورؐ بھی آپ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔- ایک دفعہ حضورؐ نے حضرت ام عطیہؓ کو صدقے کی ایک بکری بھیجی۔ آپ نے اس کا گوشت حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی دیا۔ جب حضورؐ گھر تشریف لائے۔ اور کھانے کی فرمائش کی۔ تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا، اور تو کچھ نہیں ہے البتہ آپ نے ام عطیہؓ کے پاس جو بکری بھیجی تھی۔ اس کا گوشت رکھا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا " لاؤ! کیونکہ وہ مستحق کے پاس پہنچ چکی ہے "

حضرت ام عطیہؓ کے تعلقات حضورؐ صلعم کے اعزہ کے ساتھ بھی خاص تھے۔ چنانچہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علیؓ حضرت ام عطیہؓ کے مکان میں کھانے کے بعد آرام فرمایا کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۳۳۴)

استیعاب میں مذکور ہے کہ :-

کانت من کبار نساء الصحابۃؓ یعنی صحابیات میں وہ بڑا بلند درجہ

رکھتی تھیں ۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۸۰۰)

آپ سے کئی احادیث مروی ہیں ۔ جو حضرت انس رض، محمد معروف بہ ابن سیرین، حفصہ ابن سیرین، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن عطیہ رض، عبد الملک بن عمیر وغیرہم نے روایت کی ہیں ۔ آپ کی غسلِ میت کی حدیث خصوصیت سے مقبول ہے ۔ اکابر صحابہ اور تابعین علمائے بصرہ اس بارے میں آپ سے سند لیتے ہیں ۔
(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۸۰۰)

۲۵
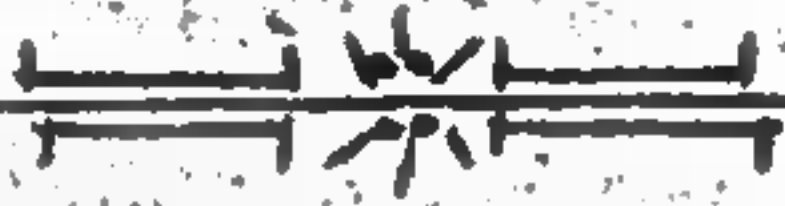
حضرت شفاء بنتِ عبداللہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ نہایت پرہیزگار، عبادت گزار اور نیک نفس خاتون تھیں اور حضورؐ سے بے حد محبت و عقیدت رکھتی تھیں۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی رائے کو مقدم رکھتے تھے، آپ کی بزرگی کے قائل تھے۔ اور بازار کا اہتمام آپ کے سپرد کرتے تھے۔

۳۔ آپ کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر آتا تھا۔ اور لکھنا بھی جانتی تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ دونوں فن بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا کہ چیونٹی کا منتر بھی حفصہؓ کو سکھا دو جس طرح تم نے اس کو لکھنا سکھا دیا۔

حضرت شفاءؓ بنت عبداللہؓ

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک شفاءؓ ہے اور آپ قبیلۂ قریش کے خاندان عدی کی چشم وچراغ تھیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمرؓ کے خاندان سے جا ملتا ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے:-

"شفاءؓ بنت عبداللہ بن عبد شمس بن خلف بن صداد بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب۔" (اصابہ جلد ۲ صـ ۶۵۶)

آپ کی والدۂ ماجدہ فاطمہ بنت ابی وہب بن عمرو ابن عائذ بن عمر بن مخزوم تھیں۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صـ ۴۸۶)

نکاح:- آپ کا نکاح ابوحثمہ بن حذیفہ عدوی سے ہوا تھا۔ (طبقات جلد ۸ صـ ۱۹۶)

شرف اسلام:- آپ ہجرت سے پیشتر مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ اور جو مسلمان عورتیں ہجرت کرنے والے سب سے پہلے قافلہ میں شریک ہوئیں ان میں آپ بھی شامل تھیں۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۶۵۶)

حضورؐ سے عقیدت:- حضرت شفاءؓ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دلی محبت اور گہری عقیدت اور ایسے انتہا خلوص رکھتی تھیں۔ اس لئے حضورؐ بھی آپ کی محبت وعقیدت کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ کبھی آپؐ حضرت شفاءؓ کے گھر تشریف لاتے۔ تو وہاں آرام بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شفاءؓ نے حضورؐ کے لئے

ایک بچھونا اور ایک تہمد مخصوص کر رکھا تھا جسے اور کوئی استعمال میں نہیں لاتا تھا جب آنحضرت صلعم تشریف لاتے تو آپ ہی ان کو استعمال فرماتے تھے۔

یہ دونوں چیزیں یعنی بچھونا اور تہمد حضرت شفاءؓ کے بعد آپ کی اولاد کے پاس بھی تبرکات نبویؐ کی صورت میں بڑی احتیاط کے ساتھ محفوظ رہیں۔ لیکن پھر مروان نے سب چیزوں پہ قبضہ کر لیا اور حضرت شفاءؓ کے خاندان سے ان تبرکات کی برکت اس طرف منتقل ہو گئی۔ (استیعاب جلد ۲ صلاک)

اوصاف و فضائل حضورؐ نے حضرت شفاءؓ کو ایک مکان عنایت فرمایا تھا۔ جس میں حضرت شفاءؓ اور آپ کا بیٹا سلیمان سکونت رکھتے تھے۔

حضرت عمرؓ حضرت شفاءؓ کی خاص طور پہ عزت و تکریم اور قدر و منزلت ملحوظ رکھتے تھے، آپ کی رائے کو دوسروں پر مقدم خیال فرماتے تھے۔ اور آپ کی بزرگی کے قائل تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے آپ کو بلا کر ایک چادر عنایت کی اور ایک اور چادر جو اس چادر سے نسبتاً بہتر تھی۔ حضرت عاتکہؓ بنت اسید کو دی۔ اس پر حضرت شفاءؓ نے ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ:۔

تم نے عاتکہ کو مجھ سے بہتر چادر دی۔ حالانکہ میں ان سے پہلے مسلمان ہوئی اور تمہارے چچا کی بیٹی ہوں۔ اس کے علاوہ

میں تو تمہاری بلائی ہوئی آئی ہوں اور یہ خود چلی آئی ہیں۔"
حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔
"میں تمہیں عمدہ چادر دیتا۔ لیکن یہ جب تشریف لائیں۔ تو مجھے خصوصیت سے ان کی رعایت کرنی پڑی۔ کیونکہ یہ نسب میں حضورؐ سے قریب تر ہیں۔"
(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۰۷ حالات فاکہ بنت اسید)
حضرت شفاءؓ کو چیونٹی کاٹے کے منتر میں خوب مہارت تھی۔ اور لکھنے پڑھنے سے بھی واقف تھیں۔ ایک دفعہ آپ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:۔
"یا رسول اللہ! میں زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتی تھی۔ اجازت ہو تو اس کا منتر عرض کروں۔"
حضورؐ نے اجازت دے دی اور فرمایا:۔
اس منتر سے جھاڑ پھونک کیا کرو اور حفصہؓ کو بھی سکھا دو۔
(اصابہ جلد ۲ ص ۶۵۶)
ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت شفاءؓ سے فرمایا:۔ "علمی حفصۃ رقیۃ النملۃ کما علمتیھا الکتابۃ" یعنی چیونٹی کاٹنے کا منتر حفصہؓ کو سکھا دو۔ جیسے تم نے لکھنا سکھا دیا۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے لکھنا حضرت شفاءؓ سے سیکھا تھا۔ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۶۵۶۔

حضرت شفاءؓ نے آنحضرت صلعم اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ سے چند
احادیث بھی روایت کی ہیں۔ جن کی تعداد ۱۲ ہے اور ان کے راوی حضرت
شفاءؓ کے بیٹے سلیمان، ابو سلمہ اور آپ کے دو پوتے ابو بکر اور عثمان
ابو اسحاق اور ام المومنین حضرت حفصہؓ ہیں

اولاد:- آپ کی اولاد میں سے حضرت سلیمان اور ایک لڑکی تھی۔ جو
شرجیل بن حسنہ کے عقد میں تھی (۱۲ اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۸۷)

وفات:- آپ کے سن وفات کا تاریخوں سے پتہ نہیں چلتا۔

۲۶
حضرت فاطمہ بنت خطاب
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کے فضائل کے متعلق درمنثور میں لکھا ہے کہ وہ ''ادیب، فاضل، عاقل، نیک، شر کو کروہ رکھنے والی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔''

۲۔ آپ ہی کے عزم و استقلال، ثابت قدمی اور قوت ایمانی کا نتیجہ تھا۔ جس نے مسلمانوں کو حضرت عمرؓ جیسا گوہر بے بہا دیا۔

۳۔ آپ کے بھائی حضرت عمرؓ آپ کو پیٹ پیٹ کر تھک جاتے تھے۔ تو ذرا دیر رک کر پھر پیٹنا شروع کر دیتے تھے۔ لیکن آپ کے منہ سے ہر لمحہ یہی نکلتا تھا۔ کہ:۔

عمرؓ! میں تو اسلام لا چکی ہوں۔ اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے راہِ حق سے ہٹا نہیں سکتی۔ تم جو چاہو کر کے دیکھ لو۔''

حضرت فاطمہ بنت خطاب

نام ونسب:۔ آپ کا اسم مبارک فاطمہ رضؓ اور کنیت ام جمیل تھی۔ آپ کا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے:۔

فاطمہ بنت خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط ابن زراح بن عدی بن کعب آپ فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔ (طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۹۵)

نکاح۔ آپ کا نکاح حضرت سعید بن زید سے ہوا۔

(طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۹۵ واستیعاب وغیرہ)

شرف اسلام: حضرت فاطمہ رضؓ نے اپنے شوہر حضرت سعید بن زیدؓ کے ساتھ قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ اور آپ کا شمار ان دس قابل تعظیم مسلمانوں میں ہوتا ہے جو سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

تاریخ اسلام میں حضرت فاطمہ رضؓ بنت خطاب کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کے صبر واستقلال، آپ کی قوت ایمانی اور آپ کی تبلیغ و ترکیب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسے جلیل القدر صحابی عظیم المرتبت خلیفۃ المسلمین اور اسلام کے بطل جلیل کو دائرہ اسلام میں آنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ اور آپ کی پر تاثیر قرأت نے حضرت عمرؓ جیسے تلخ مزاج، سخت طبیعت اور بارعب انسان کا دل موم کرکے اُسے

دینِ فطرت کے مقدس نور سے جگمگا دیا گویا حضرت فاطمہؓ ہی کے عزم و استقامت ثابت قدمی اور جذبۂ حق پرستی کا نتیجہ تھا۔ جس نے مسلمانوں کو حضرت عمر فاروقؓ جیسا گوہر بے بہا دیا اور آپ کے اسلام لانے کی یہ بھی ایک بڑی خصوصیت ہے کہ آپ اپنے بھائی حضرت عمرؓ کے بھی اسلام کا باعث ہوئیں۔ (در منثور صلّٰی ۲۶)

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے مسلمان ہونے کی بابت بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"میں حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے تیسرے روز بعد گھر سے نکلا تو رستہ میں ایک مخزومی صحابی سے میرا تصادم ہوا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔

حضرت عمرؓ۔ تم نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے محمدؐ کا دین اختیار کر لیا ہے؟

مخزومی صحابی۔ ہاں!

مگر یہ تو تمہارے ایک ایسے قریبی رشتہ دار نے بھی کیا ہے۔ جس کا میرے مقابلہ میں تم پر بہت زیادہ حق ہے۔

حضرت عمرؓ:۔ وہ کون ہے؟

مخزومی صحابی:۔ تمہاری بہن اور تمہارا بہنوئی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

"میں اس سے زیادہ تاب گفتگو نہ لا سکا[۱] اور سیدھا اپنی ہمشیرہ

---

[۱] حضرت عمرؓ بہت غصیلے اور تند مزاج انسان تھے۔ اور عرب کے پہلوانوں میں سب سے زیادہ مشہور تھے

فاطمہؓ کے گھر پہنچا دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور قرآن مجید کی اثر آفرین آواز آ رہی ہے۔ میں نے غصّہ میں دروازہ کھٹکھٹایا اور جب دروازہ کھولا گیا۔ تو میں نے دریافت کیا کہ یہ آواز کیا تھی؟ میری ہمشیرہ نے جواب دیا کہ "کچھ نہیں۔"

یہ جواب سنکر مجھے اور بھی طیش آیا۔ حتیٰ کہ میں اپنے بہنوئی سعید بن زیدؓ سے لپٹ گیا۔ ہمشیرہ فاطمہ بیچ بچاؤ کرنے لگیں تو میں نے ان کے بھی بال پکڑ کر انہیں گھسیٹا اور اتنا زدوکوب کیا کہ وہ لہولہان ہو گئیں۔ مگر ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی اور اسی حالت میں میری ہمشیرہ نے کہا:۔ عمر! میں تو اسلام لا چکی۔ اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے راہِ حق سے ہٹا نہیں سکتی۔ تم جو چاہو کر کے دیکھ لو! میں اب تمہاری مخالفت سے اسلام نہیں چھوڑ سکتی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں:۔

"مجھ پر اس جواب کا بڑا اثر ہوا۔ میری آنکھیں ندامت سے جھک گئیں اور دل میں ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ ہمشیرہ کے جسم سے خون نکلتے دیکھا تو مجھ پر اور بھی رقت طاری ہو گئی اور میں نے اپنی ہمشیرہ سے پھر پوچھا:۔

بہن! تم لوگ جو کچھ پڑھ رہے تھے وہ مجھے بھی سناؤ!

میری ہمشیرہؓ نے قرآن مجید لا کر سامنے رکھ دیا۔ میں نے باوضو

ہو کر اسے پڑھنا شروع کیا تو میرا بدن رعب و جلال کی وجہ سے کانپنے لگا۔ اور جب میں ایک آیت پر پہنچا تو میں بے ساختہ پکار اٹھا :۔

"اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد الرسول اللہ"

(اصابہ جلد ۲ صفحہ ۷۳۴، در منثور صفحہ ۳۶، اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۵۴ ذکر حضرت عمرؓ)

تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کے متعلق بعض اختلافی روایات بھی ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر اس بات پر تو تمام ارباب تواریخ و سیر کا کلی اتفاق ہے۔ کہ کفار مکہ نے ایک جگہ اکٹھے ہو کر میٹنگ کی کہ جس میں اسلام کے آغاز دادعا پر تشویش کا اظہار کرنے کے بعد سب نے متفقہ طور سے فیصلہ کیا کہ داعئ اسلام سرور کون و مکان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (العیاذ باللہ) قتل کر دیا جائے۔ یہ فیصلہ تو ہو گیا۔ مگر اس ناپاک جسارت کی ذمہ داری لینے پر کوئی تیار نہیں ہوتا تھا دشمن اسلام ابوجہل نے سب سے باری باری پوچھا۔ مگر کسی بہادر سے بہادر مشرک کو بھی یہ ذمہ اٹھانے کی ہمت نہ پڑی کہ میں رحمت عالم کو قتل کروں گا۔ جب کوئی ملحد مجلس کفار کے فیصلہ کو جامۂ عمل پہنانے پر آمادہ نہ ہوا تو ابوجہل نے غیرت سوز الفاظ میں سب کو ملامت کی جس پر حضرت عمرؓ کی رگ شجاعت پھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے بلند آواز سے اعلان کیا۔ کہ (معاذ اللہ واستغفر اللہ) میں محمد کو قتل کر دیتا ہوں۔ یہ اعلان سن کر

کفار کے ابوجہل جیسے بڑے بڑے سرداروں نے حضرت عمرؓ کو طرح طرح کی باتیں کر کے اور بھی مشتعل کر دیا اور حضرت عمرؓ اپنی تلوار پکڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سرِ اقدس قلم کرنے کے لئے چل دیئے۔ اس حد تک اتفاق آراء رکھنے کے بعد مؤرخین میں اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ جب ننگی تلوار لے کر کاشانہ نبوی کی طرف روانہ ہوئے تو رستہ میں انہیں ایک مخزومی صحابیؓ ملے ... جنہوں نے حضرت عمرؓ سے اُن کی ہمشیرہ حضرت فاطمہؓ کے مسلمان ہونے کا طنزیہ طور پر ذکر کیا۔ مگر بعض سیرت نگاروں نے حضرت عمرؓ کو رستہ میں ملنے والے صحابی کا نام حضرت نعیمؓ ابن عبداللہ تحریر کیا ہے معلوم نہیں صحت واقعہ ان میں کسے کونسی روایت کے ساتھ ہے؟ اسی طرح آگے چل کر بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے جب قرآن مجید لا کر حضرت عمرؓ کے سامنے رکھا تو انہوں نے پڑھنا شروع کر دیا لیکن بعض حضرات کی روایت ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو قرآن کریم سنانے کے لئے کہا۔ اور حضرت فاطمہؓ نے قرآت شروع کی۔ اگرچہ یہ اختلافات محض واقعاتی ہیں جن سے نفس واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تاہم تدوینِ واقعات کی فردگذاشت ضرور واضح ہوتی ہے۔ جو ہونا نہیں چاہئے۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ حضرت عمرؓ کو سرِ راہ ایک صحابی سے اپنی ہمشیرہ کے قبولِ اسلام کی خبر ہوئی اور کلام اللہ کی آیات نے ان پر یہ اثر کیا کہ حضرت عمرؓ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:۔

"فاطمہ تو سچ کہتی ہے خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔"

اسی حالت میں حضرت عمرؓ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

ہجرت:۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے شوہر حضرت سعید بن زیدؓ کے ساتھ ہجرت کی۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۵۳ ذکر حضرت سعیدؓ)

اوصاف و فضائل:۔ در منثور میں لکھا ہے:۔

کانت ادیبۃ فاضلۃ عاقلۃ محبۃ للخیر کارھۃ للشر آمرۃ بالمعروف ناھیۃ عن المنکر۔

(ترجمہ:۔ وہ ادیبہ، فاضلہ، عاقلہ، نیک، شر کو مکروہ رکھنے والی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔ در منثور صفحہ ۳۶۴)

اولاد:۔ آپ کے چار بیٹے تھے:۔ ۱۔ عبداللہ، ۲۔ عبدالرحمن، ۳۔ زید، ۴۔ اسود۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۵۳)

وفات:۔ حضرت فاطمہؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔ (در منثور صفحہ ۳۶۴)

۲۷

حضرت دُرّہؓ بنت ابی لہب

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت دُرہؓ بنت ابی لہب نہایت پارسا، خدا پرست اور حق پسند خاتون تھیں۔ اور کسی جگہ بھی سچی بات کہنے سے دریغ نہ کرتی تھیں۔

۲۔ آپ کی طبیعت میں نیکی اور ہدایت کی باتیں قبول کرنے کا بہت اچھا مادہ تھا۔ اور اسی بنا پر آپ نے اپنے باپ ابو لہب کے شرک و گمراہی کے باوجود بڑے ذوق و شوق سے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی۔

۳۔ آپ برائی کی بات سننا کسی طرح بھی گوارہ نہ کرتی تھیں اور اپنا زیادہ تر وقت اللہ کی عبادت، ذکر و ریاضت اور قرآن مجید کی تلاوت میں گزارتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت رکھتی تھیں۔ حضورؐ بھی آپ کے خلوص و محبت کی بہت قدر کرتے تھے۔

حضرت دُرّہ بنت ابی لہب

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک دُرّہ ہے۔ اور ابولہب بن عبدالمطلب کی چشم و چراغ تھیں۔ اس بنا پر آپ ختم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمزاد ہمشیرہ[۱] ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے:-

- عبدالمطلب
  - ابولہب
    - دُرّہ
  - عبداللہ
    - حضرت صلعم
  - حارث
    - نوفل
      - حارث
- (دُرّہ و حارث کی اولاد)
  - ابومسلم
  - ولید
  - عتبہ
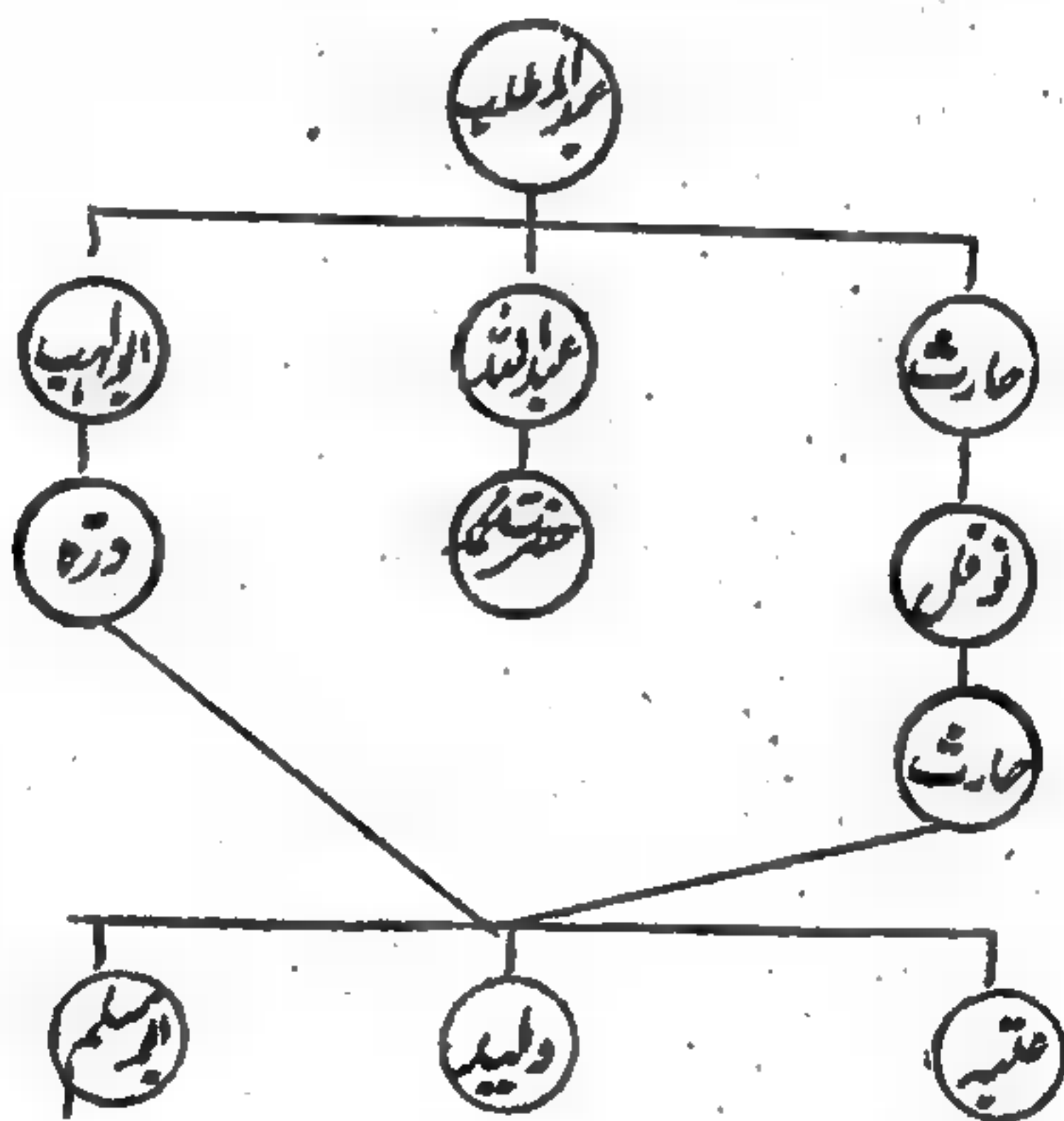
نکاح:- آپ کا نکاح حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوا تھا۔

شرف اسلام اور ہجرت:- قبول اسلام کے بہت ہی جلد بعد آپ ہجرت کرکے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئیں اور مدینہ منورہ میں آپ نے رافع بن معلی زرقی

۱؎ نسب کے لئے اس سے زیادہ وضاحت غیر ضروری ہے۔

کے گھر میں قیام فرمایا۔ وہاں خاندان زریق کی کچھ عورتیں آپ سے ملنے کے لئے آئیں اور انہوں نے کہا:۔

"تم اسی ابولہب کی بیٹی ہو جس کے متعلق سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں تم کو ہجرت کا ثواب کیا ملے گا؟"

حضرت درہ کو یہ باتیں سنکر سخت رنج ہوا اور اسی حزن و ملال کے عالم میں آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور ان عورتوں نے جو باتیں کہی تھیں وہ بارگاہ نبوت میں بیان کیں۔ حضورؐ نے آپ کو تسلی دی اور بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد حضورؐ نے لوگوں کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کر کے تھوڑی دیر منبر پر قیام فرمایا اور ارشاد کیا:۔

"ایھا الناس"

"اے لوگو! لوگ مجھ کو میرے خاندان کے بارے میں تکلیف دیتے ہیں حالانکہ قسم ہے خدا کی میرے اقربا کو میری شفاعت ضرور پہنچے گی۔ یہاں تک کہ صدا، حکم اور سلہب[۱] بھی اس سے مستفید ہوں گے (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۵۰)

اوصاف و فضائل:۔ حضرت درہؓ سے کئی احادیث مروی ہیں۔ جو عبداللہ بن عمیر اور حضرت علی کرم اللہ وجہ، وغیرہم نے روایت کی ہے (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۴۷)

اولاد:۔ آپ کے ہاں تین بیٹے ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

عتبہ، ولید اور ابو مسلم (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۴۷)

وفات:۔ آپ کی وفات کا حال تواریخ سے معلوم نہیں۔

---

[۱] صدا، حکم، سلہب یہ تینوں قبائل کے نام ہیں جن سے آنحضرت صلعم کی دور کی قرابت تھی۔

۲۸

حضرت حواءؓ بنت یزید

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت حوا بنت یزید بہت پرہیزگار اور صابرہ و شاکرہ تھیں۔ اور زیادہ تر وقت یادِ خدا میں بسر کیا کرتی تھیں۔

۲۔ آپ مصائب و آلام کو صبر و استقلال سے برداشت کرتی تھیں اور حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتی تھیں۔

۳۔ آپ جب مسلمان ہو گئیں تو آپ کے شوہر بہت تنگ کرتے اور آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں دیتے۔ آپ ان تمام سختیوں اور تکلیفوں کو ثابت قدمی سے برداشت کرتیں۔ مگر حق کی راہ سے رو گرداں ہونے کے خیال کو پاس نہ پھٹکنے دیتیں۔

حضرت حوّاؓ بنت یزید

نام ونسب:- آپ کا اسم گرامی حوا ہے، اور آپ کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:-
حوّا بنت یزید بن سنان بن کرز بن زعورا بن عبدالاشہل" (طبقات)
نکاح:- آپ کا نکاح قیس بن حطیم سے ہوا تھا۔ (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۵۲۷-۵۲۹)
شوہر کا جور وستم:- محمد بن سلام اپنی مشہور تصنیف "طبقات الشعراء" میں لکھتے ہیں کہ :-

"ہجرت کے زمانے سے پہلے حضرت حوا کو آپ کا شوہر اسلام سے روکتا تھا۔ جب آپ سجدہ میں ہوتیں تو وہ آپ کو گرا دیتا تھا۔ اور بڑی تکالیف دیتا تھا۔ اس وقت حضورؐ مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے۔ مگر آپؐ کو انصار کے حالات کا پورا پورا علم ہوتا رہتا تھا۔ اسی سلسلہ میں حضورؐ کو حضرت حوّاؓ کے مسلمان ہونے اور ان کے شوہر کے جور وستم کی بھی اطلاع ملی۔ جب قیس مکہ معظمہ آئے، تو حضورؐ نے فرمایا کہ تمہاری اہلیہ اسلام لے آئی ہے اور تم اس پر ظلم وستم کرتے ہو! میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے کوئی تعرض نہ کرو"
قیس نے حضورؐ کے اس ارشاد کی پابندی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی"

شرف اسلام:- حضرت حوّاؓ اپنے شوہر قیس بن حطیم سے چھپ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئی تھیں۔ آپ بیعت اولیٰ اور بیعت ثانیہ کے درمیانی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئیں اور اس بناء پر آپ کا شمار سابقین الاوّلین میں ہوتا

ہے۔ آپ کے قبول اسلام کے بارے میں مؤرخین کی رائے ہے کہ
"اسلمت حوا فحسن اسلامھا"
جب قیس مکہ معظمہ میں آئے تو حضور رحمت عالمؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے کچھ مہلت مانگی اور کہا کہ:۔
"جب تک میں مدینہ میں آؤں اس وقت تک مزید سوچ لوں"۔
حضورؐ نے اُن کی یہ درخواست منظور فرمائی اور پھر ارشاد کیا:۔
"تم اپنی اہلیہ حوا بنت یزید سے احتراز کرو اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرو"۔
حضور نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

"وہ (حضرت حواؓ) اسلام بھی لے آئی ہے"۔
قیس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پوری تعمیل کی یعنی اس کے بعد انہوں نے حضرت حواؓ کے متعلق اپنے رویہ میں اس قدر اصلاح کی کہ پھر کبھی آپ سے تعرض نہ کیا اور نہ آپ کو تکلیف دینے کا خیال دل میں آنے دیا۔
جب حضورؐ کو قیس کے اس طرز عمل کا علم ہوا تو آپ بہت خوش ہوئے۔
وفات:۔ حضرت حواؓ کی اولاد اور وفات کے متعلق کوئی حالات معلوم نہیں ہوتے۔

۲۹

حضرت خلیدہ رضؓ بنت قیس

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت ثعلبہؓ بنت قیس ایک نہایت حق پرست، فیاض اور نیک بخت خاتون تھیں۔ اور سچائی سے بڑی محبت رکھتی تھیں۔
۲- خوش خلقی اور مہمان نوازی آپ کے اوصاف کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ کے گھر میں کوئی مہمان آتا تو بہت خوش ہوتیں۔
۳- زہد و تقویٰ اور پرہیز گاری آپ کی طبع ثانیہ کی حیثیت رکھتی تھی اور آپ ہمیشہ ان پر عمل پیرا رہتی تھیں۔ آپ خدا پر پورا بھروسہ رکھتی تھیں۔ اور خواہ کتنی بھی مصیبتیں پیش آتیں۔ ان سے ذرہ بھر بھی گھبراتی نہ تھیں۔ بلکہ بڑے عزم استقلال سے ان کا مقابلہ کرتی تھیں۔

حضرت خلیدہؓ بنت قیسؓ

نام ونسب:- آپ کا اسم گرامی خلیدہ ہے اور قبیلہ دہمان کی چشم وچراغ تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:-

"خلیدہؓ بنت قیس بن ثابت بن خالد بن اشجع"

نکاح:- آپ کا نکاح براء بن معرور نامی ایک شخص سے ہوا تھا۔ جو بنو سلمہ کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔

شرف اسلام:- آپ نے آغاز اسلام کے تھوڑا ہی عرصہ بعد اسلام قبول کیا اور خواتین کی بیعت میں شریک ہوئیں۔

عام حالات:- اکثر مورخین نے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بکری کے گوشت میں زہر دیا گیا تھا تو جن لوگوں نے آپؐ کے ساتھ کھانا کھایا ان میں حضرت خلیدہؓ کا بیٹا بھی شامل تھا۔ چنانچہ حسب ذیل روایت سے بھی اس بیان کی تائید کا پہلو نکلتا ہے۔ اور یہ روایت خاص طور سے مشہور ہے۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرض کے ایام میں جس میں سرکار دو عالمؐ نے انتقال کیا۔ حضرت خلیدہؓ ایک دن عیادت کے لئے تشریف لائیں اور آنحضرت صلعم کے جسم مبارک پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا:-

یا رسول اللہؐ! جس قدر سخت بخار میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ اور کسی کا نہیں دیکھا"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا:-

جس طرح ہمیں اجر المضاعف (دو گنا) دیا جاتا ہے اسی طرح بلاؤں کی

سختی بھی ہمارے لئے دوگنا ہے۔"

پھر حضورؐ نے فرمایا:۔ "لوگ میری علالت کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں"؟

حضرت خلیدہؓ نے عرض کیا:۔

"وہ کیا گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کو ذات الجنب ہے"!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اللہ اس بلا کو مجھ پر مسلط نہ کرے یہ شیطانی وسوسہ ہے ورنہ میری بیماری کا سبب تو اس زہر کا اثر ہے جو میں نے اور تیرے بیٹے نے جنگ خیبر میں کھایا تھا۔ وہ اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا اور اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی۔

اوصاف و فضائل: حضرت خلیدہؓ سے چند احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے ذیل کی روایت بہت مشہور ہے: "ایک مرتبہ حضرت خلیدہؓ نے حضورؐ کی خدمت اقدس میں عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ صلعم! کیا مردے بھی پہچانے جاتے ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"تربت یداک النفس الطیبۃ طیر خضر فی الجنۃ فان کان الطیر یتعارفن فی رءوس الشجر فانھم یتعارفون"

(ترجمہ) "تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں۔ پاکیزہ روح تو جنت میں ایک سبز پرندے کی طرح ہے اگر پرندے درخت کے پتوں میں پہچانے جاتے ہیں تو وہ بھی پہچانے جاتے ہیں۔"

وفات:۔ حضرت خلیدہؓ کی وفات کے بارے میں تاریخوں سے کچھ نہیں معلوم ہوتا: (طبقات جلد ۸ صفحہ ۲۲۹ -- ۲۳۰)

۳۰

حضرت ہندؓ بنت عتبہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت ہندؓ بنت عتبہ ایک نہایت خوددار، غیرت مند صائب الرائے اور ذی عقل خاتون تھیں اور بہت سخی تھیں۔

۲- جرأت و شجاعت میں بہت کم عورتیں آپ کا مقابلہ کرتی تھیں۔ آپ میدان جنگ میں مجاہدین کو لڑنے کے لئے جزیہ اشعار پڑھ پڑھ کر جوش دلایا کرتی تھیں۔

۳- آپ نے بُت پرستی پر لعنت بھیج کر اپنے ہاتھ سے بُت کو توڑا اور فرمایا۔ کہ ہم تیری ہی بدولت گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

۴- جب آپ نے اسلام قبول کیا تو سچے دل سے حضورؐ کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف کیا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ! پہلے میرے نزدیک آپؐ سے زیادہ کوئی دشمن نہ تھا۔ اور اب آپؐ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں۔

حضرت ہندہ رضی بنت عتبہ

نام و نسب:- آپ کا اسم مبارک ہندؓ ہے۔ اور قریش کے معزز ترین رئیس عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد المناف کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی والدہ صفیہ بنت امیہ بن حارثہ بن اوقص بن مرہ بن ہلال سلمیہ تھیں۔ (طبقات جلد ۵ ص۱۷)

آپ کا شجرۂ نسب مستند تواریخ کے مطابق حسب ذیل ہے:-

عبد المناف
- ہاشم
- عبد شمس
  - ربیعہ ← عتبہ ← ہندہ رضی
  - امیہ ← حرب ← ابو سفیان

ابو سفیان + ہندہ رضی ← معاویہ رضی
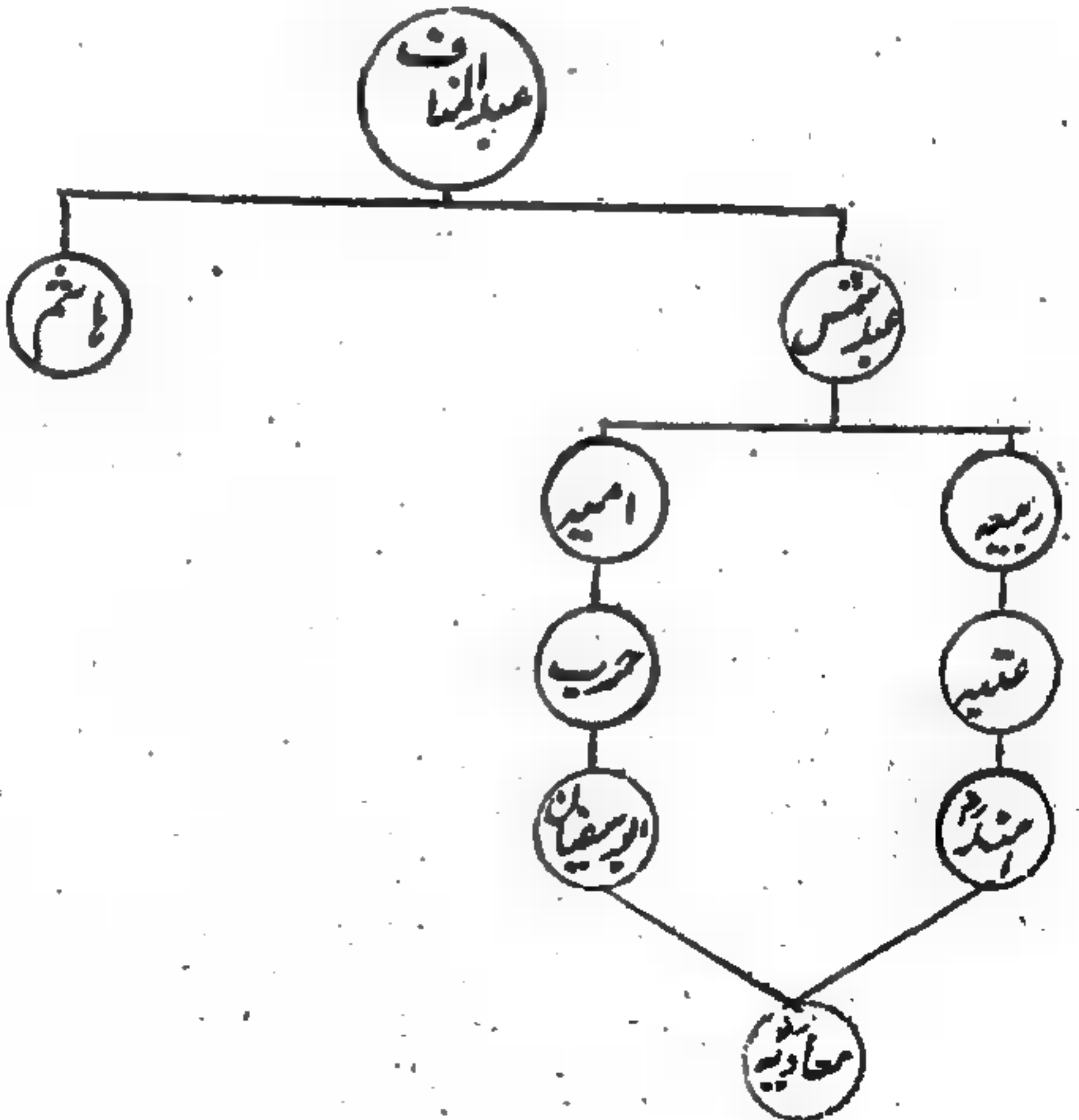
نکاح اوّل: آپ کا پہلا عقد فاکہہ بن مغیرہ مخزومی سے ہوا تھا۔

(اسد الغابہ و در منثور وغیرہ)

نکاح ثانی: کچھ عرصہ کے بعد فاکہہ کی موت واقع ہو گئی اور اس کی اولاد بھی کوئی نہ ہوئی۔ تو حضرت ہند نے ابو سفیان بن حرب سے نکاح کیا جن سے حضرت امیر معاویہؓ تولد ہوئے۔

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۶۳ و در منثور وغیرہ)

عام حالات: حضرت ہندؓ آپ کا والد عتبہ اور شوہر ابو سفیانؓ بن حرب اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ چنانچہ مشرکین کے سرخیل ابو جہل کی عداوت اور ان کی کوششیں اسلام کو جس قدر صدمے پہنچانے کا باعث ہوئیں، وہ بیان سے باہر ہیں۔ اگرچہ جنگ بدر میں ابو جہل اور اس کے بڑے بڑے ساتھی مشرکوں کے قتل کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلہ شکن مصائب بڑی حد تک کم ہو گئے تھے۔ لیکن حضرت ہند کے شوہر ابو سفیان نے ان سب دشمنان اسلام کی جانشینی پر کمر باندھی۔ اور نہایت گرمجوشی سے ۔ ۔ ۔ ۔ ابو جہل کی قائم مقامی کا لوگوں سے اقرار کرایا چنانچہ جنگ بدر کے اختتام پذیر ہونے کے بعد مسلمانوں کو جتنے بھی معرکے پیش آئے۔ وہ سب کے سب ابو سفیان کی سالاری میں اور انگیخت کے اثر سے ہوئے۔

غزوہ احد بھی ابو سفیان ہی کے جذبۂ عناد و انتقام کی ایک عملی صورت تھی۔ اور جب یہ معرکہ پیش آیا تو ابو سفیان کی بیوی ہند بھی

اس لڑائی میں شامل تھیں۔ ہند نے مشرکین کی حمایت میں جس دلیری اور حوصلہ مندی کے کام کئے اور اپنے باپ عتبہ اور اپنے دیگر اعزہ کا انتقام لینے کی غرض سے مسلمانوں کے ساتھ جس سفاکی اور بے رحمی کا سلوک کیا اس کے تصوّر سے بھی انسان کانپ اٹھتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی سنگدل کیوں نہ ہو۔ وہ میدان کارزار میں اپنا فرض بڑی مستعدی سے ادا کرتی تھیں۔ اور مشرکوں کو جوش دلا دلا کر لڑنے کے لئے تیار کر رہی تھیں۔ اس موقع پر جو رجزیہ اشعار انہوں نے لڑنے والوں کو پڑھ کر سنائے تھے۔ ابن اثیر اور دیگر مؤرخین نے وہ اس طرح قلم بند کئے ہیں:۔

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق مشی القطی البارق

والمسک فی المفارق والدر فی المخانق ان تقبلوا نعانق

ولفرش النمارق او تدبروا نفارق فراق غیر وامق

جنگ بدر میں ہندؓ کا باپ عتبہ چونکہ حضرت امیر حمزہؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ اس لئے ہندؓ خاص طور سے حضرت امیر حمزہؓ کے ساتھ دشمنی رکھتی تھیں۔ اور ایسے موقع کی متلاشی رہتی تھیں۔ کب انہیں حضرت حمزہؓ سے اپنے باپ کا انتقام لینے کی فرصت میسر آئے۔ اس جذبہ انتقام کی بنا پر ہندؓ نے جبیر ابن مطعمؓ کے غلام وحشی کو جو حربہ[1] اندازی

---

[1] زہریلے تیر کی ایک خطرناک قسم ہے جس کو حربہ کہتے ہیں۔ اس زمانے میں اس تیر کا بہت رواج تھا اور لوگ اس کو چلانے کی تربیت حاصل کیا کرتے تھے۔

کے فن میں ید طولیٰ رکھتا تھا پہلے ہی سے اس بات کے لئے آمادہ کر رکھا تھا کہ جہاں بھی موقع ملے حضرت حمزہؓ پہ جان لینے والا وار کرے۔ اور اس خدمت کے صلہ میں اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو گیا۔ تو اُسے غلامی سے آزاد کر دیا جائے گا۔"

ہند کی یہ تدبیر جنگ اُحد میں کارگر ہوئی اور جب حضرت حمزہؓ کا وحشی سے سامنا ہوا۔ تو وحشی نے آپ پر حربہ چلایا جو حضرت حمزہؓ کی ناف میں تراذو ہو کر پار نکل گیا۔ حضرت حمزہؓ چاہتے تھے۔ کہ وحشی پر جوابی حملہ کریں لیکن آگے بڑھنے کی سکت نہ رہی اور لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے۔ جس کے ساتھ ہی آپ کی روح نعشِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اس موقع پر قریش کی عورتیں جوشِ انتقام سے اس حد تک اندھی اور دیوانی ہو رہی تھیں کہ بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں کی نعشوں کو روندنے اور انہیں تختۂ مشقِ ستم کرنے سے بھی باز نہ رہتی تھیں۔ اور ان کے ناک کان کاٹ کر اپنی متعصبانہ وحشت کا دل دوز مظاہرہ کرتی تھیں۔ ہندؓ بھی انہی عورتوں میں سے ایک تھیں۔ اور یہ عصبیت ان میں بھی دوسروں سے کچھ کم نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت حمزہؓ کو جب اس طرح بے جان ہو کر گرتے دیکھا تو ان کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ فوراً بھاگ کر حضرت حمزہؓ کی نعش پر پہنچیں۔ آپ کا پیٹ خنجر سے چاک کر کے کلیجہ نکالا۔ اور منہ میں ڈال کر چبا گئیں۔

یہ واقعہ خاص طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جس قدر دل خراش

اور المناک تھا - وہ بالکل ظاہر ہے۔ حضورؐ کے لئے اس حادثہ میں غم و رنج کی کیا کیفیت ہوگی - کہ حضورؐ نے اپنی آنکھوں سے چچا جیسے عزیز بزرگ کو اس حالت میں دیکھا - لیکن اس دل آزاری و قلب سوزی کے باوجود ہندؓ کے قبول اسلام پر حضورؐ کا ایثار نفس یقیناً دنیا کے لئے ایک بے نظیر مثال ہے -

شرف اسلام: - جب حضورؐ نے مکہ کو فتح کیا اور خطہ عرب کا زیادہ تر حصہ نور اسلام سے روشن ہوا - تو آنحضرت صلعم نے لوگوں سے بیعت لینے کا اہتمام فرمایا - اس موقع پر عورتوں کے گروہ میں ہندؓ بھی نقاب پہنے ہوئے شامل تھیں اور نقاب پہننے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آسانی سے پہچانی نہ جا سکیں - اس وقت ہندؓ نے حضورؐ کے ساتھ گفتگو کرنے میں جس گستاخانہ جرأت اور بیباکی کا مظاہرہ کیا - اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مکالمہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے :-

ہندؓ :- یا رسول اللہ صلعم ! آپؐ کن باتوں پر ہم سے بیعت لیتے ہیں؟

سرکار دو عالمؐ :- خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو -

ہندؓ :- یہ شرط آپ نے مردوں سے نہیں لی - تاہم یہ ہمیں منظور ہے

سرکار دو عالمؐ :- چوری نہ کرو -

ہندؓ :- میں اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی کبھی کچھ صرف کر لیا کرتی ہوں معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں ؟

سرکار دو عالمؐ :- اولاد کو قتل نہ کرو !

ہند:۔ ہم نے تو اُن کو بچپن میں پرورش کیا تھا۔ اور جب عالم شباب کو پہنچے تو آپ نے قتل کر ڈالا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت لطف وکرم نے اس بیباکانہ انداز گفتگو کو بھی متانت و شفقت کے کانوں سے سماعت فرمایا۔ اور ذرہ برابر بھی ناپسندیدگی کا اظہار نہ فرمایا۔ چنانچہ ہند نے حضورؐ کا دامن رحمت جب اس قدر کشادہ پایا کہ اس کی انتہا ہی دکھائی نہ دیتی تھی۔ تو آپ نے صدق دل سے حضورؐ کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف کیا۔ اور حضورؐ سے عرض کیا کہ:۔

"یا رسول اللہؐ! پہلے میرے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی دشمن نہ تھا۔ اور اب آپ سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہیں رہا"

(صحیح بخاری)

بارگاہ نبویؐ سے رخصت ہو کر جب آپ اپنے گھر پہنچیں۔ تو اب ہند وہ ہند نہ تھیں۔ چنانچہ آپ نے بت پرستی پر لعنت بھیجی اور اپنے ہاتھ سے بت کو توڑ کر چکنا چور کیا۔ آپ نے بت کو توڑتے ہوئے کہا،۔

"تمہاری ہی بدولت ہم اب تک گمراہی اور بے دینی میں پڑے رہے"

(طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۸۲)

خدمات اسلام:۔ زمانہ جاہلیت میں تو حضرت ہندؓ کے لڑائیوں میں شریک ہونے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ لیکن اسلام میں بھی آپ کے لئے شجاعت و جرأت کا مظاہرہ کرنے کے دروازے بند نہ تھے بلکہ یہاں پہلے سے زیادہ

مواقع حاصل ہوئے۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب جنگ یرموک چھڑی تو حضرت ہند بھی اپنے شوہر حضرت ابوسفیانؓ کے ساتھ شریک ہوئیں۔ اور رومیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو جوش دلاتی رہیں۔

اوصاف و فضائل:۔ آپ کے اوصاف و فضائل کے متعلق اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ:۔

"کانت امرأۃ لہا نفس وانفۃ ورائے وعقل"	(ترجمہ) "وہ ایک خوددار غیرت مند صائب الرائے اور ذی عقل خاتون تھیں" (اسد الغابہ جلد ▪ صفحہ ۵۶۳)

جرأت و ہمت میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا اور آپ کی طبیعت میں فیاضی و سخاوت کا بھی بڑا جوہر تھا۔ لیکن اپنے حوصلہ کے برابر خرچ نہیں کرپاتی تھیں۔ کیونکہ ابوسفیانؓ آپ کو ضروریات کے مقابلہ میں کم دیتے تھے۔ چنانچہ آپ جس وقت مسلمان ہوئیں۔ اور حضورؐ نے آپ سے چوری نہ کرنے کا اقرار لیا تو آپ نے عرض کیا کہ:۔

یارسول اللہ! ابوسفیانؓ مجھے پورا خرچ نہیں دیتے۔ اگر ان سے چھپا کر لے لوں تو جائز ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ہاں بقدرِ ضرورت مضائقہ نہیں" (صحیح بخاری)

حضرت ہند کے والد عتبہ بن ربیعہ بھی آپ کی ذہانت و فطانت

اور ادراک و تمیز کے قائل تھے ۔ چنانچہ جب آپ کا نکاح ثانی کرنے لگے ۔
تو اپنی رائے میں دو شخصوں کو منتخب کیا اور ان دونوں میں سے پسندیدگی
کا اختیار حضرت ہند رضؓ کو دیا ۔ ان دونوں میں ایک ابو سفیان تھے ۔ یو حضرت
ہند رضؓ کے معیار انتخاب پر پورے اترے ۔

(طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۸۱)

وفات :- طبقات ابن سعد اور کتاب الامثال سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ
حضرت ہند کا انتقال حضرت عثمان رضؓ کے زمانۂ خلافت میں ہوا ۔ لیکن
بعض مورخین کا خیال ہے ۔ کہ حضرت عمر رضؓ کے عہد خلافت میں آپ نے
انتقال کیا ۔ اور آپ کی اور حضرت ابو قحافہ رضؓ کی وفات ایک ہی روز
ہوئی ۔ مگر اول الذکر روایت صحیح ہے ۔

۳۱

حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ نہایت پارسا، متوکل اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ اور ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہتی تھیں۔

۲- آپ ہی وہ نیک بخت اور صالحہ خاتون تھیں۔ جو مسئلہ ظہار کے فیصلہ کا باعث ہوئیں اور حق کی صدائے درد اللہ تعالیٰ نے عرش عظیم پر سنکر مسئلہ ظہار کے فیصلہ کے لئے آیت کریمہ نازل فرمائی۔ جس سے آپ کی مشکل حل ہو گئی۔

۳- آپ کی بزرگی اور پرہیزگاری کا مقام اتنا بلند تھا۔ کہ بہت تھوڑی خواتین کو وہ مقام نصیب ہوا۔ اور اسی بزرگی کی وجہ سے حضرت عمرؓ آپ کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

حضرت خولہؓ بنت ثعلبہؓ

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک خولہؓ ہے۔ اور قبیلہ بنی عوف بن خزرج کی چشم وچراغ ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:-

"خولہ بنت ثعلبہ بن احرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن عوف"

نکاح:- آپ کا نکاح حضرت عبادہؓ بن صامت کے بھائی اوس بن صامت کے ساتھ ہوا تھا۔

شرف اسلام:- آپ ابتدائی دنوں میں مسلمان ہو گئیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

عام حالات:- حضرت خولہؓ ہی وہ نیک بخت خاتون تھیں۔ جو مسئلہ ظہار کے فیصلہ کا باعث بنیں۔ کتب سیر میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح آیا ہے:-

زمانہ جاہلیت میں یہ عام رسم تھی کہ کوئی شخص اگر ایک دفعہ اپنی بیوی سے مظاہرہ کر دیتا تھا۔ یعنی بیوی کو اپنی ماں کی طرح حرام قرار دے لیتا تھا۔ تو اس کے تعلقات زوجیت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا تھا۔ حضرت خولہؓ کے شوہر اوس بن صامت نہایت معمر اور ضعیف القویٰ تھے۔ اور تلخ کلامی و تند مزاجی چونکہ عمر کے اس حصے کا خاصہ ہے۔ اس لئے مزاج میں چڑچڑا پن بہت زیادہ ہو چکا تھا۔ اور ذرا ذرا سی بات پہ بھڑک اٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خولہؓ سے کسی بات پہ ناراض ہو گئے۔ اور

غصہ کے جوش میں کہہ دیا۔

"انتَ علیّ کظھر امّی" | ترجمہ: "تم مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہو۔"

اس کے بعد بڑھاپے کا غصہ تھوڑی ہی دیر میں رفع ہو گیا اور بات کو سوچا تو آنکھیں اور اپنی جلد بازی کی حرکت پر سخت ندامت اور پریشانی کا احساس ہوا۔ اسی حالت میں حضرت خولہؓ کے پاس جانا چاہا۔ تو آپ نے فرمایا: گو تم نے مجھے طلاق نہیں دی ہے۔ پھر بھی جب تک خدا اور اس کا پیارا نبی کوئی حکم نہ دیں۔ میرے اور تمہارے باہمی تعلقات حرام ہیں۔ اب تم رسول اللہ صلعم کی خدمت اقدس میں جاؤ۔ اور جو تم کر چکے ہو اس کے بارے میں فیصلہ کراؤ!

اوس بن صامت نے اس کے جواب میں کہا کہ:۔

"مجھے اس معاملہ میں حضورؐ سے عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے بہتر ہے کہ تم ہی جاؤ! شاید خدائے رحیم وکریم ہمارے اوپر رحم فرمائے۔ اور اپنے رسولؐ کے طفیل ہماری بہتری کے اسباب مہیا کر دے۔"

حضرت خولہؓ یہ سنکر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور آنحضرت صلعم نے حال دریافت فرمایا۔ تو حضرت خولہؓ نے عرض کیا:۔

"یارسول اللہؐ! اوس جیسا کہ آپؐ جانتے ہیں میرا ابن عم (چچا کا بیٹا) ہے۔ اور مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کی تلخ

کلامی، تند مزاجی اور ضعف قوت کا حال بھی آپ پر روشن ہے اس نے غصہ میں مجھے ایسی بات کہہ دی ہے جو میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ طلاق نہیں ہے۔ اس نے کہا۔

انت علی کظھر امی"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"میرے خیال میں تم اس پر حرام ہو گئی ہو۔"

حضرت خولہؓ کو یہ سنکر سخت صدمہ ہوا۔ اور صدمے سے بڑھ کر سراسیمہ و افسردہ ہو گئیں۔ آپ بڑے عجز و مایوسی کے ساتھ حضورؐ سے بات کرتی رہیں اور پھر ہاتھ اٹھا کر مندرجہ ذیل دعا مانگی:۔

یا اللہ! میں تیرے حضور میں اپنی سخت ترین تکلیف اور اوس کے رنج جدائی کی شکایت لائی ہوں۔ اے اللہ! ہمارے لئے جو بات رحمت اور بھلائی کی باعث ہو۔ وہ اپنے پیارے نبیؐ کی زبان مبارک سے ظاہر فرما دے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ:۔

یہ منظر ایسا دردناک تھا۔ کہ حضرت خولہؓ کی ہمدردی میں میری اور گھر کے دیگر افراد کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے اور ہم سب رو پڑے۔

اس حالت کو ابھی کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے آثار نمودار ہوتے۔ اور حضرت عائشہ

صدیقہ رضؓ نے تبسم فرماتے ہوئے حضرت خولہ رضؓ سے فرمایا :-
"خولہ! عنقریب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارا تصفیہ ہو رہا ہے"
یہ وقت حضرت خولہ رضؓ کے لئے اور بھی نازک اور صبر آزما تھا - اور اُمید و بیم کی کشمکش کا یہ مرحلہ حضرت خولہ رضؓ کے لئے بے حد تشویش و اضطراب کا باعث تھا - یہ امید بھی تھی کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کی بہتری اور بھلائی کا ارشاد نازل ہو - مگر اسی کے ساتھ یہ بھی اندیشہ تھا - کہ شاید فرقت و جدائی کا حکم صادر ہو جائے اور اس صدمہ سے جان ہی نکل جائے غرضیکہ حضرت خولہ رضؓ ایک عجیب بے چینی میں مبتلا تھیں - لیکن یہ بے چینی ایک ہی لمحہ رہی اور اس کے بعد آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو حضورؐ کو مسکراتے ہوئے پایا - آپ کو اُمید بندھی اور خوشی کے احساس سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں -
اسی اثناء میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
"خولہ! دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہارا فیصلہ قرآن پاک کی اس آیت کے ذریعے سے کر دیا :-

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ

ترجمہ :- سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی تھی - تجھ سے (رسول اللہ سے) اپنے خاوند کے حق میں اور شکایت کرتی ہے اللہ کے آگے اور اللہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے - جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں کو ، وہ نہیں

إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ
لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ
وَزُورًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝
وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ
ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ
رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ط
ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ ۔ وَاللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَمَن لَّمْ
يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ
مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ۚ فَمَن لَّمْ
يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ط
ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَلِلْكَافِرِينَ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

ان کی مائیں۔ اُن کی مائیں وہی ہیں
جنہوں نے ان کو جنا اور وہ بولتے
ہیں۔ ایک ناپسند بات اور جھوٹ
اور اللہ معاف کرتا ہے بخشنے والا
اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر
وہی کام چاہیں جس کو کہا ہے تو آزاد کرنا
ایک بردہ پہلے اس سے کہ ہاتھ لگائیں
اس سے تم کو نصیحت ہوگی اور اللہ خبر
رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ پھر جو کوئی
نہ پائے تو روزے رکھے دو مہینے کے لگاتار
پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں پھر جو
کوئی نہ کر سکے تو کھانا دینا ہوگا ساٹھ محتاجوں
کو یہ اس واسطے کہ حکم مانو اللہ کا اور اس کے
رسول کا اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی اور
منکروں کے لئے دردناک عذاب ہے"

(سورۂ مجادلہ)

پھر حضورؐ نے حکم دیا :-
"اپنے شوہر سے کہہ دو کہ وہ ایک لونڈی یا غلام آزاد کرے"
حضرت خولہؓ نے عرض کیا،

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کس کو آزاد کریں۔ بخدا! اس کے پاس نہ کوئی لونڈی غلام ہے اور نہ میرے سوا کوئی خادم۔"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

"اچھا! تو متواتر ساٹھ روزے رکھے۔"

حضرت خولہؓ نے دست بستہ عرض کیا کہ:۔

"وہ نہایت ضعیف ہیں اور بدن کی کمزوری کے ساتھ آنکھیں بھی جاتی رہی ہیں اور وہ دن میں کئی بار کھاتا ہے۔"

حضرت خولہؓ سے یہ بات سنکر نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔

"تو کہہ دو کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔"

حضرت خولہؓ نے جواب میں عرض کیا:۔

"حضورؐ! اس سے اتنا بھی ممکن نہیں ہے۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ام المنذر بنت قیس کو بلا کر لائیں۔ ان سے بارشتر کھجوریں لے کر ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کر دیں۔"

حضرت خولہؓ سلام عرض کر کے رخصت ہوئیں۔ گھر میں آپ کے شوہر اوس بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت خولہؓ کو دیکھتے ہی نہایت بے قراری سے پوچھا کہ کیوں خولہ! کیا ہوا؟

حضرت خولہؓ نے جواب دیا:۔

خیریت ہے اور تم خوش قسمت معلوم ہوتے ہو۔ آنحضرتؐ

کا ارشاد ہے۔ کہ تم ام المنذر بنت قیس کو ساتھ لیتے آؤ اور ان سے چند بار شتر کھجوریں لے کر ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کر دو۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت اوسؓ نے بڑی خوشی سے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔

(طبقات جلد ۸ صفحہ ۲۷۵ تا ۲۷۷)

اوصاف و فضائل: ۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ، حضرت خولہؓ کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور آپ کے ساتھ بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت فاروق اعظمؓ کہیں تشریف لیے جا رہے تھے ۔ اور بہت سے لوگ آپ کے ہمراہ تھے۔ رستہ میں حضرت خولہؓ سے ملاقات ہوئی۔ تو آپ اس طرف متوجہ ہوئے۔ اور کافی دیر تک دونوں میں گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص نے کہا:۔

"یا امیر المومنین! اس بڑھیا سے تو سب لوگ تنگ آ گئے"

حضرت عمرؓ نے بڑی جلالت کے ساتھ فرمایا:۔

اے کم بخت! تجھے معلوم ہے یہ بڑھیا کون ہے؟ یہی وہ خاتون ہے جس کی صدا ئے درد اللہ جل شانہٗ نے عرش معلیٰ سے سُنی۔ یہ خولہؓ بنت ثعلبہ ہے جس کے بارے میں آیہ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ نازل ہوئی

اگر رات تک ٹھہری رہتی تو بھی میں نماز کے سوا کوئی کام نہ کرتا۔ اور اسی کے ساتھ گفتگو میں مصروف رہتا۔

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۴۲)

وفات:- آپ کی وفات کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۳۲
حضرت لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت لیلیٰؓ بنت ابی حشمہ اُن خوش قسمت خواتین میں سے ایک تھیں۔ جنھوں نے آغازِ اسلام ہی میں حضور نبیٔ اکرم کی دعوت حق پر لبیک کہا اور اسلام کے لئے طرح طرح کے مصائب و آلام برداشت کئے۔ مگر حق و صداقت کی راہ سے اِدھر اُدھر نہ ہوئیں۔

۲۔ آپ نہایت نیک دل، پاکیزہ سیرت اور بلند اخلاق ہونے کے ساتھ عزم و استقلال کی بھی پیکر تھیں۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے آپ پر بڑی بڑی سختیاں ہوئیں۔ مگر آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ

نام و نسب:۔ آپ کا اسم مبارک لیلیٰ اور کنیت ام عبداللہ ہے۔ آپ قریش کے مشہور خاندان عدی سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:۔
"لیلیٰ بنت ابی حثمہ بن حذیفہ بن غانم بن عامر بن عبداللہ بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب بن لوی"

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۴۱)

نکاح:۔ آپ کا نکاح عامر بن ربیعہ عنبری سے ہوا تھا۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۷۰)

شرف اسلام:۔ حضرت لیلیٰؓ اپنے شوہر عامر بن ربیعہ عنبری کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۴۱)

ہجرت:۔ آپ کا شمار مہاجرات اولیٰ میں ہوتا ہے۔ آپ نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر جب مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو آپ مدینہ منورہ چلی گئیں۔

قبلتین کی طرف نماز:۔ حضرت لیلیٰؓ کو یہ امتیاز خاص بھی حاصل تھا۔ کہ آپ نے قبلتین (دو قبلوں) کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔ یعنی مسلمانوں کا پہلا قبلہ بیت المقدس تھا۔ اور بعد میں کعبہ ہو گیا۔ چونکہ آپ قدیم مسلمانوں میں سے تھیں۔ اس لئے آپ اس زمانے میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے بھی نماز پڑھتی رہیں۔ جب بیت المقدس پہلا قبلہ تھا اور پھر جب کعبہ کو قبلہ کا رتبہ ملا تو آپ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے بھی نماز

پڑھی۔ گویا آپ کو دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا شرف اس بنا پر حاصل ہوا کہ آپ نے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کر لیا تھا

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۴۱)

عام حالات: ۔حبشہ کو ہجرت کرنے کے واقعہ کی بابت حضرت لیلےؓ فرماتی ہیں:

حضرت عمرؓ اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے۔ اس لئے آپ ہم لوگوں سے زیادہ تشدد کا برتاؤ کرتے تھے۔ مجبوراً ہم نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جب ہمارا قافلہ روانہ ہونے لگا۔ اور میں اونٹ پہ سوار تھی تو حضرت عمرؓ آئے اور مجھ سے پوچھا کہ ام عبداللہ کہاں کا ارادہ ہے؟

میں نے کہا کہ آپ نے ہمیں دین کے لئے بہت تکلیفیں اور دکھ پہنچائے ہیں۔ خدا کا ملک تنگ نہیں ہے۔ جہاں جگہ ملے گی چلے جائیں گے۔ کہنے لگے "خدا تمہارا ساتھی ہو" یہ کہہ کر چلے گئے۔

اس کے بعد عامر بن ربیعہ آئے تو میں نے سب قصہ ان کو سنایا اور حضرت عمرؓ پر اس وقت جو رقت سی طاری ہو گئی تھی۔ اس کا بھی ذکر کیا۔ عامر نے کہا:۔

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ عمرؓ اسلام لے آئیں؟"

میں نے کہا "ہاں!" آخر پروردگار عالم نے ایسا ہی کیا کہ میری امید بر آئی۔

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۴۱)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت لیلیٰؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے بیٹے سے کہا:-

تعال اعطك (ترجمہ: یہاں آؤ! میں تمہیں کچھ دیتی ہوں-)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیا دینا چاہتی تھیں-

آپ نے عرض کیا- "کھجور"

حضور نے فرمایا "اگر تم کچھ نہ دیتیں تو میں تمہیں جھوٹا سمجھتا-"

۲۳

حضرت ام خالدؓ بنت خالد بن سعید

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت ام خالدؓ بنت خالد بن سعید نہایت وسیع الظرف بلند کردار اور نیک طینت خاتون تھیں۔ اور ہر شخص کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آتی تھیں۔

۲- آپ کی طبیعت میں خلوص، رواداری، مروت، حیا، فیاضی اور مہمان نوازی کے جوہر کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔

۳- حق بات کہنا اور حق بات کو توجہ سے سننا آپ کے گوناگون اوصاف کا طرۂ امتیاز تھا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی محبت رکھتی تھی۔ اور اسلام کی والہ و شیدا تھیں۔

حضرت ام خالدؓ بنت خالد بن سعید

نام و نسب :- آپ کا اسم مبارک امۃ اور کنیت ام خالد ہے اور آپ اپنی کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں - آپ کا تعلق بنو امیۃ کے خاندان سے تھا - آپ کے والد کا نام خالد بن سعید بن عاص بن امیۃ بن عبد شمس تھا - اور آپ کی والدہ ہمینہ بنت خلف بن اسعد بن عامر خزاعیہ تھیں آپ کا شجرہ نسب یہ ہے :-

عبد شمس ← امیۃ ← عاص ← سعید ← خالد

عامر خزاعیہ ← اسعد ← خلف ← ہمینہ

خالد + ہمینہ ← امۃ (ام خالدؓ)

عوام ← زبیرؓ

امۃ + زبیرؓ ← خالد، عمرو
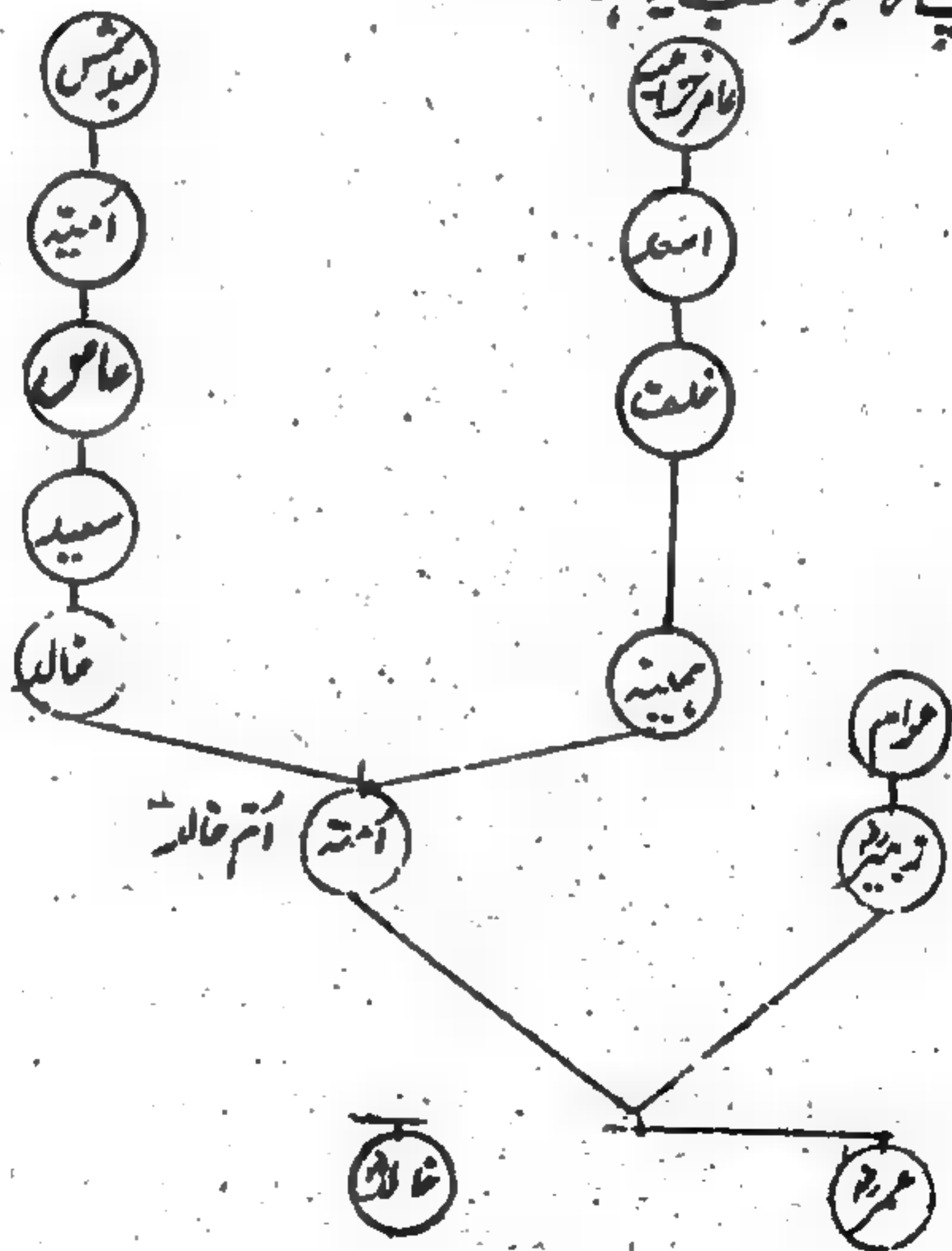
ولادت:- حضرت خالدؓ بن سعید جب اپنی بیوی ہمینہ کے ہمراہ حبشہ چلے گئے تو حضرت اُمتہ وہیں پیدا ہوئیں۔

نکاح:- آپ کا نکاح زبیر بن عوامؓ سے ہوا تھا۔

حالات زندگی:- حضرت اُمتہ سن شعور تک اپنے والدین کے ساتھ حبشہ ہی میں رہیں اور جب آپ نے ہوش سنبھالا تو آپ کے والدین کشتیوں میں سوار ہو کر مدینہ منورہ چلے گئے۔ اس زمانے میں حبشہ کا حکمران شاہ نجاشی تھا۔ جب یہ لوگ سفر کے لئے تیار ہوئے تو شاہ نجاشی نے سب کو مخاطب کر کے کہا:-

"اقرأو جمیعاً رسول اللہ منی السلام" ترجمہ:- تم سب رسول اللہ صلعم کو میری طرف سے سلام کہنا۔

حضرت اُمتہ فرماتی ہیں:-

میں انہی لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے رسول اللہ صلعم کو شاہ نجاشی کا سلام پہنچایا۔

اوصاف و فضائل:- آپ نے آنحضرت صلعم سے چند احادیث بیان کی ہیں۔ جن کے راویوں کے نام حسب ذیل ہیں:-

موسیٰ بن عقبہ، ابراہیم بن عقبہ، کریب بن سلیمان کندی وغیرہ

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۰۱)

اولاد:- آپ کے دو بیٹے ہوئے:- عمر بن زبیرؓ اور خالد بن زبیرؓ

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۰۱)

۳۴
حضرت اُمِ الخیر بنت صخر

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت ام الخیر بنت صخر رضی اللہ عنہا وہ جلیل القدر خاتون تھیں جن کے فیض تربیت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے یارِ غار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشوونما کی اور انہیں پروان چڑھایا۔

۲- آپ نہایت صالح، پاکباز اور عالی کردار صحابیہ تھیں اور اسلام کی عظمت و سربلندی کے لئے کسی قسم کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتی تھیں۔

۳- آپ کی طبیعت اتنی نیک اور حق پسند تھی۔ کہ حضور نے جب آپ کو اسلام قبول کرنے کے لئے ارشاد فرمایا تو آپ کے دل سے کفر کی تاریکی فوراً کافور ہو گئی۔

حضرت ام الخیر بنت صخر رضی اللہ عنہا

(والدۂ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ)

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک معلوم نہیں البتہ آپ کی کنیت ام الخیر ہے۔ اور آپ اسی سے مشہور ہیں۔ آپ قریش کے خاندان تیم سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں آپ کا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے:-

"ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ"

نکاح:- آپ کا نکاح ابو قحافہ سے ہوا تھا۔

شرف اسلام:- حضرت صدیق اکبر نے جب کفار کو علی الاعلان اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو یہ بات مشرکین کے جلتے ہوئے دلوں پر تیل ڈالنے کے مترادف تھی۔ اور وہ اس سے اس حد تک مشتعل ہوتے تھے۔ کہ آپے میں نہیں رہتے تھے۔ اور دعوت اسلام دینے والوں کو انتقام کا نشانہ بنانے کے لیے کمربستہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دن جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان گمراہوں کو بہ طلا صراط مستقیم کی طرف بلایا تو سب کافروں نے مل کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور سخت آزار دینا شروع کیا۔ ان مردودوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس قدر تکلیف پہنچائی کہ آپ بے ہوش ہو گئے اور بنی تیم آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر لے گئے۔ آپ کو جب ذرا ہوش آیا تو آپ نے

دریافت فرمایا:۔

"رسول اللہ صلعم کا کیا حال ہے؟"

حضرت صدیق اکبرؓ کے والد ابو قحافہؓ اور خاندان کے دیگر تمام افراد نے اس پر آپ کو ملامت کی کہ اسلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی وجہ سے تم اس حال کو پہنچے ہو۔ اور اب بھی اس ذکر سے باز نہیں آئے لیکن حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف سے آنحضرتؐ کی خیریت کے بارے میں استفسار کا سلسلہ برابر جاری رہا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے آئے۔ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور آپ کی خستہ حالی دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی والدہ محترمہ حضرت ام الخیرؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا:۔

"یا رسول اللہؐ! یہ میری والدہ ہیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو فیض و برکات عطا کی ہیں۔ آپ ان کے لئے بھی دعا فرمایئے اور ان کو اسلام کی دعوت دیجئے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور حضرت ام الخیرؓ کو قبول اسلام کی رغبت دی۔ خداوند جل وعلا کی قدرت سے ان کے دل پر سے کفر کا زنگ فوراً اتر گیا اور اس کے صاف ہونے کے بعد حق و صداقت کی نورانی شعاعیں حضرت ام الخیرؓ پر جلوہ فگن ہو گئیں۔ ان کا قلب بادۂ توحید سے سرشار ہو گیا اور آنکھیں نور ایمان سے منور ہو گئیں۔ گویا حضرت ام الخیرؓ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ آپ کے شرف اسلام کے متعلق ارباب تحقیق کی رائے ہے:۔ "انھا اسلمت قدیما" ترجمہ:۔ آپ نے شروع ہی میں اسلام قبول کیا۔

وفات:۔ حضرت ام الخیرؓ کا انتقال حضرت ابو قحافہؓ کی وفات سے پہلے ہوا۔

۲۵

حضرت معاذہؓ بنت عبداللہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت معاذہؓ بنت عبداللہ ایک نہایت عاقلہ و فاضلہ اور ذہین و فہیم خاتون تھیں۔

۲۔ آپ عزم و ثبات اور صبر و استقامت کا ایک ناقابل تسخیر مجسمہ تھیں۔ چنانچہ غلامی کے دنوں میں جب آپ عبداللہ بن ابی کے قبضہ میں تھیں۔ تو وہ ظالم اس خیال سے کہ مسلمان آپ کو چھڑانے آئیں گے۔ تو زر فدیہ کی کچھ رقم مل جائے گی۔ آپ پر بے حد جور و جفا اور ظلم و تشدد کرتا تھا۔ مگر آپ کے عزم و استقلال میں ذرا بھر بھی فرق نہ آیا۔

۳۔ آپ کے صبر و استقامت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ایک آیہ کریمہ نازل فرمائی۔

حضرت معاذہؓ بنت عبداللہ

نام ونسب: آپ کا اسم مبارک معاذہؓ ہے۔ آپ عبداللہ بن ابی سلول کی کنیز تھیں۔ مگر اسلام کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزادی عطا کی۔ آپ کا سلسلہ نسب مندرجہ ذیل ہے:۔

معاذہ بنت عبداللہ بن جریر الصغر بن ابن امیہ بن حدارہ بن حارث بن خزرج۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۷۸۸)

اسلام اور بیعت کا شرف: مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد جن عورتوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ان میں حضرت معاذہؓ بھی شامل تھیں۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۷۸۸)

نکاح اول: آپ کا نکاح اول سہل بن قرظہ سے ہوا تھا۔ مگر وہ جلد ہی انتقال کر گئے۔

نکاح ثانی: سہل بن قرظہ کے انتقال کرنے یا چھوڑ دینے کے بعد آپ کے ساتھ حمیر بن عدی نے عقد کیا۔ لیکن وہ بھی دیرپا ثابت نہ ہو سکا۔

نکاح ثالث: کچھ عرصہ کے بعد حمیر نے آپ کو طلاق دے دی تو آپ عامر بن عدی کے نکاح میں آ گئیں۔

اولاد: آپ کے پہلے شوہر سہل بن قرظہ کے صلب سے ایک لڑکا عبداللہ اور ایک لڑکی ام سعید پیدا ہوئی۔۔ دوسرے شوہر حمیر بن عدی کے صلب سے حارث اور عدی دو توام لڑکے اور ایک لڑکی ام سعد بنت

حمیر تولد ہوئے ۔ اور تیسرے شوہر عامر بن عدی کی یادگار صرف ایک لڑکی ام حبیب بنت عامر تھی ۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)

اوصاف و فضائل :۔ حضرت معاذہؓ کے اوصاف و فضائل کے بارے میں ارباب تحقیق کی رائے یہ ہے :۔

"کانت امرءۃ مسلمۃ فاضلۃ" ترجمہ :۔ وہ ایک فاضلہ مسلمان بیوی تھی ۔

سوانح حیات :۔ حضرت معاذہؓ مسلمان تو ہو چکی تھیں ۔ لیکن جب تک آزاد نہ ہوئیں ۔ اس وقت تک آپ عبداللہ بن ابی کے قبضہ میں رہیں ۔ اور وہ ظالم اس خیال سے کہ مسلمان چھڑانے کے لئے آئیں گے ۔ تو فدیہ میں کچھ رقم ہاتھ آ جائے گی ۔ آپ پر سخت جور و جفا اور ظلم و تشدد کرتا تھا ، آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں دیتا تھا ۔ لیکن حضرت معاذہؓ کے عزم و استقلال میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آتا تھا ۔

اللہ جل شانہ نے حضرت معاذہؓ کے بارے میں حسب ذیل آیہ کریمہ نازل فرمائی :۔ ولا تکرھوا فتیاتکم ترجمہ :۔

علی البغاء :۔ (سورۃ نور)

اور کفار کے پنجۂ استبداد سے رہا کیا (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۸۴)

وفات :۔ آپ کی وفات کی تاریخ کہیں سے بھی معلوم نہیں ہوتی ۔

۳۶

حضرت ربیعؓ بنت معوّذ بن عفراء

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱- حضرت ربیعؓ بنت معوذہ وہ مجاہدۂ اسلام تھیں۔ جنہوں نے اکثر جہادوں میں شرکت کی اور نبیٔ اکرم صلعم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ آپ ایسے موقعوں پر نہایت مستعدی اور تن دہی سے کام کرتی تھیں۔ مجاہدین کو پانی لا لا کر پلاتیں، ان کی خدمت کرتیں۔ اور اور مقتولین و مجروحین کو مدینہ منورہ لے جاتی تھیں۔

۲- جس طرح میدانِ کارزار میں آپ کی مجاہدانہ خدمتِ اسلام نہایت قابلِ قدر و تحسین تھی۔ اسی طرح علمی اعتبار سے بھی آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

۳- حضورؐ کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی۔ اور حضورؐ بھی اکثر آپ کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حضرت ربیعؓ بنت معوّذ بن عفراء

مجاہدۂ اسلام

نام ونسب:- آپ کا اسم مبارک ربیع ہے اور بنی خزرج کے قبیلہ نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے والد معوذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن نجار تھے اور والدہ محترمہ ام یزید تھیں۔ جو قیس بن زعورا بن حرام ابن جندب بن عامر بن غنم کی بیٹی تھیں۔ اس بنا پر آپ کا ننھیال چار پشتوں میں آپ کے ددھیال سے مل جاتا ہے۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے:

(طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۲۰)

نجار
مالک
غنم

مالک
سواد
حارث
رفاعہ
حارث

عامر
جندب
حرام
زعورا
قیس

باقی اگلے صفحے پر

معوذ　　　ام یزید
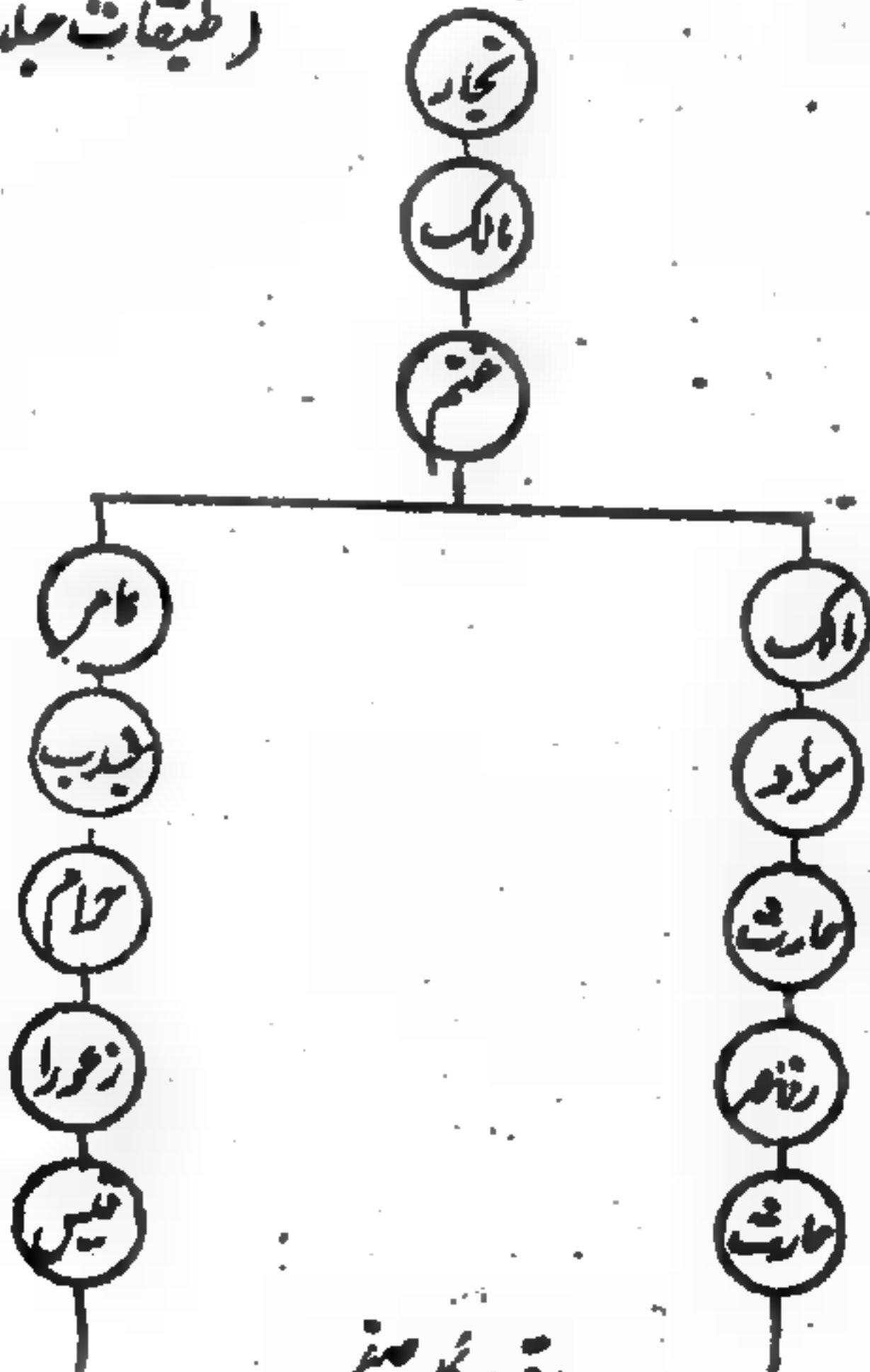
ربیعؓ

حضرت ربیعؓ اور آپ کے تمام بھائی اپنی دادی عفراء کی اولاد مشہور ہیں۔
(تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۴۱۸)

اسلام اور بیعت کا شرف:۔ آپ ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ اور آپ نے بیعت رضوان میں شرکت کی۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۵۲)

نکاح:۔ آپ کا نکاح ایاس بن بکیر لیثی سے ہوا۔ صبح کے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے۔ اس وقت لڑکیاں دف بجا بجا کر شہدائے بدر کی تعریف کے اشعار پڑھ رہی تھیں۔ اسی سلسلہ میں ایک لڑکی نے حضورؐ کی شان اقدس میں ذیل کا مصرعہ پڑھا:۔

وفینا نبی یعلم ما فی غد　　ترجمہ:۔ اور ہم میں وہ نبیؐ ہے جو کل کی خبر رکھتا ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۵۲)

حضورؐ نے فرمایا:۔

"یہ نہ کہو وہی پڑھو جو پہلے پڑھ رہی تھیں۔"

سوانح حیات:۔ حضرت ربیع نے اکثر جہادوں میں شرکت کی اور حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ ایسے مواقع پر آپ بڑی مستعدی اور تندہی سے کام کرتی تھیں۔ مجاہدین کو پانی پلاتیں، ان کی خدمت کرتیں اور مقتولین و مجروحین کو مدینہ منورہ لے جاتی تھیں۔ (اصابہ جلد ۴ صفحہ ۵۷۵)

واقعہ حدیبیہ میں آپ کی شرکت پوری صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ بیعت رضوان میں آپ کی شمولیت کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ آپ کا اپنے شوہر ایاس بن بکیر لیثی سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا جو بڑھ کر یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ نے ان سے کہا:۔

میرے پاس جتنی چیزیں ہیں سب مجھ سے لے لو اور دست بردار ہو جاؤ!

چنانچہ آپ کے پاس جو کچھ تھا۔ وہ سب دیدیا صرف ایک کرتہ باقی رکھا جو آپ نے پہنا ہوا تھا۔ آپ کے شوہر کو یہ ناگوار تھا۔ اس لئے انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ چونکہ شرط صحیح تھی۔ اور دعویٰ حق بجانب تھا۔ اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"تم کو شرط پوری کرنی چاہیئے!"

اور اس کے ساتھ ہی حضرت ربیعؓ کے شوہر سے فرمایا:۔

"اگر تم چاہو تو ان کے (بالوں کا) جوڑا باندھنے کی دھجی تک بھی تمہاری ہے۔"[1]

(طبقات جلد ۸ صفحہ ۳۲۸)

اخلاق و کردار: حضرت ربیعؓ کو آنحضرت صلعم سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ آپ دو طبا قوں میں چھوہارے اور انگور لے کر حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ تو حضورؐ نے اس کے بدلے میں زیور اور سونا عنایت فرمایا۔

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۵۲)

آنحضرت صلعم بھی اکثر آپ کے گھر تشریف لے جاتے تھے (مسند جلد ۶ صفحہ ۳۵۸)

---

[1] حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق یہ واقعہ ۳۵ ہجری کا ہے (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۵۵۵)

ایک مرتبہ حضور تشریف لائے اور وضو کے لئے پانی طلب فرمایا۔ تو آپ نے کھڑے ہو کر حضور کا وضو کرایا۔ (ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۴)

قریش کا قبائلی تعصب: حضرت ربیع کی مذہبی حمیت کا یہ عالم تھا کہ ابو ربیعہ مخزومی کی بیوی اسماء بنت مخربہ جو عطر بیچا کرتی تھی۔ ایک دفعہ چند عورتوں کے ہمراہ حضرت ربیع کے گھر آئی اور آپ کا نام و نسب دریافت کرنے لگی۔ تو آپ نے بتا دیا۔ چونکہ آپ کے والد نے ابوجہل کو معرکۂ بدر میں قتل کیا تھا اور اسماء قریشیہ تھی اس لئے کہنے لگی "تو تم ہمارے سردار ابوجہل کے قاتل کی بیٹی ہو"

آپ کو ابوجہل کے لئے سردار کی مناسبت بہت بری معلوم ہوئی اور آپ نے جواب دیا "سردار نہیں بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں"

اسماء کو ابوجہل کی یہ توہین ناگوار گزری۔ اور وہ جھنجھلا کر بولی "مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا بیچنا حرام ہے"

آپ نے برجستہ جواب دیا "مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے۔ کیونکہ تمہارے عطر کے سوا میں نے کسی عطر میں گندگی نہیں دیکھی" (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۵۲)

ابوعبیدہ بن محمد بن عمار ابن یاسر نے آپ سے آنحضرت صلعم کا حلیہ مبارک پوچھا تو آپ نے فرمایا:۔

"یا بنی لو رأیتہ لرأیت الشمس طالعۃ" ترجمہ:۔ بیٹا! اگر تم نے آپ کو دیکھا ہوتا۔ تو گویا آفتاب کو طلوع ہوتے دیکھا ہوتا۔

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۵۲)

اوصاف و فضائل:۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلعم سے اکیس احادیث بیان کی ہیں۔ اور جس طرح آپ کا مرتبہ علمی حیثیت سے بہت بلند ہے اسی طرح میدان جنگ میں آپ کی مجاہدانہ خدمت اسلام بھی کچھ کم قابل قدر نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ آپ سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ آپ کی بیان کی ہوئی احادیث کے راویوں میں جن حضرات کے اسمائے گرامی معلوم ہوئے۔ وہ حسب ذیل ہیں:۔

عائشہ بنت انس بن مالک، سلیمان بن یسار، ابو سلمہ بن عبدالرحمن نافع، عبادہ بن الولید، خالد بن ذکوان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۵۷۴)

اولاد:۔ آپ کی اولاد میں صرف محمد کا حال معلوم ہوتا ہے۔

وفات:۔ آپ کے سن وفات کے بارے میں تاریخ و سیر کی کتابیں خاموش ہیں۔

٣٧

حضرت اُمِ کلثوم بنت عقبہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۔ حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ نے پا پیادہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی اور بڑی ہمت و استقامت سے اپنی منزل کو پہنچیں۔
۲۔ آنحضرت صلعم نے قرآن پاک کی آیۂ کریمہ کے ماتحت حضرت ام کلثومؓ کو کفار مکہ کو واپس دینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ آپ مسلمان ہو چکی تھیں۔
۳۔ آپ بڑی سخت جان، بلند ہمت اور جفاکش خاتون تھیں اور آپ کی پاک بازی و پرہیزگاری کا نتیجہ تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے متعلق خاص طور سے آیت نازل کی۔
۴۔ آپ کو اسلام اور حضور نبی اکرمؐ سے بہت محبت تھی اور اسی محبت کے باعث آپ نے وطن اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی راہ لی۔

حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ

نام ونسب:- آپ کے اسم مبارک کتب سیر میں کوئی ذکر نہیں ملتا- آپ کی کنیت ام کلثوم ہے اور آپ کے والد کا نام عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی ہے- آپ کی والدہ محترمہ کا نام اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھا- حضرت عثمانؓ کی والدہ ماجدہ بھی اروی بنت کریز تھیں- اور اس رشتہ سے حضرت ام کلثومؓ حضرت عثمانؓ کی اخیافی ہمشیرہ ہوئیں (طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۶۷)

آپ کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے:-

قصی
عبد مناف
عبد شمس
حبیب
ربیعہ
کریز
اروی
عفان
امیہ
ابی عمرو
ابی معیط
عقبہ
عاص
سعید
خالد

(ام خالد ... زوجہ حضرت زبیرؓ — ولید — عمارہ — ام کلثومؓ — عثمان

عمروؓ — خالدؓ

زینب بنت — ابراہیم — حمید — محمد — اسماعیل
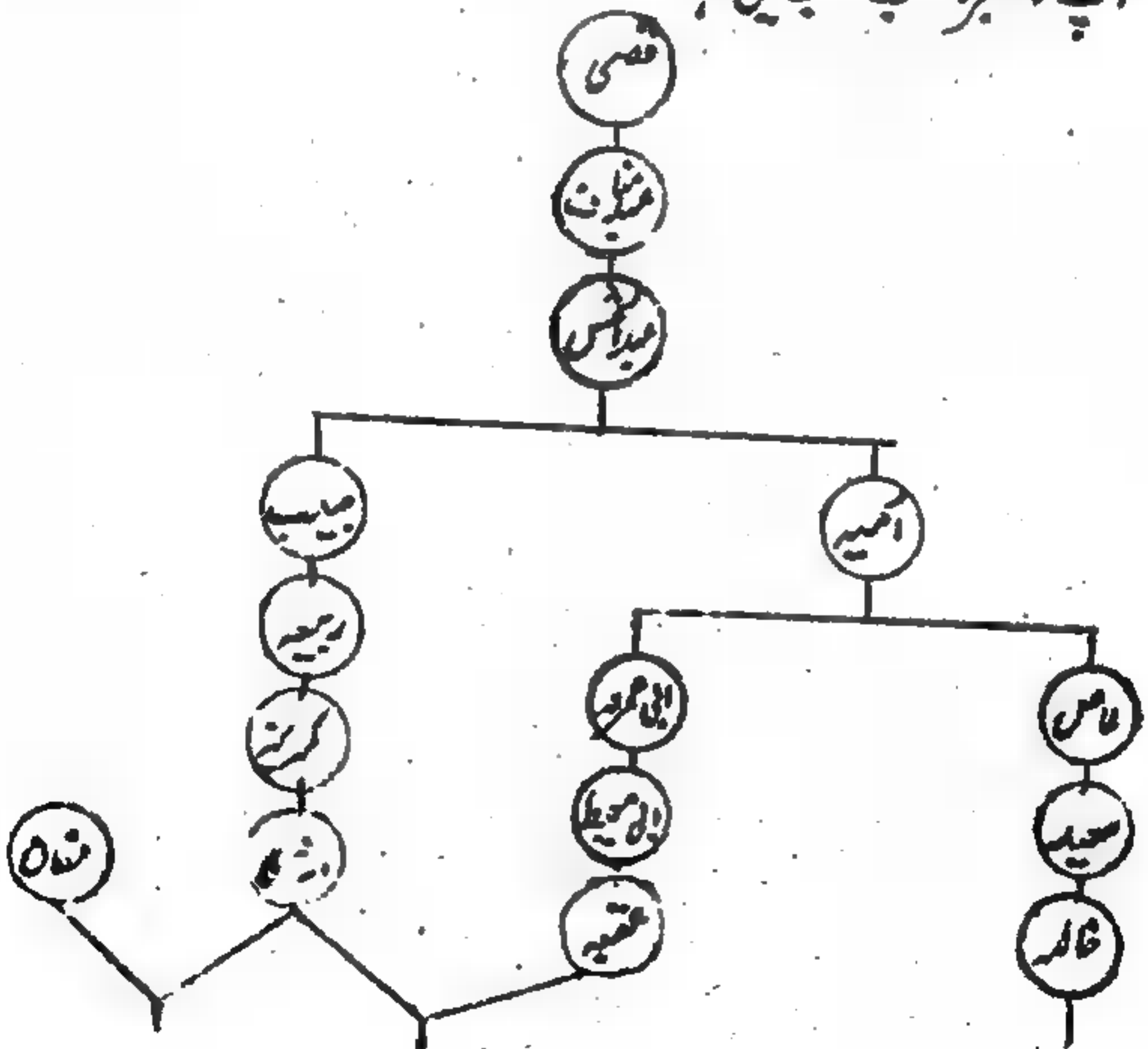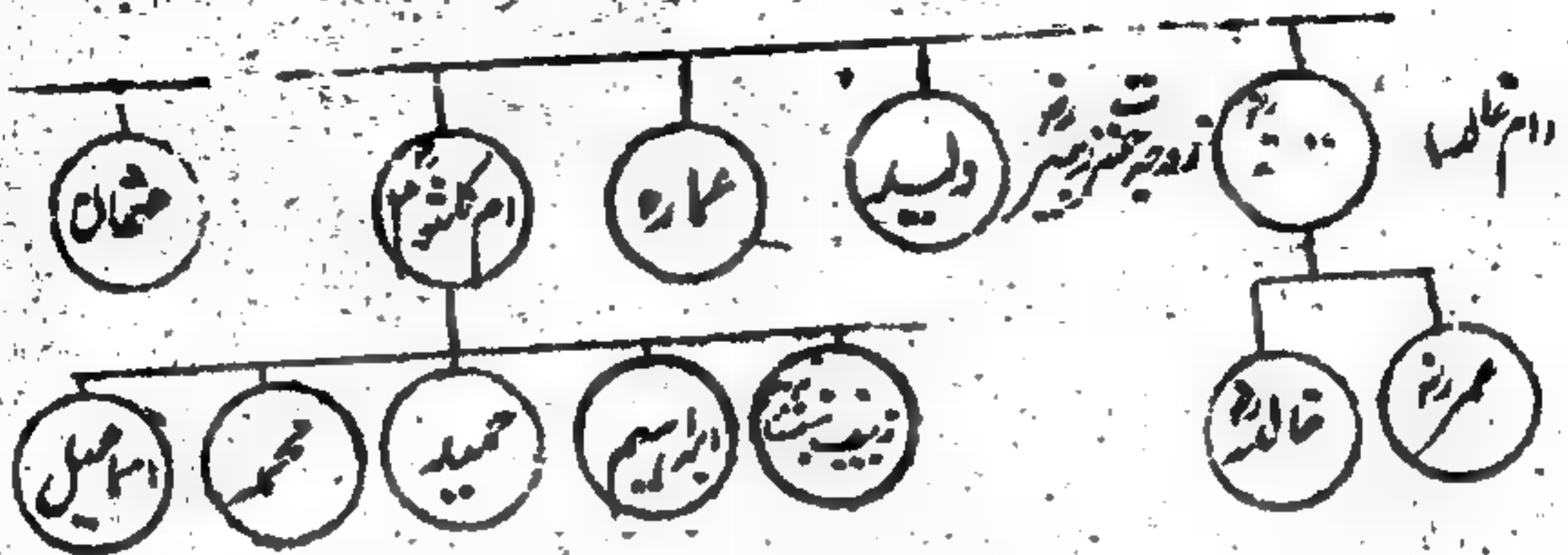
ابراہیم، حمید، محمد اسمعیل چاروں عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے تھے۔

اسلام اور ہجرت کا شرف:۔ آپ مکہ معظمہ میں اسلام سے مشرف ہوئیں۔ صلح حدیبیہ میں مشرکین سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگر قریش مکہ کا کوئی آدمی خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا یہی شرط اہل مدینہ کے لئے تھی۔ (طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۶۷)

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ نے صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور بنی خزاعہ کے قبیلہ کے ایک شخص کے ساتھ پا پیادہ چل کھڑی ہوئیں۔ ولید اور عمارہ آپ کے دو بھائی آپ کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ اور حضرت ام کلثومؓ کے مدینہ پہنچنے کے دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے۔ اور نبی اکرم صلعم سے کہا:۔

"ہماری شرط پوری کیجیے۔"

ادھر حضرت ام کلثومؓ نبی کریم صلعم سے فریادی ہوئیں۔

"یا رسول اللہ! میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ آپ مجھے کفار کو واپس نہ دے دیں۔"

چونکہ معاہدہ حدیبیہ میں عورتوں کے متعلق کوئی ذکر نہ تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے خصوصیت سے آپ کے لئے سورۃ الممتحنہ کی حسب ذیل آیت نازل فرمائی:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِھِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ۔ (سورہ الممتحنہ)

(ترجمہ) اے مومنو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کر لیا کرو سو اگر وہ مسلمان ثابت ہوں سو ان کو کفار کے حوالے نہ کرو۔ اس آیت کے ماتحت حضور نبی کریمؐ نے حضرت ام کلثومؓ کو واپس کرنے سے انکار فرما دیا (طبقات ج ۸ ص ۱۶۷)

نکاح اول:۔ جب آپ مدینہ پہنچیں اس وقت تک آپ کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ناکتخدا تھیں۔ مدینہ میں زیدؓ بن حارثہ بن شراحیل کلبی سے آپ کا نکاح ہوا۔

نکاح دوم:۔ غزوۂ موتہ میں حضرت زیدؓ شہید ہو گئے تو حضرت زبیرؓ بن عوام نے آپ سے نکاح کیا۔ لیکن حضرت زبیرؓ چونکہ بہت سخت مزاج تھے اس لئے نباہ نہ ہو سکا۔ اور مجبوراً انہوں نے حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دیدی۔

نکاح سوم:۔ حضرت زبیرؓ کے بعد آپ کا عقد عبدالرحمٰن بن عوف سے ہوا۔ مگر یہ بھی وفات پا گئے۔

نکاح چہارم:۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی وفات کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ سے آپ کا نکاح ہوا۔ اور ان کے پاس ایک ہی مہینہ رہنے پائی تھیں کہ مرض الموت کا حملہ ہوا اور چند دن اس میں مبتلا رہ کر انتقال کر گئیں[1]

---

[1] یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت عمرو بن عاصؓ مصر کے حاکم تھے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ (استیعاب جلد۲ صفحہ ۲۹۴)

اولاد:۔ حضرت زبیرؓ بن عوام کے صلب سے ایک لڑکی زینب اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے صلب سے چار لڑکے ابراہیم، حمید محمد اور اسمٰعیل پیدا ہوئے[1]

اوصاف و فضائل:۔ آپ سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ اور مندرجہ ذیل راوی خاص طور پر مشہور ہیں:۔

حمید ابن عبدالرحمٰن، حمید ابن نافع اور ابراہیم بن عبدالرحمٰن وغیرہ صحیحین اور سنن ثلثہ میں آپ کی احادیث موجود ہیں۔

(اصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۵۲)

---
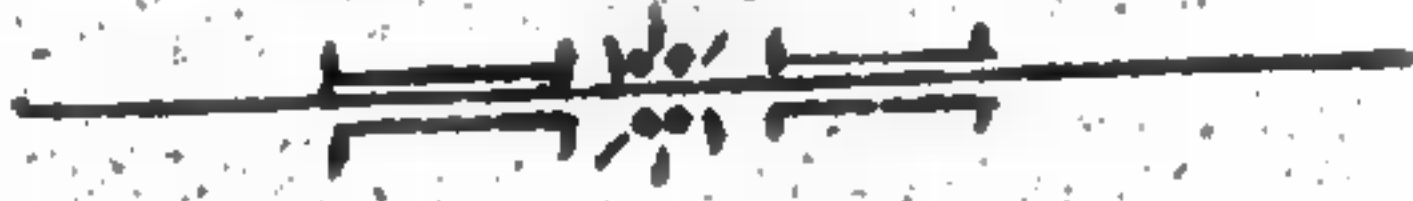
[1] حضرت زیدؓ اور حضرت عمروؓ بن عاص سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(۳۸)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

ربیبہ حضرت نبی اکرم صلعم

۱- كنت اذا ذكرت امرأةً فقيهةً بالمدينة ذكرت زينب بنت ابى سلمه

اصابہ جلد ۲ ص ۹۰۸

ترجمہ: جب میں نے مدینہ کی کسی فقیہہ عورت کا ذکر کیا تو حضرت زینبؓ بنت ابی سلمہ کو ضرور یاد کیا۔ (قول حضرت ابو رافعؓ)

۲- كانت من افقه نساء زمانها (استیعاب جلد ۲ ص ۷۵۶)

ترجمہ: وہ اپنے زمانے کی فقیہہ ترین خاتون تھیں۔ (قول علامہ ابن عبدالبر)

۳- حضرت زینبؓ فضل و کمال میں اپنی صنف کی ممتاز و منفرد بی بی تھیں۔ اور خدا نے انہیں علم و بصیرت کی بیکراں دولت عطا کی تھی۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ

نام ونسب: - آپ کا اسم گرامی زینب اور آپ کی والدۂ ماجدہ کا نام اُم سلمہ تھا۔ نسبی اعتبار سے آپ قبیلۂ مخزوم کی چشم و چراغ تھیں۔ اور شیر خوارگی کے عالم میں حضرت اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حضرت ابی بکرؓ نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے: -

مخزوم
عمر
عبداللہ

مغیرہ — ہلال
ابی امیہ — عبدالاسد
ام سلمہؓ — ابی سلمہؓ

زینب — درہ — عمر — سلمہ

(طبقات جلد ۸ ص ۳۳۵)
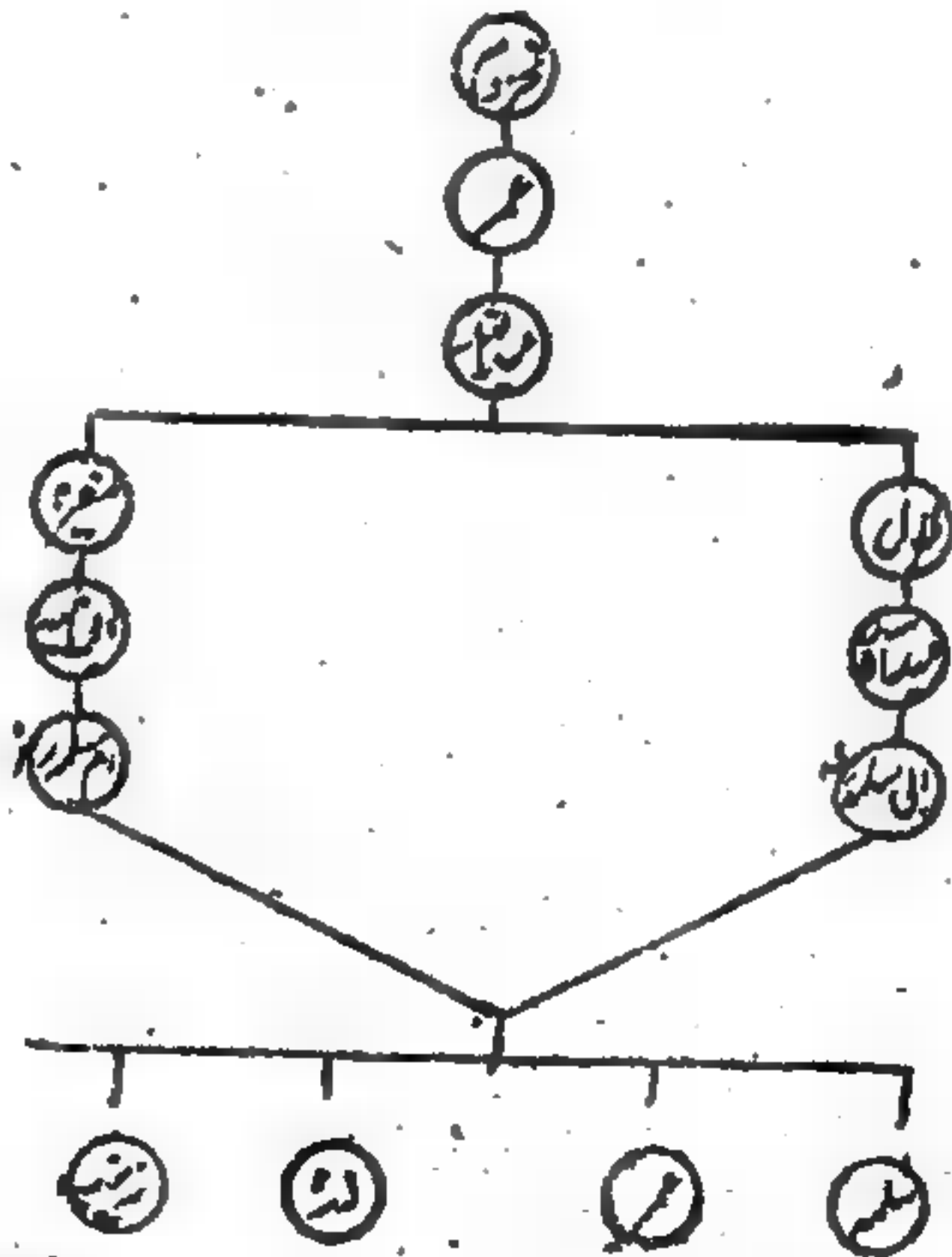
ولادت: - حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ حبشہ میں پیدا ہوئیں۔ اس وقت

تک آپ کے والد حضرت ابو سلمہؓ وفات پا چکے تھے۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۶۰۷)

عام حالات:۔ جس برس میں حضرت زینبؓ کے والد حضرت ابو سلمہؓ نے انتقال کیا۔ اسی سال میں آپ کی والدہ حضرت ام سلمہؓ عدت کے ایام گزارنے کے بعد سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد نکاح میں آ گئیں۔ حضرت زینبؓ اس زمانے میں شیر خوار تھیں۔ اس لئے آپ کو بھی اپنی والدۂ ماجدہ کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ شفقت میں آنے کا موقعہ مل گیا۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۶۰۱)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و شفقت عام لوگوں کے ساتھ بالعموم اور بچوں کے ساتھ بالخصوص ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور پھر حضرت زینب تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ربیبہ تھیں۔ اس لئے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الطاف و عنایات سے آپ کو بہرہ یاب ہونے کا جو فخر حاصل ہو سکتا تھا۔ اس کا کیا شمار کیا جا سکتا ہے؟ چنانچہ حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب کے ساتھ خاص اُنس و محبت رکھتے تھے۔ اور بار ہا ایسا بھی ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل کرنے میں مصروف ہوتے تھے۔ اور حضرت زینبؓ آ جاتی تھیں۔ تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالا کرتے تھے۔ اور یہ اسی مقدس پانی کی برکت تھی۔ کہ حضرت زینبؓ کو کبر سنی کے عالم میں بھی بڑھاپے کی جھریوں اور بدنمائیوں سے محفوظ

رکھا اور آپ کے چہرۂ مبارک پر شباب کی رنگت دم واپسیں تک بدستور جھلکتی رہی۔ (اصابہ جلد ۲ صـ ۶۶۹)

نکاح:- سن بلوغ کو پہنچنے پر حضرت زینبؓ کا نکاح عبداللہ بن زمعہ بن اسود سے ہوا۔

فضائل و کمالات:- حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خداوند کریم نے جو فضائل و کمالات عطا فرمائے تھے۔ اُن کے لحاظ سے آپ اپنی صنف کی ممتاز و منفرد خاتون تھیں۔ جیسا کہ ابو رافع رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل قول سے ظاہر ہے۔

کنت اذا ذکرت امرأۃ فقیہۃ بالمدینۃ ذکرت زینب بنت ابی سلمہؓ"

ترجمہ:- جب بھی میں نے مدینہ کی کسی فقیہہ عورت کا ذکر کیا تو زینب بنت ابی سلمہ کو ضرور یاد کیا

اسی طرح علامہ ابن عبدالبر اپنی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں:-

کانت من افقہ نساء زمانہا

ترجمہ:- آپ اپنے زمانے کی فقیہہ ترین بی بی تھیں" استیعاب جلد ۲ صـ ۷۵۶)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے چند ایسی احادیث بھی روایت کی ہیں جو آپ نے براہ راست حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے سنیں اور حضرت اُم سلمہؓ، حضرت اُم حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ سے بھی آپ نے کچھ احادیث کی سماعت کی۔ جن حضرات

نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی روایت کے سلسلہ سے احادیث بیان فرمائی ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

ابو عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ، محمد بن عطا، عراک بن مالک حمید بن نافع، عروہ بن زبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، امام زین العابدین رضوان علیہم اجمعین۔

اولاد:۔ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نو اولادیں ہوئیں جن میں سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ آپ کے لڑکوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

عبدالرحمٰن، یزید، وہب، ابوسلمہ، کبیر۔

اور لڑکیوں کے نام یہ ہیں:۔

قریبہ، ام کلثوم، ام سلمہ (طبقات جلد ۸ ص ۳۳۵)

سیر الصحابیات اعظم گڑھ میں صرف دو لڑکے حضرت زینبؓ کی اولاد میں بتائے گئے ہیں۔ حالانکہ دو لڑکوں کی شہادت کا ذکر آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اس میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ورنہ طبقات میں حضرت زینبؓ کی اولاد کی تعداد پوری صراحت کے ساتھ ذکر ہے۔ اور اسد الغابہ میں بھی اجمالی طور پر اولاد کا ہونا بتا کر دو لڑکوں کی شہادت کا ذکر پایا جاتا ہے۔ (صحابیات ص ۲۲۱)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دو لڑکے حرہ کی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔ اور جب ان کی نعشیں آپ کے سامنے لائی گئیں۔ تو آپ

نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر فرمایا:۔
مجھ پر بڑی بھاری مصیبت پڑی۔ ایک تو سر میدان لڑ کر جام
شہادت نوش کیا۔ مگر دوسرا تو خانہ نشین تھا۔ وہ گھر ہی میں
بے بس کر کے مارا گیا" (استیعاب جلد ۲ صـ۷۵۶)

ان دونوں بیٹوں کی شہادت کے بعد حضرت زینب رضی اللہ
وفات:۔ عنہا دس برس سے زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں۔ اور
سـ۷۳ھ میں آپ نے اس دنیائے ناپائدار سے عالم جاودانی کی طرف
کوچ کیا۔

آپ کی وفات کا المناک حادثہ اس زمانے میں رونما ہوا جب مدینہ منورہ
پر طارق کی حکومت تھی۔ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کو
جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اور حضرت طارق رضی اللہ عنہ نے بھی
آپ کے جنازے میں شرکت کی (طبقات جلد ۸ صـ۳۳۸)

اس حقیقت پر قریب قریب تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے۔ کہ
قدرت کاملہ کی طرف سے جن مقدس خواتین کو فقیہہ کا منصب جلیلہ حاصل
ہوا ان میں حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا درجہ
فضیلت خاص طور سے ممتاز و بلند تھا۔ اور اس کا سب سے بڑا اور بیّن
ثبوت حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ملتا ہے۔ جو "اصابہ"
کے حوالے سے سطور بالا میں نقل کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں علامہ ابن عبد البر
کی شہادت بھی اس بارے میں نہایت مستند اور ناقابل تردید ہے۔ جس

میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی فقیہانہ عظمت کا صاف لفظوں میں اعتراف کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ آپ اپنے زمانے کی بہت ہی بلندپایہ فقیہہ خاتون تھیں۔ ان معتمد ترین شہادتوں کی بنا پر حضرت زینبؓ کا مقام جس قدر ارفع و اعلیٰ تھا۔ اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور آپ کے اسی مقام کی رفعت کا نتیجہ تھا۔ کہ آپ کی سنی ہوئی احادیث ان بزرگوں سے روایت ہوئی ہیں۔ جو ہر طبقہ و خیال کے ارباب علم و دانش کے نزدیک قابل احترام و اعتماد ہیں۔ اور جن کی روایات ہمیشہ ہی سے ہر قسم کے شکوک و شبہات سے منزہ تصور کی گئی ہیں۔

---

(۳۹)

حضرت ام الدرداء

رضی اللہ تعالٰی عنہا

۱- كانت من فضلاء النساء وعقلائهن وذوات الرای منهن مع العبادة والنسک

(استیعاب جلد ۲ ص ۷۹۱)

ترجمہ:- وہ نہایت عاقلہ، فاضلہ، صاحب الرائے اور عبادت گزار و پرہیزگار تھیں (حافظ علامہ ابن البر)

۲- حضرت ام الدرداء نے جو احادیث روایت کی ہیں۔ وہ جمہور مسلمین کے نزدیک مستند و موثق ہیں۔

حضرت ام الدرداءؓ

نام و نسب:- امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ کے نزدیک آپ کا اسم گرامی خیرہ تھا۔ جیسا کہ ان دونوں بزرگوں نے تحریر فرمایا ہے اور ابو حدرد اسلمی کی صاحبزادی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ام الدرداء کے نام کی دو خواتین ہیں۔ اور وہ دونوں حضرت ابو درداءؓ کے نکاح میں تھیں۔ ان میں سے ایک جو بڑی تھیں وہ ایک مشہور صحابیہ تھیں۔
(استیعاب جلد ۲ ص ۷۹۱)

فضائل و کمالات:- حافظ علامہ ابن عبدالبر نے اپنی مشہور تصنیف "استیعاب" میں لکھا ہے:-

كانت من فضلاء النساء وعقلائهن و ذوات الرای منهن مع العبادة والنسك۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۷۹۱)

ترجمہ:- وہ نہایت عاقلہ، فاضلہ، صائب الرائ اور عبادت گزار و پرہیزگار تھیں۔

حضرت ام الدرداءؓ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اپنے شوہر حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند احادیث بھی روایت کی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے شاگرد میمون بن مہران ایسے دیانتدار راوی تھے۔ جن کی سماعت پر سب لوگوں کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے "استیعاب" میں بعض ایسے راویوں کے بھی اسمائے گرامی

درج کئے ہیں۔ جن کی صحت و صداقت کے بارے میں مختلف قسم کے شکوک پائے جاتے ہیں۔ اور ان شکوک کی بنیادی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ان راویوں میں سے کسی نے بھی حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کا زمانہ نہیں پایا۔ اس لئے ان کی صحت لازماً مشکوک ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ام الدرداء کی روایات بڑی مستند اور موثق ہیں۔ جن کے بارے میں شک و شبہ کے تصور کی بھی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وفات:۔ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی وفات سے دو سال پہلے انتقال کیا۔ اور یہ زمانہ وہ تھا جب خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر جلوہ فرما تھے۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۷۹۱)

---

(۴۰)

حضرت حمنہ بنت جحش

رضی اللہ عنہا

ہمشیرہ ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش

۱- حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کا شمار ان جاں نثار مہاجرات میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے رحمت عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی محبت میں اپنے گھر بار، مال و منال اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر حضورؐ کے ساتھ ہجرت کا شرف حاصل کیا۔

۲- آپ کی عظمت و تقدیس کا ایک روشن ثبوت یہ ہے کہ آپ رشتہ میں آنحضرت صلعم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

۳- آپ نے جنگ احد میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:۔ آپ کا اسم گرامی حمنہ رضی اللہ عنہا اور خاندان اسدیہ سے جو اسد بن خزیمہ کے نام سے منسوب ہے نسبی تعلق رکھتی تھیں۔ آپ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی ہمشیرہ اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔
(اسد الغابہ جلد ۵ ص۴۲۸)

حضرت حمنہ رض کا سلسلہ نسب یہ ہے:۔

"حمنہ رض بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ"

آپ کی والدہ کا اسم گرامی امیمہ تھا۔ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دادا عبد المطلب کی بیٹی اور حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔ اس رشتہ کے لحاظ سے حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن ہوئیں (طبقات جلد ۸ ص۱۷۱)

پہلا نکاح: حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت مصعب بن عمیر رض سے ہوا تھا۔

اسلام اور ہجرت: آپ اپنے شوہر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ

عنہا کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں - اور مہاجرات میں بھی آپ کو خاص مقام حاصل تھا -

مجاہدانہ خدمات :- حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے جنگ اُحد میں بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام تک پہنچا کر کہ خواتین اسلام میں وہ بلند و بالا رتبہ حاصل کیا جو تاریخ اسلام کے ایک سنہری باب کی حیثیت رکھتا تھا - آپ شیر دل مجاہدوں کی طرح میدان جنگ میں سپاہیوں کو پانی پلائیں، زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کرتیں اور انہیں اپنے گھروں تک پہنچانے کی خدمات انجام دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں -

دوسرا نکاح :- جنگ احد میں حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت مصعب بن عمیرؓ شہید ہو گئے - تو ان کے بعد حضرت طلحہؓ سے آپ کا نکاح ہوا - یہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وہی صحابی ہیں - جن کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی - اور اس خصوصیت کی وجہ پر حضرت طلحہؓ خاص رتبہ کے مالک تھے -

حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا افک کے مشہور واقعہ میں بھی شریک تھیں چنانچہ گزشتہ اوراق میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات میں آپ کا ذکر بھی آچکا ہے - جو وہاں ضمنی تذکرہ کے طور پر درج ہوا ہے -

فضائل وکمالات:۔ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند احادیث مروی ہیں جن کی آپ سے روایت کرنے والے آپ کے فرزند عمران بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کا شمار اُن جانثار اور اولوالعزم مہاجرات میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے رحمتہ اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی محبت میں اپنے گھربار، مال ومنال اور اپنے عزیز واقارب کو چھوڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کی خاندانی عظمت وتقدیس کا ایک روشن ترین ثبوت یہ ہے کہ آپ رشتہ میں سرکار دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اسلام پیغمبر صلی اللہ علیہ سلم اور فرزندان اسلام کی فلاح وبہبود اور ترقی وکامرانی کا آپ کے دل میں نہایت گہرا درد واحساس تھا۔ اور ان مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی راہ میں آپ کسی قسم کی جانی ومالی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپ ہر لحظہ تلاش وجستجو میں رہتی تھیں۔ جب کہ آپ کو کسی نہ کسی صورت میں اسلام اور حضرت رسول کریم فداہ امی وابی کی بے لوث خدمت اور امت مسلمہ کی فراخ دلانہ امداد کرنے کی سعادت حاصل ہو۔ اور آپ اپنے خلوص وایثار کا قابل قدر ثبوت پیش کرنے میں دیگر تمام وفادار خواتین اسلام پر سبقت لے جانے کی کوشش فرمائیں۔

اولاد: ۔اسلام کے مشہور و معروف مورخ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی بھی اولاد ہوئی تھی ۔ لیکن دیگر کتب سیر میں صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے صلب سے آپ کے ہاں دو لڑکوں کا ذکر آیا ہے جن میں سے ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام عمران لکھا ہے ۔جس بیٹے کا نام محمد تھا وہ عام طور پر سجاد کے لقب سے مشہور تھا ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۸۵)

وفات: ۔حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بارے میں صحیح تاریخ اور سن کسی تاریخ یا تذکرہ سے دستیاب نہیں ہو سکا ۔اور بعض مورخین نے اس کے متعلق کچھ لکھا بھی ہے تو ان کی تحریروں کا ایک دوسری سے اتنا بڑا اختلاف ہے کہ ان میں سے کوئی بھی صحت پر مبنی معلوم نہیں ہوتی ۔چنانچہ اس اختلاف کی وجہ سے کسی بھی قطعی اور نتیجہ خیز فیصلہ تک پہنچنا قریب قریب ناممکن ہے۔

(۶۱)
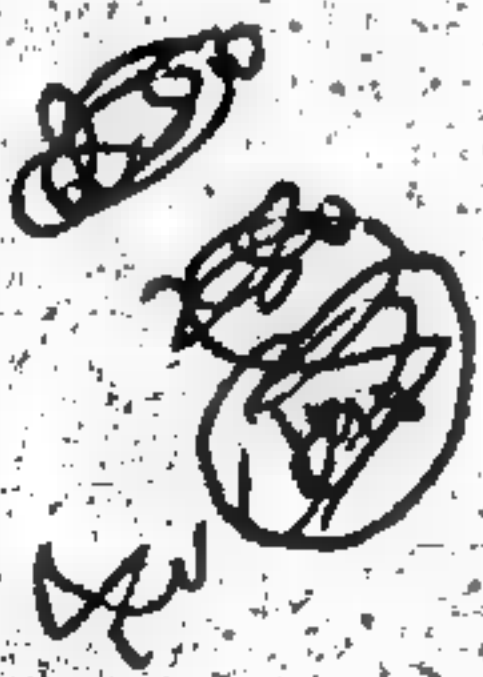
حضرت ام حکیم بنت حارث

رضی اللہ عنہا

حضرت خالدؓ بن ولید کی بھانجی

۱۔ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا جنگ اُحد میں کفر کی حالت میں شریک ہوئی تھیں۔ لیکن جب مسلمانوں نے مکہ کو فتح کیا تو آپ مسلمان ہو گئیں۔
۲۔ آپ نے اپنے شوہر عکرمہ کو اپنے ساتھ یمن سے واپس لاکر مشرف بہ اسلام کیا۔
۳۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب مسلمانوں کے ساتھ رومیوں کی جنگ ہوئی تو آپ نے بڑی جرأت و شجاعت سے اسلامی لشکر کی خدمت انجام دی۔

حضرت اُمّ حکیم

نام و نسب: حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا کے اسم مبارک کے بارے میں تذکرہ و سیرت کی اکثر و بیشتر کتابیں قریب قریب خاموش ہیں اور رسائل میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ بعض کتب سیر سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی کنیت ام حکیم تھی۔

آپ نسبی لحاظ سے قریش کے مشہور و معزز قبیلہ مخزوم کی چشم و چراغ تھیں۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت الولید بن المغیرہ تھا جو حضرت خالد بن ولید کی ہمشیرہ تھیں۔ اس لئے حضرت ام حکیم حضرت خالد سیف اللہ کی بھانجی ہوتی تھیں۔ آپ کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:۔

مخزوم

عمر

عبداللہ

مغیرہ

ولید — ہشام

خالد — فاطمہ — حارث — ابوجہل

باقی اگلے صفحہ پر

عکرمہ — ام حکیم

فاطمہ — خالد
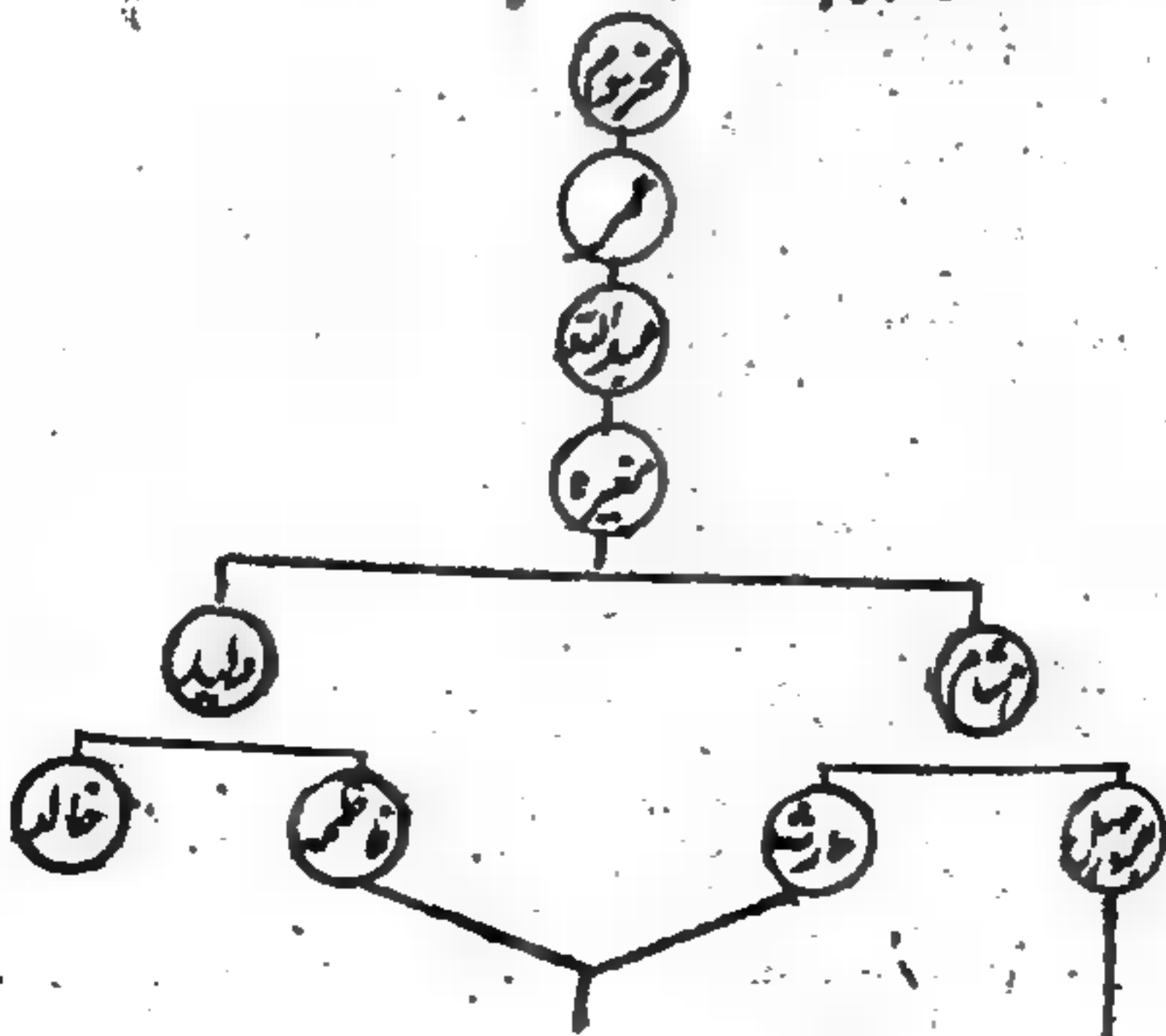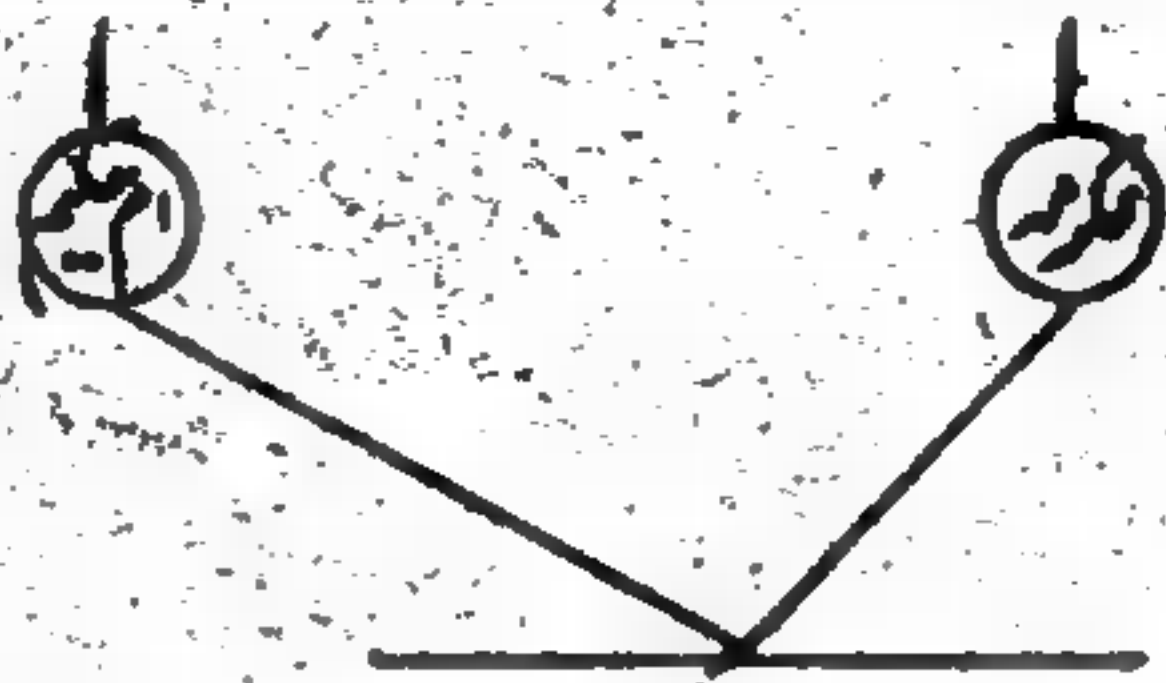
قبول اسلام:- حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے جنگ اُحد میں اکف
حالت میں شرکت کی۔ لیکن خدا تعالیٰ کے فضل وکر
سے جب مسلمان مکہ معظمہ کو فتح کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے تو آپ
دولت اسلام سے مالا مال ہو گئیں۔ (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۹۰)

آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت ولید نے بھی ان کے ساتھ ہی اسلام
کر لیا (طبقات جلد ۸ ص ۱۹۱)

پہلا نکاح:- حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا کا نکاح پہلے عکرمہ بن ابو جہ
سے ہوا تھا۔ عکرمہ آپ کے چچا کے بیٹے تھے۔ جیسا
مندرجہ بالا شجرۂ نسب سے ظاہر ہے۔

حالاتِ زندگی:- حضرت ام حکیم رض کے شوہر عکرمہ بن ابو جہل اُس
وقت تک شرک کے مدعی تھے۔ جب حضر
ام حکیم رض دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ وہ اپنے باپ ابو جہل کی طر
اسلام سے سخت نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جب اسلا
کا رعب و داب بڑھنا شروع ہوا تو عکرمہ یہ دیکھ کر اپنی جان بچا
کے لئے یمن کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ جہاں وہ اپنے آپ کو سلام

اور مسلمانوں کے خطرہ سے پورے طور پر محفوظ تصور کرتے تھے۔ لیکن حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا کو چونکہ اپنے شوہر سے بے پناہ محبت تھی اور آپ نہیں چاہتی تھیں کہ انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے مشرک و گمراہ دیکھیں۔ اس لئے آپ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عکرمہ کے لئے امن و عفو کی درخواست کی۔ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ام حکیمؓ کی عاجزانہ درخواست پر عکرمہ کو معاف فرما دیا تو حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا اسی وقت یمن کو تشریف لے گئیں۔ اور عکرمہ کو اپنے ہمراہ واپس لاکر شرف اسلام سے بہرہ ور کرایا۔ گویا اس طرح آپ نے اپنے شوہر کو شرک و گمراہی کے غاروں سے نکال کر دین حق کی صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا سنہری موقعہ بہم پہنچایا۔ جو ایک عظیم کارنامہ سے کم نہیں تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد عکرمہ نے انتہائی خلوص قلب اور سچے جوش و خروش کے ساتھ غزوات میں شریک ہو کر اپنے سابقہ گناہوں اور گزشتہ گمراہیوں کا کفارہ ادا کیا۔ اور اپنی پہلی خطاؤں کی خاطر خواہ طور پر تلافی کر دی جو سابقہ زندگی میں ان سے سرزد ہوئی تھیں۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب مسلمانوں کی رومیوں کے ساتھ جنگ ہوئی۔ تو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا دونوں میاں بیوی نے اس لڑائی میں شرکت کی۔ اور اجنادین کے معرکہ میں حضرت عکرمہؓ نے بڑی دلیری سے لڑتے

ہوئے جام شہادت نوش کیا جس کی وجہ سے حضرت ام حکیم رضی اللہ تعا
عنہا بیوہ ہو گئیں۔

نکاح ثانی: جب عدت کی مقررہ مدت گزر گئی تو بہت سے اشخاص
حضرت ام حکیمؓ کو نکاح کے پیغامات ارسال کئے۔ یہ پیغا
بھیجنے والوں میں یزید بن ابی سفیان یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے
بھائی بھی شامل تھے۔ کیونکہ ان کی بھی یہ خواہش تھی۔ کہ حضرت ام
سے نکاح کریں۔ اسی طرح اور بھی کئی آدمی ایسے تھے جو آپ سے نکاح
کے آرزومند تھے۔ مگر آپ نے سب کو جواب دے دیا۔ اور کسی شخص کے
ساتھ بھی نکاح کرنے پر رضامندی کا اظہار نہ فرمایا۔ البتہ پیغام د
والے تمام اصحاب کے زمرہ میں سے صرف خالد بن سعید بن العاص
امیہ ایسے شخص تھے۔ جن سے نکاح کرنے پر حضرت ام حکیمؓ نے
آمادگی ظاہر فرمائی اور چار سو دینار کے حق مہر پر اس سے فراغت
کی مگر رخصتی کی رسم ادا ہونا ابھی باقی تھی۔ کہ رومیوں کی طرف سے حملہ
سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ خالد بن سعید حضرت عثمان کے قریبی

عبد الشمس بن عبد مناف

سعید — خالد
امیہ — عاص
حبیب — ربیعہ
کریز — اروی
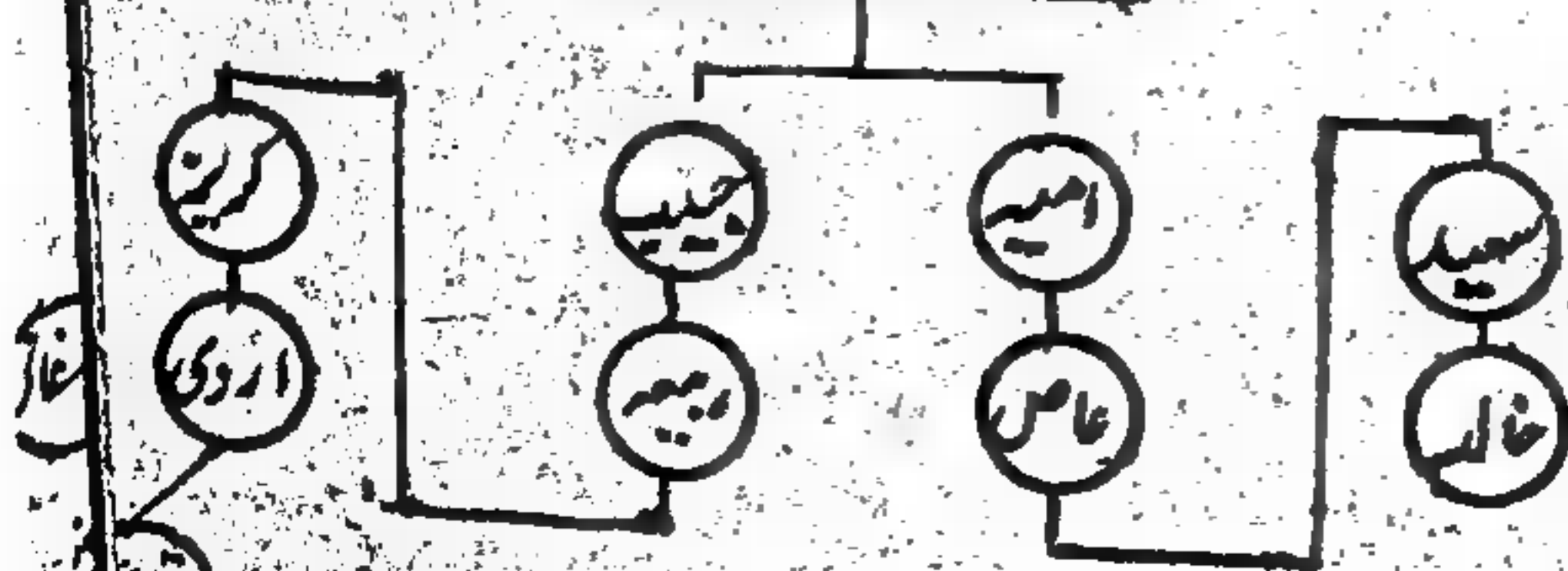
رومی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کی غرض سے جب مسلمان مرج الصفر میں
پہنچے تو حضرت خالد بن سعید نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس مقام پر رخصتی کی
رسم سے فراغت حاصل کر لی جائے تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن حضرت
ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر ان کی رائے سے اختلاف ظاہر کرتے
ہوئے فرمایا کہ ابھی کچھ عرصہ اور توقف کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ جلد بازی
ہمارے واسطے کوئی ناخوشگوار نتیجہ پیدا کرنے کا باعث بن جائے۔ اس
لئے مزید تاخیر کرنا ہی قرین مصلحت ہوگا مگر حضرت خالد بن سعید رضی
اللہ عنہ چونکہ اس رسم کی تکمیل کے لیئے پورے طور پر آمادہ ہو چکے
تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت ام حکیم کی رائے کو تسلیم نہ کیا۔ اور فرمایا
کہ اب تاخیر و توقف ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ خاص طور پر اس لئے کہ مجھے
اس معرکہ میں اپنی شہادت کا قوی یقین ہے۔ اگر اب یہ رسم ادا نہ کی گئی
تو میری شہادت کے بعد اس رسم کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔ اور یہ
ممکن ہے کہ میں شہید ہو جاؤں اور پھر یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔ اس لئے
یہی بہتر ہے کہ رخصتی کی رسم یہاں ادا کر لی جائے۔ اور مستقبل کے خطرات
کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں ذرا بھی تاخیر روا نہ رکھی جائے۔

حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے حضرت خالدؓ کی زبان سے
شہادت کی بات سنی تو آپ بالکل خاموش ہو گئیں۔ اور ایک لفظ
بھی زبان سے نہ نکالا۔ چونکہ آپ کی اس خاموشی کا مطلب نیم رضا کے
بغیر کچھ نہ تھا۔ اس لئے ایک پل کے پاس جس کو اسی تقریب کی مناسبت

سے قسطرہ اُم حکیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ حضرت ام حکیم رض کی رخصتی کی
ادا ہوئی تھیں کے بعد صبح کو دعوت ولیمہ سے فارغ ہونے پائے تھے
رومی اپنا لاؤ لشکر لے کر سر پہ آگئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مسلمانوں نے جیسے
بھی ممکن ہو سکا جلدی جلدی تیاری کی اور مدافعانہ جنگ کیلئے دشمن کے مقا
میں سینہ سپر ہو گئے۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ بھی اٹھے اور شیر
کی طرح گرجتے اور للکارتے ہوئے دشمن کی صفوں کو تہ و بالا کرنے لگے
کہ اسی طرح نہایت بہادری و مردانگی سے لڑتے ہوئے آخر کار شہید ہو گئے۔
حضرت ام حکیم رض اگرچہ عروس تھیں اور لباس عروسی آپ نے زیب
کر رکھا تھا۔ لیکن شوہر کی شہادت دیکھ کر رہ نہ سکیں۔ چنانچہ اپنے کپڑے
باندھ کر ایک خیمہ کی چوب اٹھا لی اور کفار کا دندان شکن مقابلہ کیا۔
نے لکھا ہے کہ حضرت ام حکیم نے اسی چوب سے سات کافروں کو جہنم واصل

وفات: حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات کے بارے
تاریخ و سیر کی تمام کتابیں خاموش اور خالی ہیں۔ اس
آپ کی تاریخ وفات اور دیگر حالات تاریکی میں ہیں۔

(استیعاب جلد ۲ صد ۹۰)
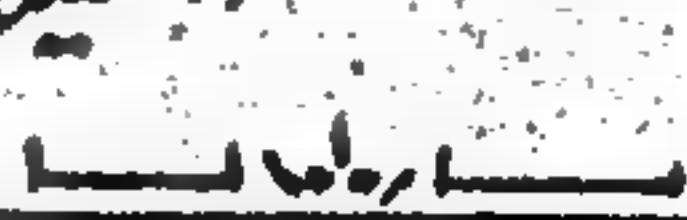
(۴۲)
حضرت اُمِ ابی ہریرہ
رضی اللہ عنہا

۱۔ حضرت اُم ابی ہریرہؓ کی شان و عظمت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ کے آغوش عاطفت اور فیض تربیت سے حضرت ابوہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو پروان چڑھایا۔

۲۔ آپ وہ خوش قسمت خاتون تھیں۔ جن کے قبول اسلام کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائی۔ اور اس سے آپ کے عقیدہ میں دفعتاً ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔

۳۔ حضرت اُم ابی ہریرہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگہٰ التفات کی بدولت مشرکانہ عقاید چھوڑ کر راہ حق پر گامزن ہونے کی توفیق حاصل ہوئی۔

حضرت اُم ابی ہریرہ

نام ونسب: حضرت اُم ابی ہریرہ رضی اللہ عنہا کا اسم مبارک امیمہ
تھا۔ اور کنیت اُم ابی ہریرہ تھی۔ آپ کے والد صبیح یا صفیح بن
الحارث تھے۔

قبولِ اسلام: آپ کے بیٹے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نہ صرف
یہ کہ مدت سے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ بلکہ
بارگاہ نبوت کے خدام خاص کے جلیل القدر منصب پر فائز تھے۔ لیکن حضرت
ابوہریرہ رضؓ کی والدہ ماجدہ امیمہ ابھی تک اسلام قبول نہیں کر سکی تھیں
اور دین حق کے برخلاف سخت مشرکانہ عقاید رکھتی تھیں۔ حضرت
ابوہریرہؓ کے لئے یہ بات سوہان روح بنی ہوئی تھی۔ اور اس خیال سے
انہیں انتہائی رنج وقلق محسوس ہوتا تھا۔ کہ آپ خود تو مسلمان ہیں
مگر آپ کی والدہ صراط مستقیم کی ہدایت سے محروم ہیں۔ چنانچہ آپ
صدق دل سے اس بات کے خواہش مند تھے۔ کہ آپ کی والدہ بھی اسلام
کے فیض سرمدی سے بہرہ یاب ہو جائیں۔

چونکہ ام ابی ہریرہ کے خیالات پر کفر وشرک کی تاریکی مسلط ہو چکی تھی اور
وہ اسلام سے عام طور پر بیزار اور متنفر رہتی تھیں۔ اس لئے ایک
مرتبہ انہوں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس

میں گستاخی کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ کو اپنی والدہ کی گستاخی سخت ناگوار گزری۔ آپ روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت مقدسہ میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا:۔

"یا رسول اللہؐ! اب میری والدہ کے لئے مسلمان ہونے کی دعا فرمایئے"

حضور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی التجا کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی۔ ایک طرف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دعا فرما رہے تھے۔ اور دوسری طرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ مکرمہ کے عقاید و خیالات میں ساتھ ہی ساتھ دفعتاً انقلاب رونما ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ ادھر نبیؐ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا پایہ اختتام کو پہنچی اور اُدھر اُم ابی ہریرہ کی ماہیت قلب ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے فی الفور اُٹھ کر غسل کیا، کپڑے تبدیل کئے اور اپنے بیٹے حضرت ابوہریرہؓ کے سامنے کلمہ طیبہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ والدہ ماجدہ کے اس قلب ماہیت پر حضرت ابوہریرہؓ کو اتنی خوشی ہوئی کہ فرطِ مسرت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے بعد آپ نے حضور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس انقلابیہ واقعہ کی اطلاع عرض کی۔ جس کو سنکر آنحضرت صلعم خدا کا شکر بجا لائے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۷)

اولاد: حضرت ام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خاص طور پر بہت بڑی شہرت رکھتے تھے۔ اور بڑے بھاری رتبہ و اعزاز کے مالک تھے۔

وفات: حضرت اُم ابو ہریرہؓ کی وفات کا حال تاریخ و سیر کی کتابوں میں کہیں نہیں ملتا۔ اس لئے یہ حالات پردہ اخفاء میں ہیں۔

(۴۳)
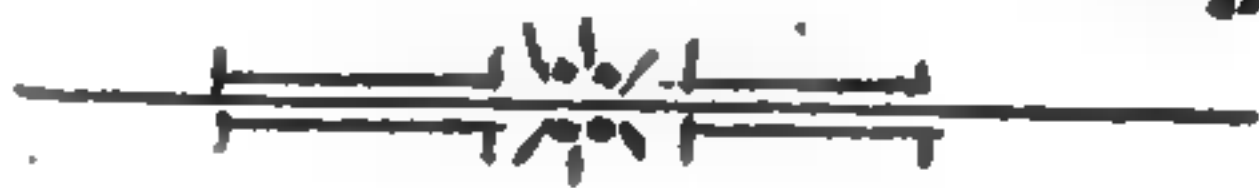
حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید

رضی اللہ عنہا

۱- حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا ان سعادت مند خواتین میں سے تھیں جنہوں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں نجاشی شاہ حبشہ کا سلام پہنچایا۔

۲- آپ بڑی ذہین، فہمیدہ اور دانشمند خاتون تھیں اور آپ عقلمندی کی بدولت سب لوگ عزت واحترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

۳- آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو احادیث بیان کی ہیں وہ نہایت ثقہ اور مستند ہیں۔ اس لئے اُن کے راوی بھی بہت معتمد و موثق تسلیم کئے جاتے ہیں۔

حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا

نام و نسب:- حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی اُمتہ اور کنیت ام خالد تھی۔ آپ قریش کے خاندان بنی امیہ سے تھیں۔ اور آپ کی والدہ ہمینہ بنت خلف بن اسعد بن عامر خزاعیہ تھیں۔ آپ کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:-

عبد شمس
امیہ — عامر خزاعی
عاص — اسعد
سعید — خلف
خالد — ہمینہ
امتہ (ام خالد) — زبیر رض — عوام
عمرو — خالد
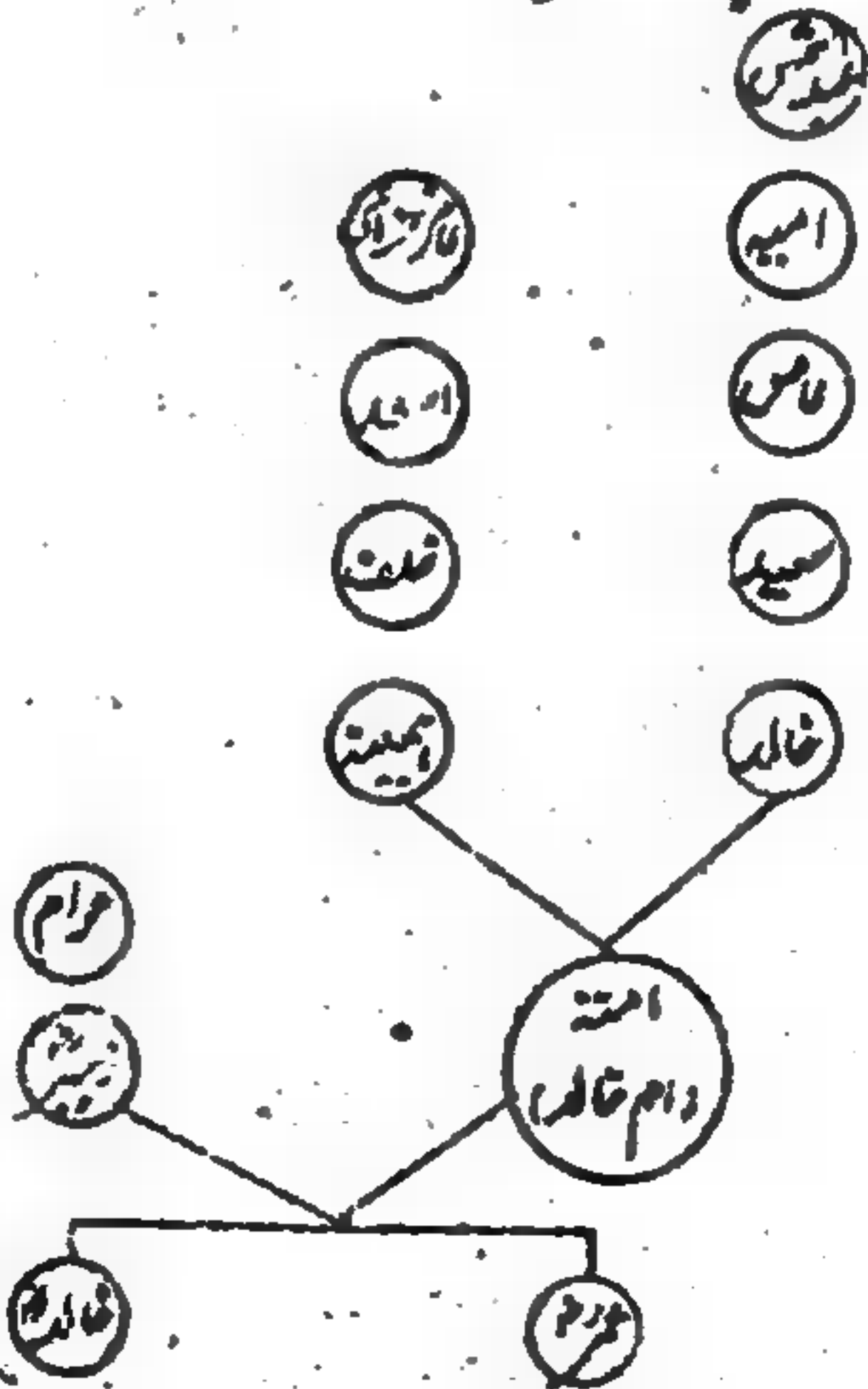
ولادت: جب حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اپنی بیوی ہمراہ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تو وہیں حضرت امتہ (ام خالد) پیدا ہوئیں۔

نکاح: حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زبیر بن العوام سے ہوا تھا۔

عام حالات: حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا اپنے والدین کے ساتھ سن شعور تک حبشہ ہی میں سکونت فرما رہیں۔ اور جب آپ کو اچھی طرح ہوش آگیا۔ تو آپ کے والدین کشتیوں میں سوار ہو کر مدینہ کو روانہ ہوئے۔ اس زمانے میں نجاشی حبشہ کا حکمران تھا۔ جب یہ لوگ سفر مدینہ کے لئے آمادہ ہوئے تو نجاشی نے سب سے مخاطب ہو کر کہا:

اقرأوا جمیعا رسول اللہ منی السلام — ترجمہ: تم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا سلام کہہ دینا۔

حضرت امتہ (ام خالد) رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں بھی انہی لوگوں میں سے ہوں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی خدمت اقدس میں نجاشی کا سلام پہنچایا۔

فضائل و کمالات: آپ بڑی ذہین، فہمیدہ اور دانشمند خاتون تھیں۔ اور آپ کی عقلمندی

بدولت سب لوگ عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے اور آپ کا ادب کرتے تھے۔
آپ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند احادیث بیان
کی ہیں۔ جن کے راویوں کے نام یہ ہیں:-
موسیٰ بن عقبہ، ابراہیم بن عقبہ، کریب بن سلیمان کندی وغیرہ
(طبقات جلد ۸ ص۱۷۰ و اسد الغابہ جلد ۵ ص۵۸۸)

حضرت ام خالدؓ کے دو بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں:-
اولاد:- عمرو بن زبیرؓ اور خالد ابن زبیرؓ
(اسد الغابہ جلد ۵ ص۱۷۹)

(۴۴)

حضرت آمنہ رملیہ

رضی اللہ عنہا

١- حضرت آمنہ رملیہؒ علوم شرعیہ کی ان فخر عالم خواتین میں سے
تھیں۔ جن سے عورتوں کے علاوہ مردوں نے بھی گروہ در گروہ
علم سیکھنے کی درخواست کرتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ کہ
ہم میں وہ خاتون پیدا ہوئی جو علوم کا سرچشمہ اور حقیقت و
معرفت کا نمونہ ہے۔

٢- آپ کی زندگی کا یہ مبارک کارنامہ ہے کہ آپ نے صنف نازک سے تعلق
رکھنے کے باوجود کس محنت و جانفشانی سے علم حاصل کیا۔ اور اس
کی تلاش و جستجو میں کس ہمت و استقامت سے سفر کئے۔ پھر
آپ علم و عمل کے کس اونچے درجہ پر پہنچ گئیں۔

٣- آپ کے علم و عمل کا بلند مقام اپنے اندر بحد عبرت و بصیرت کا سامان
رکھتا ہے۔ اور خواتین اسلام کو آج بھی پکار پکار کر علم دین کے
حصول کی دعوت دیتا ہے۔

حضرت آمنہ رملیہؒ

نام و نسب:- آپ کا اسم گرامی آمنہ تھا۔ اور رملیہ آپ کے وطن مالوف رملہ کی مناسبت سے آپ کے نام کا جزو بن گیا۔ دوسری صدی ہجری میں جب کہ دنیا کا بیشتر حصہ اسلامی علوم و فنون کی روشنی سے منور ہو رہا تھا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا رملہ نام کے ایک مقام پر جو بغداد کے نواح میں واقع تھا قریباً سنہ ۱۶۲ھ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والدین سخت غریب و مفلس اور معمولی حیثیت کے لوگ تھے۔

حضرت آمنہؓ نے بچپن کی ابتدائی منزلیں اپنے گھر ہی میں طے کیں اور جب ذرا بڑی ہوئیں۔ تو اپنی والدۂ ماجدہ کے ساتھ حج بیت اللہ شریف کے لئے مکہ معظمہ چلی گئیں۔ مکہ مکرمہ اس وقت علم و عمل کا مرکز تھا۔ اور بہت سے تابعین کبار اب بھی بقید حیات تھے۔ جن کے فیوض و برکات سے علوم و فضائل اور رشد و ہدایت کا بازار پوری طرح گرم تھا۔ حضرت آمنہؓ ایک بزرگ تابعی کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر ایک عرصہ تک علوم قرآنی سے مالامال ہوتی رہیں۔ مگر جب ان بزرگ کا انتقال ہو گیا تو آپ مدینہ منورہ میں تشریف لائیں۔ یہ حضرت امام مالکؒ کا زمانہ تھا۔ اور امام ممدوح کے سلسلۂ ارشاد سے ایک دنیا فیض یاب ہو رہی تھی۔ چنانچہ حضرت آمنہؓ نے بھی کافی مدت تک حضرت امام کی خدمت میں حاضر رہ کر

درس حدیث حاصل کیا۔ اور بہت سی روایات کو زبانی حفظ کر لیا۔ حافظ ابن عبدالبر نے ان زبانی روایات کا اندازہ ایک سو کے قریب لگایا۔ حضرت آمنہ رحمۃ نے علم حدیث کی تکمیل کر لی تو آپ کو علم فقہ کا شوق پیدا ہوا۔ جس کو لئے ہوئے آپ اس زمانے کے سب سے مشہور و معتبر فقیہہ حضرت امام شافعیؒ کی خدمت میں سنہ ۱۹۹ ہجری میں مکہ مکرمہ پہنچیں اور کچھ روز وہاں قیام کر کے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ پھر جب حضرت امام شافعیؒ مصر تشریف لے گئے۔ تو حضرت آمنہؒ نے کوفہ کا رُخ کیا اور کوفہ میں پہنچ کر علوم شرعیہ میں مہارت رکھنے والے بزرگوں سے استفادہ کیا۔ اس سے فارغ ہو کر آپ ایک طویل مدت کے بعد اپنے وطن کو واپس آگئیں۔ اس وقت حضرت آمنہؒ کو علوم شرعیہ میں وہ حیرت انگیز کمال حاصل تھا۔ کہ عالم نسواں کے علاوہ مردوں کے بھی گروہ در گروہ طلبۂ علم آپ سے علم سیکھنے کی درخواست کرتے اور اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ہم میں وہ خاتون پیدا ہوئی ہے۔ جو علوم کا سرچشمہ اور حقیقت و معرفت کا روشن نمونہ ہے۔

فضائل و کمالات:۔ حضرت آمنہ رملیہ رضی اللہ عنہا ان برگزیدہ خواتین میں سے تھیں۔ جن کے نزدیک علم کی ضرورت محض عمل کے لئے ہوتی ہے۔ اور آپ اسی اصول کو اپنی زندگی کا نصب العین تصور کرتی تھیں۔ اس لئے آپ بھی اس سنہری اصول کے ماتحت تحصیل علوم کے بعد تکمیل عمل کے لئے کوشش کرنے لگی اور بڑی جد و جہد

سے اس مقصد حسنہ کو سر انجام تک پہنچایا۔ جس سے آپ کا مرتبہ بہت زیادہ بلند ہو گیا۔

اس زمانے میں بغداد بڑے بڑے علماء و فضلا اور اہل باطن حضرات کا مرکز تھا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے بغداد کا سفر کیا اور وہاں ایک درویش کامل سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ جس کے فیض تعلیمات سے آپ کا سارا علم ظاہر و باطن میں تبدیل ہو گیا۔ اور اس کے بعد آپ کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی۔ آپ کے باطن کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور بڑے بڑے بزرگ آپ کی زیارت کے لئے آنے لگے۔ اب آپ ہر وقت گریہ و زاری میں محو رہتیں، عبادت کرتیں تو درگاہ خداوندی میں ایسی بے حس و حرکت کھڑی رہتیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک ستون کھڑا ہے۔ سجدہ میں گرتیں تو پتھر کے بت کی مانند دکھائی دیتی تھیں۔ غرضیکہ مدت تک آپ کی یہ حالت رہی اور اس محویت نے آپ کو عرفان خداوندی کے ایک مقام رفیع پر متمکن کر دیا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے سات بار پیدل چل کر حج کئے اور اپنا سارا مال و اسباب اللہ کی راہ میں دے دیا۔ سال کے اکثر حصہ میں آپ روزے رکھتیں۔ اور دن رات کے بیشتر حصہ میں نمازیں پڑھتی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ، جو اپنے زمانے کے مشہور عارف کامل تھے۔ آپ کو دیکھنے کے لئے ... حضرت آمنہؓ نے ان کی بڑی خاطر تواضع کی اور رات کو جب سونے لگیں تو فرمایا۔ کہ اے بشر! میں سوتی ہوں۔ مگر میرا دل نہیں سوتا حضرت بشرؓ فرماتے

رہیں۔ کہ میں حضرت آمنہؓ کی عبادت کو دیکھنے کے لئے ظاہرا طور پر سو گیا۔ لیکن اصل میں جاگتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ جب نصف رات ہو گئی۔ تو حضرت آمنہؓ نے اٹھ کر وضو کیا۔ اور رات کے سناٹے میں ان الفاظ میں دعائیں مانگیں۔

"اے سارے عالم کے پیدا کرنے والے! تیری نعمتیں بے شمار ہیں۔ مگر کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو ان کی قدر نہیں کرتے۔ تو کس قدر رحم کرنے والا ہے۔ مگر دنیا اس کو بھولی ہوئی ہے ساری کائنات سے زیادہ محبوب! میری عزت تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

خداوندا! قیامت میں مجھے سب کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ کہ اگر ایسا کیا گیا تو لوگ یہی کہیں گے۔ کہ خدا نے اپنی محبت کرنے والی بندی کو رسوا کیا۔

اے محبوب! کیا تو اس کو گوارا کرے گا؟ جان لے کہ اگر تو نے اس کو گوارا کیا تو میں ہرگز ہرگز اسے گوارا نہ کروں گی۔ کہ لوگ تجھ پر الزام دیں ....." (مصباح السلوک جلد دوم)

حضرت بشرؒ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد حضرت آمنہؓ نے نماز شروع کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑا مجرم کسی نہائی پر جلال حاکم کے سامنے کھڑا ہے۔ آپ رکوع و سجود میں مصروف تھیں مگر آپ کی آنکھیں اشک ریزی میں منہمک تھیں، اور آنسوؤں کا یہ حال

کہ آنکھوں سے بہ بہ کر کپڑوں اور زمین کو تر کر رہے تھے۔ آپ کا یہ روزانہ طریقہ تھا۔ اور صبح تک آپ کی یہی حالت رہتی تھی۔

(طبقات الصالحات)

ایک شخص حضرت آمنہ رض کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ کہ حضرت! کچھ نصیحت فرمائیے۔ اس کے جواب میں حضرت آمنہ رض نے ارشاد کیا۔ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

ان کان اللہ قد تکفل بالرزق فاھتمامک لماذا؟	ترجمہ ۱۔ اگر اللہ نے رزق کی ذمہ داری لی ہے۔ تو پھر تیرا تفکر کس لئے ہے؟
وان کان الخلف علی اللہ حقا فالبخل لماذا؟	اور اگر ہر چیز کے بعد اسکی قائم مقامی حق ہے تو بخل کیوں ہے؟
وان کانت الجنۃ حقا فالراحۃ لماذا؟	۲۔ اور اگر جنت برحق ہے۔ تو راحت کیوں ہے؟
وان کان النار حقا فالمعصیۃ لماذا؟	۳۔ اور اگر دوزخ سچ ہے۔ تو گناہ کیسا؟
وان کان کل شیئ بقضاء وقدر فالخوف لماذا؟	۴۔ اور اگر ہر چیز قضاء و قدر سے ہے تو پھر ڈر کس کا؟

حضرت آمنہ رملیہ رضی اللہ عنہا کا علمی و عملی مرتبہ بہت بلند اور وسیع تھا۔ حتی کہ امام احمد حنبل رح جیسے پایہ کے بزرگ جو چوتھے مصلے کے امام اور حضرت امام شافعی رح کے شاگرد تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر

ہوا کرتے تھے۔ اور آپ سے دعائے فیض کے حصول کی خواہش کیا
تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ امام احمدؒ بیمار ہوئے تو انہوں نے حضرت ب
فرمایا کہ میرے لئے دعا کرا دیجئے۔ حضرت بشرؒ نے حضرت آمنہؒ کی
میں عرض کیا، کہ امام صاحب آپ سے دعا کرانا چاہتے … ت آمنہؒ نے
ہاتھ اٹھا کر کہا:-

"اے اللہ! بشر اور احمد تیری دوزخ سے پناہ چاہتے ہیں تو
ان کو اس سے محفوظ رکھنا"

حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسی شب میں آسمان سے ایک پرچہ
جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا تھا:

(ہم نے قبول کیا اور ہمارے پاس بہت سی نعمتیں ہیں)

اس واقعہ سے جس کا تذکرہ حضرت امام احمد حنبلؒ جیسے ثقہ و مسلمہ بزرگ اور امام
کیا ہے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی بزرگی، تقدیس اور شان عظمت کا اندازہ
کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنی زندگی اور قابلِ فخر سیرت سے دنیا کو دکھا دیا کہ
جنس لطیف بھی جس کو مردوں کے مقابلہ میں بہت معمولی حیثیت دی جا
ہے۔ اللہ کی راہ میں مجاہدہ اور محبت و ریاضت سے وہ بلند مرتبہ حاصل
کر سکتی ہے۔ جو بیشتر مردوں کے لئے بھی باعث رشک ہو۔ اور جس سے
بڑے بڑے بزرگ بھی استفادہ کرتے ہیں کوئی عار محسوس نہ کریں
گزشتہ اوراق جن مقدسات امت کے تذکار مقدس سے مزین
کئے گئے ہیں کیا خواتین اسلام کے لئے ان مقدسات کی سیرت و کردار

(ز)ندگی درس عبرت نہیں ہے؟ اگر ہے تو ان کی پیروی کر کے دین و دنیا (کی سعاد)ت و کامرانی حاصل کرنے میں ہماری ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے (لئے ک)ون سی چیز مانع ہے؟ خدا کے لئے فیشن کی پوجا چھوڑ کر اپنے بزرگوں (کے) نقش قدم کو شمع راہ بنائیے۔ تاکہ آپ دونوں جہان کی نعمتوں اور (سربل)ندیوں کی وارث بن جائیں۔ اور آنے والی نسلیں آپ کی سیرت (آپ) کے عمل و کردار اور آپ کے علمی و اخلاقی کارناموں پر فخر کر سکیں۔
مقدسات اسلام کے سوانح حیات کا یہ مجموعہ آپ کے سامنے (پی)ش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ آپ کے لئے علم و عمل، اخلاق (و سی)رت اور فلاح و ہدایت کی ایک ایسی نور افروز مشعل روشن کی (ج)ائے۔ جس سے آپ کی آنکھوں میں صراط مستقیم کے تمام گوشے (نما)یاں ہو جائیں۔ اور اس روشنی کے سہارے آپ منزل کامیابی (تک) آسانی کے ساتھ پہنچ سکیں۔ امید ہے کہ یہ تالیف لطیف خواتین (ملت) کے لئے خضر راہ ثابت ہوگی۔ اور وہ اس کے اوراق میں بکھرے ہوئے اخلاق و موعظت کے گوہر آبدار جی بھر کے چن سکیں گی۔

ایم ایس ابن الزماں

(وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ)

(کتبہ: مولوی محمد ظہور عفی عنہ)

تاریخ طباعت کتاب مقدسات اسلام

کیا خوب امین نے لکھے ہیں
حالاتِ مقدساتِ اسلام

ذکر ان کا ہے درج با وضاحت
گنوائی ہیں جو صالحاتِ اسلام

ازواجِ مطہراتؓ سرورؐ
لاریب ہیں امہاتِ اسلام

ہیں پاک نبیؐ کی بیٹیاں جو
وہ بھی ہیں سبھی بناتِ اسلام

تعظیم ہے سب کی ہم پہ واجب
تھیں ان سے عیاں صفاتِ اسلام

موجود ہے ذکر ان کا جو تھیں
ابکار دختیات اسلام
صدیقہؓ و حفصہؓ و خدیجہؓ
ہیں افضل امہات اسلام
حال ان کا پڑھیں گی دل لگا کر
وہ سب کہ ہیں مومنات اسلام
تعلیم نسا کی خاطر الحق
پیدا ہوئیں محسنات اسلام
تاریخ ہے زد نے داد سے بر
کیا خوب مقدسات اسلام

=۴ ۱۳۸۰ھ

صدیق نے کی لڑائی ان سے
دیتے تھے نہ جو زکواۃ اسلام!
شیخین کے عہد میں ہوئیں حل
عائد جو تھیں مشکلات اسلام
آسودہ وہ شریف ابلی عالم
در ظلّ سرادقات اسلام

(اے۔ اے بھٹی پبلشرز نے استقلال پریس لاہور سے چھپوا کر مکتبۂ دین ودنیا اردو بازار لاہور سے شائع کیا)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا

عظیما ۰ پ ۲۲

مقدساتِ اسلام

مصنف و مؤلف

امین بھٹی ابن المعراج

رفیق ادارہ مصنفین

بنظر ثانی

پیر غلام دستگیر نامی

مکتبہ دین و دنیا (رجسٹرڈ) اردو بازار لاہور